مسیحؑ کا سفرِ زندگی

مؤلفہ

پیام شاہجہانپوری

ملنے کا پتہ

"ادارۂ تاریخ و تحقیق" ۲۳/این عوامی فلیٹس ریواز گارڈن لاہور

فون نمبر ——— ۳۲۲۳۱۳

نام کتاب ——— مسیحؑ کا سفر زندگی

مولف ——— پیام شاہجہان پوری

ناشر ——— حکیم ولی الرحمٰن ناصر

(۳۔ سی عوامی فلیٹس ریواز گارڈن لاہور)

پرنٹر ——— سید ظفر الحسن رضوی

مطبع ——— ظفر سنز پرنٹرز ۹ بی کوپر روڈ لاہور

بار اول ——— اپریل ۱۹۹۱ء

تقسیم کار ——— رضی الدین خاں (منیجر)

تزئین و آرائش: ——— زاہد محمود

قیمت ایک سو روپے (-/۱۰۰ر)
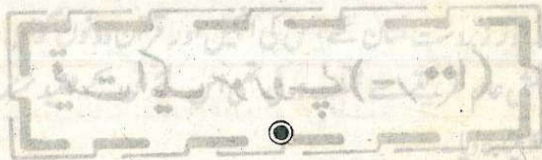
ملنے کا پتہ "ادارہ تاریخ و تحقیق"

این ر ۲۳ عوامی فلیٹس ریواز گارڈن لاہور

(ٹیلی فون نمبر ۳۲۲۳۱۳)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مظلوم پیغمبر

سیدنا حضرت مسیحؑ ابن مریمؑ کا شمار ان مظلوم پیغمبروں میں ہوتا ہے جنہیں ان کی زندگی میں بھی اذیتیں دی گئیں اور دنیا سے رخصت ہونے کے بعد بھی نشانہء ستم بنایا گیا۔ زندگی میں ان کے دشمنوں نے ان پر ظلم کئے اور دنیا سے جانے کے بعد ان کے "دوستوں" نے ایک اور رنگ میں انہیں تختہ مشق بنایا۔ سیدنا مسیحؑ پر تو ظلم کی انتہا کردی گئی یعنی بدبخت یہودیوں نے ان کی پیدائش ہی کو ناجائز قرار دے دیا اور پھر صلیب پر چڑھا کر انہیں ہلاک کرنے کی ناکام کوشش کی۔ ان کے "دوستوں" نے ان پر اس سے بھی بڑا ظلم کیا۔ انہیں خدا کا بیٹا قرار دے کر تین میں سے ایک خدا بنا دیا حالانکہ جناب مسیحؑ نہ خدا کے بیٹے تھے نہ خدا تھے، وہ ایک مقدس انسان تھے 'ایک بزرگ نبی تھے جو مقدس کنواری کے بطن سے پیدا ہوئے تھے' ان کی پیدائش جائز تھی۔ بلاشبہ ان کا باپ نہیں تھا لیکن وہ خدا کی قدرت سے پیدا ہوئے تھے 'اس کا کلمہ اور زبردست نشان تھے جس کی انجیل اور قرآن دونوں گواہی دیتے ہیں۔ چونکہ ان کی پیدائش عام طریقے سے مختلف ہوئی تھی اس لئے ان کے عقیدتمندوں نے غلو کیا اور انہیں خدا کا بیٹا بنا دیا۔

کنواری کے بچہ پیدا ہونا؟

بلاشبہ جناب مسیحؑ کی پیدائش نادر الوجود واقعہ ضرور تھا لیکن قانون قدرت کے خلاف نہیں تھا، ناممکنات میں سے نہیں تھا، اسکی قدرتوں کی کوئی انتہا نہیں ہے جن میں سے کچھ ظاہر ہو گئی ہیں اور لامحدود ایسی ہیں جو ابھی تک اللہ تعالیٰ کی ذات پاک میں مخفی ہیں۔ کون کہہ سکتا ہے کہ اس کی کون سی قدرت کا کب ظہور ہو گا۔ ہمیں تو ایسا نظر آرہا ہے کہ وہ وقت

زیادہ دور نہیں جب ثابت ہو جائے گا اور میڈیکل سائنس اس حقیقت کو تسلیم کرلے گی کہ مرد اور عورت کے ملاپ کے بغیر بھی بچے کی پیدائش ممکن ہے۔ میڈیکل سائنس تصدیق کرے گی کہ بعض عورتوں میں زنانہ (Eggs) یا (Cell) کے ساتھ ساتھ پیدائشی طور پر مرد کے جرثومے بھی موجود ہوتے ہیں یعنی ایسی عورتوں میں قدرت کی طرف سے نر اور مادہ دونوں کے جرثومے پیدا کر دیئے جاتے ہیں۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ جب شوہر اور بیوی آپس میں جنسی ملاپ کرتے ہیں تو مرد کے اپنے جرثومے ضائع ہو جاتے ہیں بلکہ عورت کا طاقتور رحم خود انہیں ہلاک اور تباہ کر دیتا ہے اور عورت کے اندر موجود اس کے اپنے دونوں مخالف جرثوموں کے باہم مل جانے سے حمل قرار پا جاتا ہے۔ یہ حمل جائز ہوتا ہے کیونکہ شوہر اور بیوی کے ملاپ کے نتیجے میں قرار پاتا ہے۔ اس کے قرار پانے میں مرد کا دخل اتنا ہوتا ہے کہ وہ وظیفۂ زوجیت ادا کرتا ہے اور عورت کے جذبات کو مشتعل کر دیتا ہے۔ اس طرح وہ اپنی بیوی کو حاملہ کرنے کا ذریعہ تو بنتا ہے مگر اس ملاپ کے نتیجے میں جو بچہ پیدا ہوتا ہے وہ خالصتہ "اس کی بیوی کے اپنے ہی باہم مخالف جرثوموں کے ملنے سے معرضِ وجود میں آتا ہے جو بچے باپ کی بجائے ماں کی شکل و صورت پر جاتے ہیں ان میں سے اکثر بچے وہی ہوتے ہیں جو باپ کے جرثومے سے نہیں بلکہ ماں کے اپنے ہی باہم مخالف جرثوموں کے ملاپ کے نتیجے میں پیدا ہوتے ہیں لیکن ایک اہم ترین اور بنیادی بات یہ ہے کہ یہ جرثومے اس وقت تک آپس میں مل کر حمل کی صورت اختیار نہیں کر سکتے جب تک کہ مرد، عورت سے جنسی ملاپ کا فعل سرانجام نہ دے ورنہ دنیا میں بدکاری کا دروازہ کھل جائے۔

ابھی تک تو یہ ایک نظریہ ہے جو زیرِ نظر کتاب کے مولف نے اس مسئلے پر طویل غور خوض کے بعد پیش کیا ہے اگر میڈیکل سائنس نے تحقیق کا عمل جاری رکھا تو ایک نہ ایک دن ثابت ہو جائے گا کہ لاکھوں بلکہ کروڑوں عورتوں میں سے کوئی ایک عورت ایسی بھی ہوتی ہے جو مرد سے ملاپ کے بغیر بھی حاملہ ہو جاتی ہے۔ اس میں کسی وقتی ہیجان، کسی بیرونی تحریک یا کسی خواب کی وجہ سے ایسا جنسی اشتعال پیدا ہو جاتا ہے کہ اس کے اندر پائے جانے والے نر اور مادہ کے جرثومے آپس میں مل جاتے ہیں اور عورت حاملہ ہو جاتی ہے حالانکہ وہ کنواری اور پاکباز ہوتی ہے اسے کسی مرد نے ہاتھ تک نہیں لگایا ہوتا۔ ماضی کی تاریخ میں ایسے واقعات پیش آچکے ہیں جو اگرچہ دو یا تین سے زیادہ نہیں مگر رونما ضرور ہوئے۔

راقم الحروف اس مسئلے کی تحقیق میں مصروف تھا کہ اللہ تعالیٰ نے غیب سے اس کی مدد فرمائی اور اس نظریئے کی تائید میں ثبوت مہیا فرما دیا۔ یہ ثبوت ایک ایسی ٹھوس حقیقت ہے جس کا انکار یا تو انتہائی تنگ نظر اور متعصب شخص کرے گا یا پرلے درجے کا جاہل۔ اس اجمال کی مختصر سی تفصیل یہ ہے کہ لاہور کے ممتاز گائناکالوجسٹ پروفیسر ڈاکٹر سلیم اختر کے ہسپتال "شادمان ہاؤس" میں حافظ آباد ضلع گوجرانوالہ سے ایک لڑکی لائی گئی جس کے پیٹ میں سخت تکلیف تھی اور پیٹ بڑھا ہوا تھا۔ ایکسرے کرنے سے معلوم ہوا کہ یہ لڑکی تو حاملہ ہے آخر آپریشن کیا گیا اور بچہ پیدا ہوا جو ابھی مکمل نہیں ہوا تھا۔ اس کے سر پر بال بھی موجود تھے۔ یہ وسط مارچ ۱۹۹۱ء کا واقعہ ہے۔ اس بچے کو راقم الحروف نے ڈاکٹر سلیم اختر کی لیبارٹری میں اپنی آنکھوں سے دیکھا۔

ڈاکٹر سلیم اختر صرف ماہر گائناکالوجسٹ ہی نہیں بلکہ دین دار شخص ہیں اور انسانی تخلیق کے موضوع پر ایک کتابچے کے مصنف بھی ہیں جن میں قرآنی آیات سے استدلال کیا گیا ہے ڈاکٹر موصوف اور ان کے قابل و تجربہ کار عملے نے ہر پہلو سے اور مکمل طور پر اس لڑکی کے ٹیسٹ لئے، لڑکی بالکل کنواری تھی، اس کے باوجود حاملہ ہوئی اور اس کے بچہ پیدا ہوا جو اگرچہ ابھی مکمل نہیں ہو پایا تھا۔ یہ اس امر کا ثبوت ہے کہ دنیا میں ایسے واقعات پیش آئے ہیں اگرچہ کروڑوں میں ایک کہ جب کسی ایسی کنواری کے بطن سے بچہ پیدا ہوا جسے کسی مرد نے چھوا تک نہیں تھا۔ گویا ثابت ہو گیا کہ کسی پاکباز کنواری عورت کے بچہ پیدا ہو جانا قانونِ قدرت کے خلاف نہیں البتہ نادر الوجود ضرور ہے۔ یعنی ایسا واقعہ کہیں صدیوں میں پیش آتا ہے پس حضرت مریمؑ کا بغیر مرد کے حاملہ ہو جانا نہ اللہ تعالیٰ کی سنت کے خلاف ہے نہ خلافِ عقل ہے۔ پھر جب خود اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے کہ اے لوگو! پاکباز اور کنواری مریم کے بطن سے جو بچہ پیدا ہوا وہ اللہ کی قدرت اور حکم سے پیدا ہوا تو اس پر یقین نہ کرنا عقل اور ایمان دونوں کی نفی ہے۔

ان حقائق سے ثابت ہو جاتا ہے کہ کسی شخص کا کنواری کے بطن سے بغیر باپ کے پیدا ہو جانا کوئی ایسا واقعہ نہیں جو ایسے شخص کو خدا کے درجے تک پہنچا دے۔ بلاشبہ ایسا شخص اللہ کی قدرت کا نشان ضرور ہے مگر خدا یا خدا کا بیٹا ہرگز نہیں۔ اس میں شبہ نہیں کہ انجیل میں حضرت مسیحؑ کو خدا کا بیٹا کہا گیا ہے اور خود حضرت مسیحؑ بھی اپنے آپ کو خدا کا بیٹا کہا کرتے تھے

مگر اس کا ایک پس منظر تھا جسے نظر انداز کر دیا گیا۔ اس شخص کی بے بسی و بیچارگی، حسرت اور محسوسات کا کون اندازہ کر سکتا ہے جس کا کوئی دنیاوی باپ نہ ہو، جسے قدم قدم پر طعنے دیئے جائیں اور دل دکھانے کی غرض سے اٹھتے بیٹھتے سوال کیا جائے کہ تیرا باپ کون ہے؟ اس سوال سے اس کا دل کس قدر زخمی ہوتا ہو گا۔ پس حضرت مسیحؑ یہودیوں کو ان کے سوال کا یہ جواب دیتے تھے کہ ٹھیک ہے میرا کوئی دنیاوی باپ نہیں ہے مگر میرا آسمانی باپ ضرور ہے جس طرح باپ اپنی اولاد کا سرپرست و نگراں ہوتا ہے، اس کی حفاظت کے سامان مہیا کرتا ہے، نہایت شفقت و محبت سے اس کی پرورش اور تربیت کرتا ہے، جناب مسیحؑ کا مقصود و مدعا یہ تھا کہ اسی طرح اللہ تعالیٰ میرا سرپرست ہے وہ مجھ پر شفقت فرماتا ہے اس نے میری تربیت فرمائی اور وہی میرا محافظ و نگراں ہے اس لئے وہی میرا باپ ہے۔ پس "باپ" کے لفظ سے جناب مسیحؑ کی یہ مراد تھی، بعد کے لوگوں نے اس لفظ کو جسے حضرت مسیحؑ مجازی معنی میں استعمال فرماتے تھے، حقیقت پر محمول کر دیا اور انہیں خدا کا سچ مچ کا بیٹا بنا دیا حالانکہ جناب مسیحؑ نے متعدد مواقع پر اپنے لئے بار بار "ابن آدم" کے الفاظ استعمال کئے جو تحریف کے باوجود آج تک انجیل میں موجود ہیں۔ اس میں یہی بھید تھا کہ حضرت مسیحؑ اس غلط فہمی کو دور کر دینا چاہتے تھے کہ واقعی اور حقیقی معنی میں وہ خدا کے بیٹے ہیں بلکہ دراصل وہ ابن آدم ہیں، آدم کے بیٹے ہیں اور آدم ہی کے نطفے سے پیدا ہوئے ہیں، یہ نطفہ ان کی والدۂ محترمہ، مقدس مریمؑ کے رحم میں پیدائشی طور پر موجود تھا۔

بہرحال جس طرح یہودی ظاہر پرستی کی وجہ سے ٹھوکر کھا گئے اور خدا کے ایک راستباز نبی (جناب مسیحؑ) کو قبول کرنے سے محروم رہ گئے اسی طرح مسیحی ظاہر پرستی کے ہاتھوں جناب مسیحؑ کو خدا کا سچ مچ کا بیٹا قرار دے کر روحانیت اور خدا شناسی سے محروم ہو گئے۔

غرض یہ کہ جناب مسیحؑ کے لئے کچھ ایسے حالات پیدا ہو گئے کہ آپؑ کی شخصیت اور زندگی عجیب و غریب داستانوں کا مجموعہ بن گئی۔ مبالغہ آمیز روایات کا جتنا بڑا انبار حضرت مسیحؑ کی زندگی کے بارے میں جمع کر دیا گیا اتنا بڑا انبار شاید ہی کسی پیغمبر کے بارے میں جمع کیا گیا ہو افسوس کہ روایات اور داستانوں کے اس سیلاب میں حضرت مسیحؑ کے بعض مسلمان سیرت نگار اور علماء بھی بہہ گئے۔

زیر نظر کتاب اس مقصد کے تحت لکھی گئی ہے کہ سیدنا مسیحؑ کے بارے میں جو غلط

فہمیاں پیدا کر دی گئیں ہیں ان کا ازالہ کیا جاسکے اور ان سے متعلق روایات کو درایت کی کسوٹی پر، پرکھ کر دیکھا جائے۔ اس طرح غلط اور صحیح میں امتیاز کر کے غلط کو رد کر دیا جائے صحیح کو قبول کر لیا جائے۔ بنیادی طور پر یہ تاریخ کی کتاب ہے، یہ خالص علمی کام ہے مگر چونکہ سیدنا مسیحؑ خدا کے برگزیدہ رسول اور پیغمبر تھے اس لئے ان کی روداد زندگی بیان کرتے ہوئے مذہبی کتب سے استفادہ ناگزیر ہے۔ مذہبی کتب میں تورات، انجیل، قرآن، احادیث اور تفاسیر بنیادی مآخذ ہیں جن سے سیدنا مسیحؑ کا کوئی سیرت نگار، کوئی تذکرہ نویس صرفِ نظر نہیں کر سکتا قرآن شریف تو خدا کا غیر محرف کلام ہے لیکن باقی ماخذوں کے بارے میں یہ دعویٰ نہیں کیا جا سکتا اس لئے ہم نے جناب مسیحؑ کے واقعات زندگی بیان کرتے ہوئے تورات، انجیل، احادیث اور تفاسیر کی وہی روایات قبول کی ہیں جو مستند ہیں اور جن کی قرآن شریف سے تائید و تصدیق ہوتی ہے یا جو سنت اللہ اور قانون قدرت کے خلاف نہیں۔ اپنے قانون و سنت خود اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں بیان فرما دیئے ہیں۔

الحمدللہ کہ اس موضوع پر ہمارے پاس اتنا مواد ہے کہ چار پانچ سو صفحات کی کتاب باآسانی لکھی جاسکتی تھی مگر اس خیال سے کہ مصروفیات اور مسائل کے اس دور میں اس قسم کے موضوع پر ضخیم کتابیں کون پڑھتا ہے؟ اختصار سے کام لیا گیا۔ پھر ایک مسئلہ قوت خرید کا بھی ہے۔ کتاب کی قیمت اتنی ہونی چاہئے جو درمیانہ طبقے کے لوگوں کی گنجائش سے زیادہ نہ ہو تاکہ کتاب زیادہ سے زیادہ لوگوں تک پہنچ سکے اس لئے ہم نے اسے طول دینے اور پھیلانے سے عمداً گریز کیا اور جس دعوے کے ثبوت میں بیس حوالے پیش کئے جاسکتے تھے اس کے ثبوت میں پانچ یا دس حوالوں پر اکتفا کیا اس طرح تمام ضروری مباحث کا احاطہ ہو گیا اور ضخامت بھی زیادہ نہیں ہوئی۔

بلاشبہ اس کتاب میں ایسے مقامات بھی آئے ہیں جہاں وہ لوگ چیں بجبیں ہوں گے جنہوں نے قرآن شریف اور احادیثِ صحیحہ کے علاوہ اپنے اکابر کے اقوال کو بھی سند بنا رکھا ہے لیکن ان کا چیں بجبیں اور مشتعل ہونا اس لئے درست نہیں کہ کسی مسلک کے بانی یا کسی مکتبۂ فکر کے بڑے سے بڑے عالم کو ------ اس کے اقوال و نظریات کو قرآن شریف اور احادیثِ صحیحہ پر فوقیت نہیں دی جاسکتی۔ نہ یہ عقلاً درست ہے نہ مذہباً۔ قرآن شریف میں جگہ بہ جگہ ان لوگوں کو تنبیہہ کی گئی ہے جو کہتے تھے اور اب بھی کہتے ہیں کہ ہم فلاں فعل یا

عقیدے کو اس لئے ترک نہیں کریں گے کہ ہمارے باپ دادا اس پر عمل کرتے تھے، ہمارے اکابر اسے درست سمجھتے تھے۔ اس طرح قرآن شریف نے روایات کو پرکھنے اور تاریخ لکھنے کا ایک سنہرا اصول وضع فرما دیا کہ وہی بات درست ہے جسے قرآن درست قرار دیتا ہے۔ جسے صاحب قرآن (صلی اللہ علیہ و سلم) درست قرار دیتے ہیں اور جو قانون قدرت اور سنت اللہ سے متصادم نہ ہو پس اس کتاب کی تحریر و تالیف میں یہی اصول اختیار کیا گیا ہے۔

یہ کوئی نئی بات نہیں ہمیشہ سے ہوتا چلا آیا ہے کہ جب بھی عام ڈگر سے ہٹ کر کوئی بات کہی جائے۔ کوئی نظریہ پیش کیا جائے تو مخالفت کا طوفان اٹھ کھڑا ہوتا ہے۔ دنیا میں مذہب کے نام پر جتنے فسادات ہوئے، جتنی خوں ریزیاں ہوئیں، یا مذہبی اختلافات کی بنا پر ایذا رسانیوں کے جتنے ہولناک واقعات رونما ہوئے اگر ان کی حقیقت کو کریدا جائے تو اس کی تہہ میں دو ہی جذبے کارگر نظر آئیں گے ایک قوتِ برداشت کی کمی اور دوسرا یہ جذبہ کہ ہمارے اکابر نے جو کہہ دیا وہی درست ہے باقی سب غلط۔ اس لئے زیر نظر کتاب کی اشاعت کے بعد بھی اگر ایسا ہو تو ہرگز تعجب نہیں ہونا چاہئے لیکن مخالفت کے خوف کی بنا پر حقائق کے اظہار سے گریز کرنا بہت بڑی بددیانتی ہے جس کا ارتکاب کسی بھی باضمیر مورخ اور تذکرہ نگار کو نہیں کرنا چاہئے۔ امید ہے قارئین کرام انہی گزارشات کی روشنی میں اس کتاب کا مطالعہ فرمائیں گے۔ آخر میں اللہ تعالیٰ کے حضور عاجزانہ و دردمندانہ دعا ہے کہ وہ اپنے اس عاجز بندے کی یہ حقیر کوشش قبول فرمائے اور اس کی اشاعت سے وہ مقاصد حاصل ہو جائیں جن کی خاطر اس وادیٔ خارزار کا سفر اختیار کیا گیا، آمین۔

۱۸ رمضان المبارک ۱۴۱۱ھ

(۴ اپریل ۱۹۹۱ء)

پیامؔ شاہ جہان پوری
۲۳-این- عوامی فلیٹس ریواز گارڈن
فون نمبر ۳۲۲۳۱۳ لاہور

ایک ہی دُعا

عظیم صداقت کا انکشاف

"اے (آسمانی) باپ انہیں معاف کر
کیونکہ یہ جانتے نہیں۔" (حضرت مسیحؑ)

(میدانِ صلیب میں دُعا)

"اے اللہ میری قوم کو معاف کر
کیونکہ یہ نہیں جانتے۔" (رسولِ اقدسؐ)

(میدانِ اُحد میں دُعا)

تفصیلات اندر کے صفحات میں ملاحظہ فرمائیے

فہرست عنوانات

پیدائش سے صلیب تک

بیاباں سے آواز آرہی تھی :---- (لوگو !)" توبہ کرو کیونکہ آسمان کی بادشاہت نزدیک آگئی ہے " (۱) - یہ آواز مقدس یوحنا کی تھی جنھیں قرآن حکیم یحییٰ" کے نام سے موسوم کرتا ہے - اونٹ کے بالوں کی پوشاک پہنے اور کمر کے ساتھ چمڑے کا پٹکا باندھے یہ مقدس رسول بیاباں میں آواز دیتا پھرتا تھا - اس کی خوراک ٹڈیاں تھیں اور جنگلی شہد (۲) - وہ بے نیاز قسم کا انسان تھا' اپنی خوراک کے لئے کسی کا دست نگر نہیں ہوتا تھا' وہ کسی سے کچھ نہیں مانگتا تھا' اس کا کام صرف خدا کی بادشاہت کا اعلان کرنا تھا جو اس کے بیان اور یقین کے مطابق قریب آگئی تھی کیونکہ -سعیاہ" نبی کی یہ بشارت کتاب مقدس میں درج تھی کہ :

بیاباں میں پکارنے والے کی آواز آتی ہے کہ خداوند کی راہ تیار کرو اس کے راستے سیدھے بناؤ - ○ " (۳)

وہ کہتا تھا کہ " خدا کی راہ تیار کرنے کا وقت نزدیک آگیا ہے " --- کیونکہ فی الواقع وہ بیاباں میں پکار رہا تھا ------ مقدس یوحنا" کی آواز قصبات اور شہروں تک پہنچ گئی - یروشلم اور دریائے اردن کے کنارے آباد بستیوں کے لوگ اس کی پرہیبت مگر دلکش آواز سن کر اور اس کے چہرے بشرے سے آثار ربانی دیکھ کر اس کے اردگرد جمع ہو رہے تھے ' اس کے سامنے اپنے گناہوں کا اقرار کر رہے تھے ' اس کے ہاتھ پر توبہ کر رہے تھے اور اس سے بپتسمہ لے رہے تھے - پھر اس نے ان سے کہا کہ :-

" میں تو تم کو توبہ کے لئے پانی سے بپتسمہ دیتا ہوں لیکن جو میرے بعد آتا ہے وہ مجھ سے

سے الگ رہے چنانچہ کتاب مقدس میں ہے :-

" پس یوسف نے نیند سے جاگ کر ویسا ہی کیا جیسا خداوند کے فرشتے نے اسے حکم دیا تھا اور اپنی بیوی کو اپنے ہاں لے آیا ○ اور اس کو نہ جانا جب تک اس کے بیٹا نہ ہوا اور اس کا نام یسوع رکھا (۹) ○ "

ولادت مسیحؑ

پھر جب وضع حمل کا وقت قریب آگیا تو حضرت مریمؑ کے شوہر جناب یوسف انھیں اپنے ہمراہ لے کر " ناصرة " سے " بیت لحم " کو روانہ ہوگئے جو " ناصرة " سے جنوب کی طرف ستر میل کے فاصلے پر واقع تھا۔ شاید اس کی وجہ یہ تھی کہ " ناصرة " میں جو حضرت مریمؑ کے شوہر کا وطن تھا بچہ بچہ ان دونوں کو جانتا تھا اور بعض لوگوں کو شادی سے قبل ہی ان کے حاملہ ہو جانے کا علم ہو چکا تھا اس لئے حضرت مریمؑ اور جناب یوسف دونوں نے ظاہری بدنامی سے بچنے کی غرض سے عارضی طور پر کسی دور دراز مقام کی طرف منتقل ہو جانا ہی بہتر اور مناسب خیال کیا ہوگا۔ بیت لحم پہنچ کر بھی حضرت مریمؑ اور جناب یوسف نے شہر میں قیام کرنا مناسب نہ سمجھا بلکہ آبادی سے باہر قیام کیا جہاں چرواہوں کی جھونپڑیاں تھیں ، یہیں حضرت مسیحؑ کی ولادت ہوئی۔ انجیل بھی اس کی تائید کرتی ہے کہ جناب مسیحؑ کی پیدائش شہری آبادی والے علاقے میں نہیں ہوئی چنانچہ لکھا ہے :-

" اور وہ لڑکا بڑھتا اور روح میں قوت پاتا گیا اور اسرائیل پر ظاہر ہونے تک جنگلوں میں رہا (۱۰) ○ "

یہیں یعنی بیت لحم کی آبادی سے باہر کسی غیر آباد مقام پر انھیں درد زہ شروع ہوا اور عین درد کی حالت میں ان کی زبان سے یہ الفاظ نکلے :-

" اے کاش میں اس (واقعے) سے پہلے مرگئی ہوتی اور میری یاد تک مٹا دی گئی ہوتی (القرآن - سورہ مریم آیت نمبر ۲۳)

انھیں رہ رہ کر خیال آتا ہوگا کہ جب وہ بچے کو لے کر قوم کی طرف واپس جائیں گی تو لوگ کیا کیا بہتان نہیں باندھیں گے۔ ان کی یہ فریاد یا درد ناک الفاظ اسی ظاہری رسوائی کی غمازی کر رہے تھے ورنہ وہ جانتی تھیں اور ان کے شوہر بھی کہ وہ پاک دامن اور

عفیفہ ہیں ۔ تب پہاڑی کی زیریں جانب سے آواز آئی کہ (اے مریم) " رنج و غم نہ کر تیری نچلی سمت اللہ نے ایک چشمہ جاری کر رکھا ہے اس کے قریب چلی جا اور جن کر فارغ ہو جا "۔۔ پھر فرمایا :-

" اور کھجور کی ٹہنی پکڑ کر ہلا وہ تجھ پر تازہ پھل گرائے گی " (سورہ مریم آیت نمبر ۲۶)

اس کے بعد فرمایا کہ " یہ تازہ کھجور کھاؤ اور پیو " (یعنی چشمے کا شیریں اور مصفی پانی پی کر قوت حاصل کرو)

انجیل کی روایت کے مطابق جب حضرت مسیحؑ کی ولادت ہوئی تو (ایران سے) ایک قافلہ " یروشلم " میں آیا ۔ قافلے کے لوگ اہل شہر سے دریافت کر رہے تھے کہ یہاں یہودیوں کا بادشاہ پیدا ہوا ہے ؟ ہم اس کی تلاش میں ہیں ہمیں بتاؤ وہ کہاں ہے ؟ اس علاقے کے حاکم " ہیرو دیس " کو جب اس واقعے کا علم ہوا تو سخت گھبرایا کہ اس مملکت کا حاکم تو وہ ہے یہ کون بادشاہ ہے جسے تلاش کیا جارہا ہے ؟ اس نے یہودیوں کے کاہنوں کو بلا کر ان سے پوچھا کہ تمہاری مذہبی کتابوں کی رو سے مسیحؑ کی پیدائش کہاں ہونی چاہیے ؟ انھوں نے جواب دیا کہ صوبہ یہودیہ کے شہر بیت لحم میں ۔ اس کے بعد اس نے مسیحؑ کی تلاش میں آنے والے قافلے کے سرداروں کو بلایا اور ان سے تحقیق احوال کی ۔ انھوں نے بتایا کہ ہم نے پورب (مشرق) کی طرف ایک ستارہ دیکھا ہے اس ستارے کا طلوع ہونا ظاہر کرتا ہے کہ یہودیوں کا بادشاہ پیدا ہوگیا ہے ہم اسے دیکھنے اور سجدہ کرنے آئے ہیں ۔ یہ سن کر ہیرو دیس نے ان سے کہا کہ جا کر اس بچے کو تلاش کرو اور مجھے بھی بتاؤ تاکہ میں بھی جا کر اسے سجدہ کروں ۔ (۱۱)

مصر کا سفر

ہیرو دیس رومی نہ تھا مگر بت پرست کے زیر اثر ضرور تھا ۔ بت پرست لوگ عام طور پر ضعیف الاعتقاد ہوتے ہیں اس لئے مشرق کی طرف سے اس ستارے کے طلوع ہونے اور مسیحؑ کی پیدائش کی خبر سن کر اسے خطرہ پیدا ہوا کہ اگر یہ بچہ جوان ہوگیا تو اس کے اور اس کے خاندان کے اقتدار کا خاتمہ کر دے گا چنانچہ وہ اس کے قتل کے درپے ہوگیا ۔ ادھر حضرت مریمؑ کے شوہر جناب یوسف نے خواب میں ایک فرشتہ دیکھا جو ان

سے کہہ رہا تھا کہ اٹھ اور اس بچے اور اس کی ماں کو لے کر یہاں سے مصر چلا جا کیونکہ بادشاہ ہیرو دیس اسے قتل کر دینا چاہتا ہے۔ چنانچہ جناب یوسف اسی وقت اٹھے، سامان سفر تیار کر کے حضرت مریمؑ اور نومولود مسیحؑ کو ساتھ لیا اور مصر کی طرف روانہ ہو گئے۔ (۱۲)

اس واقعے کی تصدیق اس خط سے بھی ہوتی ہے جو حضرت مسیحؑ کے ایک حواری نے واقعہ صلیب کے بعد اسکندریہ میں مقیم عقیدتمندان مسیحؑ کو ارسال کیا تھا اور جس کا انگریزی ترجمہ "THE CRUCIFIXION BY AN EYE WITNESS." کے نام سے ہو چکا ہے یعنی "واقعۂ صلیب کا ایک عینی شاہد"۔

(انشاءاللہ) آئندہ صفحات میں اس خط کا تعارف کروایا جائے گا)

بعض روایات سے ثابت ہوتا ہے جن میں ممتاز مسلمان مورخ علامہ ابن کثیرؒ کی روایت بھی شامل ہے کہ حضرت مسیحؑ کی عمر جب بارہ سال کی ہوگئی تو جناب یوسف حضرت مریمؑ اور جناب مسیحؑ کو لے کر یروشلم واپس آگئے۔ (۱۳)

حضرت مریمؑ پر بہتان

حضرت مریم کی وطن واپسی معمولی واقعہ نہ تھا، وہ اپنے ساتھ ایک بیٹا بھی لائی تھیں جس کے بارے میں ان کی قوم کو اسی وقت معلوم ہوگیا تھا جب ان کا حمل ظاہر ہوا تھا درآں حالیکہ وہ ابھی کنواری تھیں مگر چونکہ ابھی بچہ پیدا نہیں ہوا تھا اور نہ حمل پوری طرح ظاہر ہوا تھا اس لئے قوم کو انگشت نمائی کا موقع نہ مل سکا۔ اب جو وہ اپنے بیٹے کو لے کر وطن پہنچیں تو قوم کے لوگ ان کے پاس آئے اور ان سے کہا۔

"اے مریم! تو نے یہ بہت برا کام کیا۔ اے ہارون کی بہن! تیرا باپ تو برا آدمی نہ تھا اور نہ تیری ماں بدکار تھی" (تو نے یہ کیا کیا؟) "القرآن" ۔سورۃ مریم آیت نمبر ۳۱)

تب حضرت مریمؑ نے حضرت مسیحؑ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ اس سے پوچھو۔ انھوں نے جواب دیا کہ یہ تو بچہ ہے ہم اس سے کیا بات کریں تب حضرت مسیحؑ نے اللہ تعالیٰ کی عطا کی ہوئی فراست سے جواب دیا کہ:۔

"میں اللہ کا بندہ ہوں، اس نے مجھے کتاب عطا فرمائی ہے اور نبی بنایا ہے اور مبارک کیا ہے، خواہ میں کہیں بھی رہوں اور جب تک زندہ ہوں مجھے نماز پڑھنے اور زکوٰۃ ادا کرنے کا

حکم دیا ہے اور مجھے اپنی والدہ سے حسن سلوک کرنے والا بنایا ہے اور (اس نے) مجھے ظالم وجابر اور بدنصیب نہیں بنایا اور اس دن بھی مجھ پر سلامتی تھی جب میں پیدا ہوا تھا اور (اس دن بھی مجھ پر سلامتی ہوگی) جب میری وفات ہوگی اور پھر یوم آخرت میں مجھے زندہ کر کے اٹھایا جائے گا"۔ (القرآن۔ سورۃ مریم آیت ۳۱ تا ۳۴)

اگرچہ حضرت مسیحؑ نے زبان وحی سے نہایت مسکت جواب دیا تھا، مگر یہودیوں نے اس جواب کو قبول نہیں کیا وہ آپؑ کی ولادت کو ناجائز ہی قرار دیتے رہے اور اتہام طرازی سے باز نہ آئے۔ انجیل سے اگرچہ ان کے اس الزام کو نکال دیا گیا ہے کہ اس سے جناب مسیحؑ کی اہانت ہوتی تھی مگر تمام تر احتیاطوں کے باوجود کم سے کم ایک مقام پر یہودیوں کا اعتراض انجیل میں درج ہو ہی گیا، چنانچہ ایک روز جب حضرت مسیحؑ یہودی علماء اور ان کے اکابر کو وعظ و نصیحت فرما رہے تھے اور انھیں ان کی بداعمالیوں پر تنبیہہ کر رہے تھے تو انھوں نے آپؑ پر زبان طعن دراز کی، یہ واقعہ انجیل میں محفوظ رہ گیا۔ چنانچہ لکھا ہے کہ۔

"انھوں نے اس (یسوع) سے کہا۔ ہم حرام سے پیدا نہیں ہوئے" (۱۳۔ الف)

اس طعنے کے جواب میں حضرت مسیحؑ نے غضبناک ہو کر فرمایا کہ تم ابلیس سے پیدا ہوئے اور کہا کہ میرا تو باپ ہے اور وہ خدا ہے۔

"میں خدا سے نکلا اور آیا ہوں کیونکہ میں آپ سے نہیں آیا ... تم اپنے باپ ابلیس سے ہو اور اپنے باپ کی خواہش کو پورا کرنا چاہتے ہو۔" (۱۳۔ ب)

گویا یہودی علما اور اکابر نے حضرت مسیحؑ کی ولادت پر جو ناپاک الزام لگایا تھا وہ اس پر آخر تک قائم رہے اور زبان وحی سے مقدس مریمؑ کی عفت وپاکبازی کی تصدیق وشہادت کا بھی ان پر کوئی اثر نہ ہوا۔ اس کے بعد حضرت مریمؑ جناب مسیحؑ کو لے کر اپنے شوہر جناب یوسف کے ساتھ "ناصرۃ" چلی گئیں اور وہیں سکونت اختیار کر لی یہیں حضرت مسیحؑ نے اپنی مقدس والدہ کے زیر سایہ تعلیم و تربیت کے باقی مراحل طے کئے۔ یہی زمانہ تھا جب حضرت مسیحؑ کے خالہ زاد بھائی اور حضرت زکریاؑ کے بیٹے حضرت یوحنا جنھیں قرآن یحییٰ کے نام سے موسوم کرتا ہے بنی اسرائیل میں تبلیغ و ہدایت کا فریضہ سرانجام دے رہے تھے۔

ان کی پر کشش شخصیت اور دل آویز کلام سے متاثر ہو کر یہودیوں میں سے نیک دل لوگ ان کے ہاتھ پر اپنے گناہوں سے توبہ کر رہے تھے اور اپنی زندگیوں میں پاکیزہ انقلاب لا رہے تھے۔

حضرت یحیٰیؑ کی بیعت

پھر ایک دن ایسا ہوا کہ حضرت مسیحؑ دریائے اردن کے پار جاکر حضرت یوحنا (یحیٰیؑ) کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان کی بیعت کرکے ان کے حلقہء ارادت میں داخل ہوگئے اس طرح حضرت یوحناؑ مرشد اور حضرت مسیحؑ مرید قرار پائے، پھر حضرت مسیحؑ نے حضرت یوحناؑ سے تعلیم پاکر خود بھی تبلیغ و ہدایت کا فریضہ سرانجام دینا شروع کر دیا۔ وہ یہودیوں کے معابد میں جاتے اور انھیں ان کے غلط طریقہ کار پر ٹوکتے، ان کے سامنے تورات کے احکام بیان کرتے۔ یہی دن تھے جب حضرت یحیٰیؑ ایک آنے والے نبی کی منادی کر رہے تھے اور اعلان فرما رہے تھے کہ ــــ "خداوند کی راہ تیار کرو، اس کے راستے سیدھے بناؤ" یہ منادی تھی آنے والے رسول کے لئے جس کا نام عیسیٰؑ ابن مریم (مسیحؑ) تھا۔ حضرت یحیٰیؑ تاکید فرما رہے تھے کہ میں تو آنے والے مسیح کا مناد ہوں اور اس لئے آیا ہوں "تاکہ تمھیں قبولیت مسیحؑ کے لئے آمادہ وتیار کروں، مگر یہودیوں کی اکثریت نے حضرت یحیٰیؑ کی مخالفت کی اور کہا کہ "اس میں بدروح ہے (۱۴) "یعنی شیطان نے اس کے دل ودماغ پر قبضہ کرلیا ہے۔ اس طرح یہودیوں نے نہ صرف خدا کے ایک راستباز نبی کو رد کر دیا بلکہ حاکم وقت سے اس کی شکایتیں کرکے انھیں گرفتار کروادیا اور پھر اللہ کا یہ نبی قید خانے میں ہی قتل کر دیا گیا۔ حضرت یحیٰیؑ کا انکار کرنے والوں میں وہ لوگ پیش پیش تھے جو خود کو تورات کا شارح قرار دیتے تھے یعنی علمائے یہود۔ چنانچہ خود حضرت مسیحؑ فرماتے ہیں کہ عام لوگوں نے تو یوحنا کا بپتسمہ لے کر خدا کو راستباز مان لیا، مگر فریسیوں اور شرع کے عالموں نے اس سے بپتسمہ نہ لے کر خدا کے ارادے کو اپنے خیال میں باطل کر دیا۔" (۱۵)

یہودیوں نے جو سلوک حضرت یحیٰیؑ سے کیا وہی حضرت مسیحؑ سے کیا اور جب انھوں نے دعویٰ کیا کہ تورات میں جس مسیحؑ کی آمد کی بشارت دی گئی ہے وہ مسیحؑ میں ہوں ــــ تو انھوں نے سب سے بڑا اعتراض یہ کیا کہ "تیرا تو باپ ہی نہیں تو کس طرح

خدا کا نبی ہو سکتا ہے"۔ ان کے اعتراض کے جواب میں انجیل کہتی ہے کہ خدا کے نبی کی معرفت کہا جا چکا ہے کہ۔

دیکھو! ایک کنواری حاملہ ہوگی اور بیٹا جنے گی۔" (۱۶)

مگر یہودیوں نے یہ استدلال آج تک قبول نہیں کیا۔

یوحنا کی ایلیاہ سے مشابہت

یہودیوں کا دوسرا بڑا اعتراض یہ تھا کہ تورات میں لکھا ہے کہ مسیحؑ کی آمد سے قبل ایلیاہ نبی (جو یہودیوں کے عقیدے کے مطابق آسمان پر اٹھا لیا گیا تھا) آسمان سے اترے گا اس کے بعد مسیحؑ کی آمد ہوگی۔ یہودی کہتے تھے کہ ایلیاہ تو ابھی آسمان سے اترا نہیں پھر تم کیسے مسیحؑ ہوگئے؟۔ اس اعتراض کے جواب میں حضرت مسیحؑ نے فرمایا کہ۔

"اور چاہو تو مانو۔ ایلیاہ جو آنے والا تھا یہی (یوحنا) ہے جس کے کان ہوں سن لے۔" (۱۷)

یہودیوں نے یہ استدلال بھی رد کر دیا کیونکہ یوحناؑ، زکریاؑ نبی کا بیٹا تھا وہ کہتے تھے کہ یوحنا کس طرح ایلیاہ ہو سکتا ہے اسے تو آسمان سے اترنا ہے، یوحنا آسمان سے کب اترا۔ تب حضرت مسیحؑ نے وضاحت کرتے ہوئے جواب دیا کہ "دیکھو یوحنا نبی کی پیدائش سے قبل خدا کے فرشتے نے ان کے والد حضرت زکریاؑ کو بشارت دیتے ہوئے کہا تھا کہ تیرے ہاں جو بیٹا (یوحنا) پیدا ہوگا "وہ ایلیاہ کی روح اور قوت سے (بھرا ہوا) ہوگا۔" (۱۸)

حضرت مسیحؑ کا مقصد و موقف یہ تھا کہ ایلیاہ آسمان سے نہیں اترے گا کیونکہ وہ آسمان پر اٹھایا ہی نہیں گیا۔ تورات میں مسیحؑ کی آمد سے قبل جس ایلیاہ نبی کی آمد کا ذکر کیا گیا ہے وہ استعارے کے رنگ میں ہے اور اس کا مطلب یہ ہے کہ مسیحؑ کی آمد سے قبل ایک مناد ایلیاہ کی روح اور قوت کے ساتھ پیدا ہوگا جو مسیحؑ کی آمد کی بشارت دے گا، ہ مناد یہی یوحنا (یحیٰیؑ) ہے جس میں ایلیاہ کے روحانی کمالات پائے جاتے ہیں اور وہ مسیحؑ ی آمد کی بشارت بھی دے رہا ہے پس تم مجھے مان لو، مگر علمائے یہود نے حضرت مسیحؑ کا یہ ستدلال بھی رد کر دیا کیونکہ وہ ایلیاہ نبی کو آسمان پر بٹھا چکے تھے اور سچ مچ کے ایلیاہ کی سی کا انتظار کر رہے تھے۔

ــــ اور پھر انھوں نے حاکم وقت سے شکایتیں کرکے اور اس کی ناجائز بیوی"

ہیرودِ یسیا" کے کان بھر کر حضرت یوحنا" (یحییٰؑ) کو گرفتار کروا دیا اس کے بعد انھیں قتل کروا کر اس گواہ ہی کا خاتمہ کر دیا جو حضرت مسیحؑ کی صداقت کی شہادت دے رہا تھا۔ جب حضرت مسیحؑ کو حضرت یحییٰؑ کی شہادت کی خبر ملی تو وہ کشتی میں سوار ہو کر دور دراز علاقے کی طرف روانہ ہوگئے جسے انجیل ویرانہ قرار دیتی ہے۔ اب حضرت مسیحؑ کی مخالفت میں شدت پیدا ہوتی جارہی تھی، یہودی علماء ان سے بحث و تکرار کرتے تھے، ان پر طرح طرح کے اعتراضات کرتے تھے۔ آخر کار انھوں نے صوبہ "گلیل" کے گورنر اور شہنشاہ قیصر روم کے پاس حضرت مسیحؑ کے خلاف شکایات بھیجنی شروع کیں کہ یہ شخص ہمارے دین کو مسخ کرتا ہے، تورات میں نئی نئی باتیں داخل کرتا ہے، اسے نئے نئے معنی پہناتا ہے، یہ خود کو یہودیوں کا بادشاہ کہتا ہے اور لوگوں کو بادشاہ وقت کے خلاف بھڑکا کر بغاوت کروانا چاہتا ہے تاکہ خود بادشاہ بن جائے۔ آخر بیت المقدس کے پیشوائے اعظم "کائفا" نے قوم کے معززین کو جمع کیا اور ان کے سامنے ایک عجیب حیلہ اختیار کر کے جناب مسیحؑ کے قتل پر اکسایا۔ اس نے کہا کہ "تم لوگ نہیں دیکھتے کہ یسوع نامی اس شخص کی وجہ سے بہت فساد پیدا ہورہا ہے اور بہت سے لوگ اس کے ساتھ ہوگئے ہیں اگر اس کے ماننے والوں کی تعداد اسی طرح بڑھتی رہی تو رومی ہم پر حملہ کر کے ہمیں تباہ کر دیں گے پس اسی روز سے حضرت مسیحؑ کے قتل کے مشورے ہونے لگے اور انھیں گرفتار کرنے کی تدبیریں کی جانے لگیں۔

مسیحؑ کی روپوشی اور واپسی

حضرت مسیحؑ اپنے دشمنوں کی سازشوں اور عزائم سے بے خبر نہ تھے۔ جب تک آپؑ کے خلاف اکابر قوم نے متفقہ فیصلہ نہ کیا تھا اس وقت تک آپؑ "یروشلم، بیت لحم، کفر نحوم، بیت صدا، بیت عینیاہ اور فلسطین کے دوسرے قصبات اور شہروں کی ہیکلوں (عبادت گاہوں) میں تعلیم و تبلیغ کا فریضہ سرانجام دیتے رہے مگر جب چیف کاہن اور بیت المقدس کے پیشوائے اعظم سردار "کائفا" کی زیر قیادت علمائے یہود نے متفقہ فیصلہ کر لیا کہ اس شخص (جناب مسیحؑ) کو اب مزید ڈھیل نہ دی جائے تو حضرت مسیحؑ نے روپوشی اختیار کر لی، چنانچہ انجیل میں آتا ہے۔

پیلاطوس کی بیوی کا خواب

چاروں انجیلیں متفق ہیں کہ گورنر پیلاطوس حضرت مسیحؑ کو بے گناہ سمجھتا تھا اور اسے یقین تھا کہ یہودی علما اور فقیہوں نے ازراہ حسد اسے گرفتار کروایا ہے اور اس کی جان کے درپے ہیں یہی وجہ ہے کہ ان کے تمام تر دباؤ کے باوجود وہ حضرت مسیحؑ کو صلیب دینے سے گریز کر رہا تھا۔ اس کے گریز کی دوسری وجہ حضرت مسیحؑ کے ایک مستند حواری کی روایت کے مطابق یہ تھی کہ۔

"جب وہ (پیلاطس) تخت عدالت پر بیٹھا تھا تو اس کی بیوی نے اسے کہلا بھیجا کہ تو اس راستباز (مسیحؑ) سے کچھ کام نہ رکھ کیونکہ میں نے آج خواب میں اس کے سبب بہت دکھ اٹھایا ہے۔" (۲۹)

پس ایک بڑی وجہ یہ تھی کہ گورنر پیلاطوس حضرت مسیحؑ کی جان بچانے کی پوری کوشش کر رہا تھا۔ اس زمانے میں حاکم کا دستور تھا کہ وہ یہودیوں کی عید فسح کے موقع پر سزائے موت کے ایک قیدی کو جسے یہودی چاہتے تھے رہا کردیا کرتا تھا۔ چنانچہ جب گورنر پیلاطوس نے دیکھا کہ یہودی کسی طرح حضرت مسیحؑ کی رہائی قبول کرنے پر آمادہ نہیں تو اس نے ان سے کہا کہ دیکھو یسوع کے ساتھ ایک قیدی "برابا" نامی ہے اگر تم کہو تو میں "برابا" کو صلیب دیدوں اور یسوع کو چھوڑ دوں۔ انھوں نے کہا نہیں "برابا" کو چھوڑ دے اس پر پیلاطس نے کہا کہ پھر یسوع کو، جو مسیحؑ کہلاتا ہے کیا کروں؟ سب نے کہا وہ مصلوب ہو ○ اس نے کہا کیوں اس نے کیا برائی کی ہے؟ مگر وہ اور چلا چلا کر کہنے لگے وہ مصلوب ہو، آگے چل کر انجیل کہتی ہے۔

"جب پیلاطس نے دیکھا کہ کچھ بن نہیں پڑتا بلکہ الٹا بلوا ہوا جاتا ہے تو پانی لے کر (یعنی برتن میں پانی منگوا کر) لوگوں کے روبرو اپنے ہاتھ دھوئے اور کہا میں اس راستباز کے خون سے بری ہوں، تم جانو ○ سب لوگوں نے جواب میں کہا اس کا خون ہماری ہماری اولاد کی گردن پر ○ اس (پیلاطس) نے "برابا" کو ان کی خاطر چھوڑ دیا یسوع کو

کوڑے لگوا کر حوالہ کیا کہ مصلوب ہو (۳۰)"۔

مسیحؑ صلیب پر

اب وہ وقت نزدیک آگیا تھا جب روئے زمین پر تاریخ کا بہت بڑا ظلم ہونے والا تھا اور خدا کے ایک مقدس رسول کو دار پر کھینچا جانے والا تھا۔ حضرت مسیحؑ کو مصلوب کرنے کے لئے یہودیوں کے حوالے کر دیا گیا۔ صلیب لائی گئی اور حضرت مسیحؑ کو حکم دیا گیا کہ اپنی صلیب اٹھا کیونکہ قانون یہی تھا۔

"پس وہ اپنی صلیب اٹھائے ہوئے اس جگہ تک باہر گیا جو کھوپڑی کی جگہ کہلاتی ہے جس کا عبرانی میں ترجمہ "گلگتا" ہے۔ (۳۱)

صلیب پر چڑھانے سے پہلے یہودیوں کا انبوہ حضرت مسیحؑ کے اردگرد جمع ہوگیا، ان کے ساتھ نہایت غیر شائستہ رویہ اختیار کیا، ان کی سخت اہانت کی، انھیں ارغوانی رنگ کا چوغہ پہنایا، کانٹوں کا تاج ان کے سر پر رکھا:۔

"اور اسے سلام کرنے لگے کہ اے یہودیوں کے بادشاہ آداب۔ وہ اس کے سر پر سرکنڈا مارتے اور اس پر تھوکتے اور گھٹنے ٹیک ٹیک کر (مذاق اڑانے کی غرض سے) اسے سجدے کرتے رہے ○ اور جب اسے ٹھٹھوں میں اڑا چکے تو اس پر سے ارغوانی چوغہ اتار کر اس کے کپڑے اسے پہنائے پھر اسے مصلوب کرنے کو باہر لے گئے ○"(۳۲)

اس کے بعد حضرت مسیحؑ کو بڑی بے دردی کے ساتھ صلیب پر چڑھا دیا گیا اور ان کے کپڑے قرعہ ڈال کر بانٹ لئے گئے۔ ان کے ساتھ دو ڈاکو بھی مصلوب کئے گئے ایک ان کی بائیں طرف دوسرا دائیں طرف۔ "راہ چلنے والے سر ہلا ہلا کر اس کو لعن طعن کرتے اور کہتے تھے کہ ○ اے مقدس کو ڈھانے والے اور تین دن میں بنانے والے اپنے تئیں بچا۔ اگر تو خدا کا بیٹا ہے تو صلیب پر سے اتر آ ○ اسی طرح سردار کاہن بھی فقیہوں اور بزرگوں کے ساتھ مل کر ٹھٹھے سے کہتے تھے ○ اس نے اوروں کو بچایا، اپنے تئیں نہیں بچا سکتا۔ یہ تو اسرائیل کا بادشاہ ہے اب صلیب پر سے اتر آئے تو ہم اس پر ایمان لے

آئیں ○ اس نے خدا پر بھروسہ کیا ہے اگر وہ اسے چاہتا ہے تو اب اس کو چھڑا لے کیونکہ اس نے کہا تھا کہ میں خدا کا بیٹا ہوں ○"(۳۳)

دوپہر کے قریب سارے ملک میں اندھیرا چھا گیا۔ گرد و غبار کا سخت طوفان آیا اور پھر سخت زلزلہ (۳۴)

جسے انجیل میں زمین کے لرزنے سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اس دوران میں تکلیف سے بے قرار ہو کر حضرت مسیحؑ کی زبان سے اضطراری حالت میں یہ الفاظ نکلے "ایلی ایلی لما سبقتنی" ۔ (یعنی اے میرے خدا! اے میرے خدا! تو نے مجھے کیوں چھوڑ دیا) :۔

"ان میں بعض نے سن کر کہا یہ "ایلیاہ" کو پکارتا ہے اور فوراً" ان میں سے ایک شخص دوڑا اور اسپنج لے کر سرکہ میں ڈبویا اور سرکنڈے پر رکھ کر اسے چسایا ○ مگر باقیوں نے کہا ٹھہر جاؤ دیکھیں ایلیاہ اسے بچاتا ہے یا نہیں ○ یسوع نے پھر بڑی آواز سے چلا کر جان دے دی ○"(۳۵)

یہیں سے مسیحیت اور تاریخ کے راستے جدا ہوجاتے ہیں، اسلام بھی اس عقیدے کو درست تسلیم نہیں کرتا کہ حضرت مسیحؑ نے صلیب پر جان دی۔ انشاء اللہ آئندہ صفحات میں اس اجمال کی تفصیل بیان کی جائے گی۔

حوالہ جات

(1) متی کی انجیل۔ باب نمبر ۳ آیت (۲)

(2) متی کی انجیل۔ باب نمبر ۳ آیت (۴)

(3) متی کی انجیل۔ باب نمبر ۳ آیت (۳)

(4) متی کی انجیل۔ باب نمبر ۳ آیت (۱۱)

(5) "الیشبع"۔ حضرت زکریاؑ کی بیوی تھیں جنھیں عمر رسیدہ اور بانجھ ہونے کے باوجود اللہ تعالی نے بیٹا عطا فرمایا جسے انجیل میں "یوحنا" اور قرآن میں یحییٰؑ کے نام سے موسوم کیا گیا ہے "لوقا" کی انجیل باب نمبر۱ آیت ۵ تا ۱۴)

(6) لوقا کی انجیل باب نمبر۱ آیت (۲۶ تا ۳۸)

(7) متی کی انجیل ۔ باب نمبر۱ آیت (۲۳ ' ۲۴)

(8) متی کی انجیل ۔ باب نمبر۱ آیت (۲۰ ' ۲۱)

(9) متی کی انجیل ۔ باب نمبر۱ آیت (۲۴ ' ۲۵)

(10) لوقا کی انجیل ۔ باب نمبر۱ آیت (۸۰)

(11) متی کی انجیل ۔ باب نمبر۲ آیت (۱ تا ۹)

(12) متی کی انجیل ۔ باب نمبر۲ آیت (۱۳ ' ۱۵)

(13) ۔ " البدایہ والنہایہ " ۔ الجز الثانی صفحہ ۷۵ مولفہ علامہ ابن کثیرؒ مطبوعہ مصر (۱۳۵۱ ھ)

(13) ۔الف' یوحنا کی انجیل ۔ باب نمبر۸ آیت (۴۱)

(13) ۔ ب' یوحنا کی انجیل ۔ باب نمبر۸ آیت (۴۲ تا ۴۴)

(14) لوقا کی انجیل ۔ باب نمبر۷ آیت (۳۳ ' ۳۴)

(15) لوقا کی انجیل ۔ باب نمبر۷ آیت (۲۹ تا ۳۱)

(16) متی کی انجیل ۔ باب نمبر۱ آیت (۲۳)

(17) متی کی انجیل ۔ باب نمبر۱۱ ایت (۱۴ ' ۱۵)

(18) لوقا کی انجیل ۔ باب نمبر۱ آیت (۱۷)

(19) یوحنا کی انجیل ۔ باب نمبر۱۱ آیت (۵۴)

(20) یوحنا کی انجیل ۔ باب نمبر۱۲ آیت (۱۲ ' ۱۳)

(21) متی کی انجیل ۔ باب نمبر۲۶ آیت (۱۴ تا ۱۶)

(22) لوقا کی انجیل ۔ باب نمبر۲۲ آیت (۴۲)

(23) متی کی انجیل ۔ باب نمبر۲۶ آیت (۴۸)

(24) یوحنا کی انجیل ۔ باب نمبر۱۸ آیت (۱ تا ۱۳)

(25) متی کی انجیل ۔ باب نمبر۲۶ آیت (۶۵ تا ۶۸)

(26) یوحنا کی انجیل ۔ باب نمبر۱۸ آیت (۳۶ تا ۳۸)

(27) لوقا کی انجیل ۔ باب نمبر۲۳ آیت (۴)

(28) مرقس کی انجیل ۔ باب نمبر۱۵ آیت (۱۴ ' ۱۵)

(29) متی کی انجیل ۔ باب نمبر۲۷ آیت (۱۹)

(30) متی کی انجیل ۔ باب نمبر۲۷ آیت (۲۱ تا ۲۶)

(31) یوحنا کی انجیل ۔ باب نمبر۱۹ آیت (۱۷)

(32) مرقس کی انجیل ۔ باب نمبر۱۵ آیت (۱۸ تا ۲۰)

(33) متی کی انجیل ۔ باب نمبر۲۷ آیت (۳۹ تا ۴۴)

(34) متی کی انجیل ۔ باب نمبر۲۷ آیت (۵۴)

(35) متی کی انجیل ۔ باب نمبر۲۷ آیت (۴۶ تا ۵۰)

صلیب سے واپسی

حضرت مسیحؑ کے واقعہء صلیب کے بعد یہودیوں اور مسیحیوں کے درمیان سخت اختلافات پیدا ہوگئے۔ یہودیوں نے یہ کہہ کر مسیحیوں پر زبان طعن دراز کی کہ "تم جسے مسیح رسول اللہ کہتے ہو ہم نے تو اسے صلیب پر مار دیا" اور تورات کی رو سے:

"جسے پھانسی ملتی ہے وہ خدا کی طرف سے ملعون ہوتا ہے" (۱)

اس واقعے کے بعد مسیحیت کے ایک مناد اور جدید مسیحیت کے بانی پولوس (رسول) نے بھی اپنے ایک خط میں لکھا تھا کہ۔

"مسیح جو ہمارے لئے لعنتی بنا اس نے ہمیں مول لے کر شریعت کی لعنت سے چھڑا دیا کیونکہ لکھا ہے کہ جو کوئی لکڑی پر لٹکایا گیا وہ لعنتی ہے" (۲) نعوذ باللہ

اس وقت مسیحیوں نے یہ موقف اختیار کیا کہ حضرت مسیحؑ صلیب پر فوت ضرور ہوئے مگر قبر میں رہنے کے بعد تیسرے دن دوبارہ جی اٹھے اور آسمان پر چلے گئے جہاں وہ خدا کی دائیں طرف بیٹھے ہوئے ہیں اور ایک بار پھر دنیا میں واپس آکر اپنا مشن پورا کریں گے۔ظاہر ہے یہ مسیحیوں کا خود ساختہ عقیدہ تھا جس کی تورات یا واقعات سے بلکہ عقل اور قانون قدرت سے بھی تائید نہیں ہوتی تھی اس لئے اسے یہودیوں نے قبول نہیں کیا اور وہ آج تک خدا کے ایک مقدس نبی کو (نعوذ باللہ) لعنتی قرار دیتے ہیں کیونکہ یہودیوں اور مسیحیوں دونوں کے عقیدے کے مطابق ان کی موت صلیب پر واقع ہوئی۔

انجیل کی شہادت

اصل سوال یہ ہے کہ ایک ایسا واقعہ جس کا سرے سے کوئی وجود ہی نہیں تھا اسے

بنیاد بنا کر مسیحیوں نے یہ عقیدہ کیسے اختیار کر لیا کہ حضرت مسیحؑ صلیب پر فوت ہونے کے
بعد تیسرے دن دوبارہ جی اٹھے جبکہ خود انجیل شہادت دیتی ہے کہ حضرت مسیحؑ صلیب پر ہر
گز فوت نہیں ہوئے ۔ ذیل میں وہ شواہد درج کئے جاتے ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ
جناب مسیح علیہ السلام کو زندہ حالت میں صلیب سے اتار لیا گیا تھا اور ان کی موت لوگوں پر
مشتبہ ہوگئی تھی جیسا کہ قرآن حکیم کا ارشاد ہے ۔

" اسے (مسیح کو) نہ قتل کیا گیا نہ صلیب پر مارا گیا بلکہ وہ (مسیح) ان (یہودیوں)
کے لئے مشتبہ ہوگیا اور جن لوگوں کے درمیان اس میں اختلاف ہے وہ شبہ میں مبتلا ہیں "
۔ (سورۃ النسا آیت نمبر ۱۵۷)

اب انجیل کی زبانی سنئے کہ یہ شبہات کس طرح پیدا ہوئے اور قرآن کے دعوے کی
انجیل سے کس عظیم الشان طریقے سے تائید ہوتی ہے ۔

(1) جب حضرت مسیحؑ کو صلیب پر چڑھایا گیا تو دوپہر کا وقت تھا ۔ تیسرے پہر کے قریب
شدید طوفان گرد و باد آیا ہر طرف تاریکی چھا گئی ' اس کے بعد شدید زلزلہ آیا جسے انجیل
میں بھونچال کا نام دیا گیا ہے ۔ (۳) انجیل ہی کی رو سے فوج کا افسر اور اس کے ساتھی
اس سارے ماجرے کو دیکھ کر خوفزدہ ہو گئے (۴) اور انہیں یہ خیال گزرا کہ یہ ضرور
خدا کا کوئی مقدس بندہ ہے چنانچہ انھوں نے حضرت مسیحؑ کو صلیب سے اتارنے میں جلدی
کی ۔ انجیل سے تصدیق ہوتی ہے کہ فوج کا صوبیدار جسے حضرت مسیحؑ کو صلیب دینے کی
کارروائی کا نگراں مقرر کیا گیا تھا ' طوفان گردباد ' ہر طرف تاریکی کی شدت اور سخت زلزلہ
دیکھ کر دہشت زدہ ہوگیا اور حضرت مسیحؑ کی صداقت کا قائل ۔ چنانچہ جناب مسیحؑ کا ایک
حواری بیان کرتا ہے کہ ۔

" یہ ماجرا دیکھ کر صوبہ دار نے خدا کی تمجید کی اور کہا بے شک یہ خدا کا بیٹا تھا" (۵)

(2) جس روز حضرت مسیحؑ کو صلیب دی گئی اس کی صبح کو یہودیوں کی عید فسح تھی اور
تورات کی تعلیم کے مطابق عید سے متصل رات یا شام کو کوئی لاش صلیب پر نہیں رہنی
چاہیئے ۔ دوسری روایت کے مطابق وہ تیاری کا دن تھا اور " سبت " شروع ہونے کو تھا اور
مسلمانوں کی طرح یہودی تقویم کی رو سے بھی اگلا دن شام سے شروع ہو جاتا ہے ۔ گویا

سورج غروب ہوتے ہی " سبت " کا دن شروع ہونے والا تھا اور " سبت " یا اس سے
متصل شب میں یہودیوں کے نزدیک نعش کو صلیب پر نہیں رہنا چاہیے چنانچہ انجیل میں
ہے ۔

" پس چونکہ وہ تیاری کا دن تھا یہودیوں نے پیلاطس سے درخواست کی کہ ان
(حضرت مسیحؑ اور ان کے ساتھ صلیب دیئے جانے والوں) کی ٹانگیں توڑ دی جائیں اور
لاشیں اتار لی جائیں تا کہ " سبت " کے دن صلیب پر نہ رہیں کیونکہ وہ " سبت " ایک
خاص دن تھا " ○ (۶)

(3) حضرت موسیٰؑ کی شریعت کی رو سے خواہ عید ہو یا نہ ہو نعش کا پھانسی پر رات کو لٹکتے
رہنا گناہ تھا اور اسے سختی سے منع کیا گیا تھا چنانچہ جناب موسیٰؑ فرماتے ہیں کہ :-

" اگر کسی نے کوئی ایسا گناہ کیا ہو جس سے اس کا قتل واجب ہو اور تو اسے درخت سے
ٹانگ دے تو اس کی لاش رات بھر درخت پر لٹکتی نہ رہے بلکہ تو اسی دن اسے دفن کر دینا" (۷)

یہودی حضرت موسیٰؑ کی شریعت کے پابند تھے اور رومی حکومت یہودیوں کے مذہبی
اور دینی امور میں مداخلت کرنے سے گریز کرتی تھی بلکہ ان کے بارے میں ان کی شریعت
کے مطابق فیصلے کرتی تھی پس ان کے مجرموں کی لاشیں شام ہونے سے قبل انھیں دے
دیتی تھی ۔ اس لئے حضرت مسیحؑ کی نعش بھی رات کو صلیب پر نہیں رہ سکتی تھی چنانچہ یہی
وجہ ہے کہ انجیل کے بیان کے مطابق جب یہودیوں نے حضرت مسیحؑ اور آپؑ کے ساتھ
صلیب پر چڑھائے جانے والے ڈاکوؤں کی لاشیں صلیب پر سے اتارنے کی درخواست کی تو
یہ لاشیں اتار لی گئیں ۔

(4) شدید زلزلے اور طوفان گرد باد کی وجہ سے خود صوبیدار اور سپاہیوں نے گھبراہٹ کے
عالم میں صلیب پر سے حضرت مسیحؑ کا جسم اور دونوں ڈاکوؤں کی لاشیں اتار لیں ' ڈاکوؤں
کی تو ہڈیاں توڑ دی گئیں مگر چونکہ صوبیدار پر حضرت مسیحؑ کی راست بازی آشکارا ہو چکی
تھی اس لئے اس نے آپؑ کی ہڈیاں نہیں تڑوائیں ۔ اس طرح حضرت مسیحؑ زندہ حالت
میں صلیب پر سے اتار لئے گئے ۔ یہ ہمارا ذاتی خیال نہیں نہ کوئی انوکھا طرز استدلال ہے
بلکہ اس کے ساتھ ' ایک نہیں کئی مضبوط گواہ ہیں جن میں سب سے بڑا گواہ خود انجیل ہے

چنانچہ لکھا ہے :۔

" پس سپاہیوں نے آکر پہلے اور دوسرے شخص کی ٹانگیں توڑ دیں جو اس (حضرت مسیحؑ) کے ساتھ مصلوب ہوئے تھے لیکن جب انھوں نے یسوع کے پاس آکر دیکھا کہ وہ مرچکا ہے تو اس کی ٹانگیں نہ توڑیں مگر ان میں سے ایک سپاہی نے بھالے سے اس کی پسلی چھیدی اور فی الفور اس سے خون اور پانی بہہ نکلا " (۸)

مسیحؑ صلیب پر زندہ رہے

یہاں دوسوال پیدا ہوتے ہیں جو نہایت اہم ہیں اور اس واقعے کی حقیقت کو سمجھنے کے لئے کلیدی حیثیت رکھتے ہیں ۔ پہلا سوال یا نکتہ یہ کہ مصلوب کی موت واقع ہوئی ہو یا نہ واقع ہوئی ہو ، صلیب پر سے اتارنے کے بعد مصلوب کی ٹانگیں توڑنا ضروری تھا تاکہ اگر اس میں زندگی کی ذرا سی بھی رمق باقی رہ گئی ہو تو وہ بھی ختم ہو جائے اور مصلوب کی موت میں کوئی شبہ باقی نہ رہے اس لئے حضرت مسیحؑ کے ساتھ مصلوب ہونے والے دونوں مجرموں کی ٹانگیں توڑ دی گئیں پھر حضرت مسیحؑ کی ٹانگیں کیوں نہیں توڑی گئیں ؟ اس کی اصل اور بنیادی وجہ یہی تھی کہ حضرت مسیحؑ کو صلیب پر چڑھانے کے بعد خوفناک طوفان گرد باد آیا (۹) سورج تاریک ہوگیا اور سخت زلزلے نے پہاڑوں کی چٹانوں تک کو ہلا دیا (۱۰) پس اللہ کے اس قہری نشان نے اس کارروائی کی نگرانی کرنے والے فوجی افسر کو لرزہ بر اندام کر دیا اس کے بہت سے سپاہی بھی ڈر گئے چنانچہ انہوں نے حضرت مسیحؑ کی ٹانگیں توڑنے سے عمداً گریز کیا تاکہ کسی طرح وہ صلیب پر سے میرے زندہ اتر آئیں ۔ صلیب پر ان کی شدید بے ہوشی کو صوبیدار کے بعض ساتھیوں نے ان کی موت سمجھ لیا ۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے اپنے مقدس نبی کو صلیبی موت سے بچالیا تاکہ ان پر لعنت کی موت مرنے کا الزام لگا کر یہودی انھیں کاذب قرار دینے میں کامیاب نہ ہو سکیں ۔

واقعات شہادت دیتے ہیں کہ اگر یہ خوفناک طوفان گردباد اور شدید زلزلہ نہ بھی آتا جس سے خوفزدہ ہو کر صوبیدار اور اس کے ساتھیوں نے حضرت مسیحؑ کے ساتھ رعایت برتی تو بھی آپؑ کو زندہ حالت میں صلیب سے اتارنے کی پوری کوشش کی جاتی اس کی

وضاحت انشاء اللہ آئندہ باب میں کی جائے گی ۔

دوسرا سوال جو سب سے زیادہ غور طلب ہے وہ یہ کہ انجیل کے بیان کے مطابق جب ایک رومی سپاہی نے حضرت مسیحؑ کی پسلی کو نیزے (بھالے) سے چھیدا تو اس سے خون اور پانی بہہ نکلا ۔ معمولی عقل و فہم کا شخص بھی جانتا ہے کہ موت کے بعد جسم میں خون کی روانی ختم ہو جاتی ہے اور وہ خون منجمد ہو کر رہ جاتا ہے ۔ آج تک کبھی ایسا نہیں ہوا کہ کسی مردہ جسم میں نیزا چبھویا جائے یا اسے کاٹا جائے اور اس میں سے خون بہہ نکلے جبکہ انجیل کی رو سے جس وقت حضرت مسیحؑ کی پسلی میں نیزا مارا گیا تو اس میں سے خون بہہ نکلا ۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت مسیحؑ پر شدید قسم کی غشی طاری ہوگئی تھی جو موت سے مشابہ تھی مگر وہ فوت نہیں ہوئے تھے ' ان کے جسم میں خون منجمد نہیں ہوا تھا اور ان کا دل کام کر رہا تھا ۔ یہ بھی اللہ تعالیٰ کی قدرت کا ایک نشان تھا جو اس نے دنیا کو دکھایا اور جو لوگ انھیں صلیب پر مار کر خدا کے اس مقدس نبی کو (نعوذ باللہ) لعنتی ثابت کرنا چاہتے تھے ان کے عزائم کو ناکام بنا کر ان کے دعوے کو باطل کر دیا ۔

(5) انجیل اپنے پڑھنے والوں کو قدم قدم پر ایسے اشارے دیتی ہے جن سے بار بار اس خیال کو تقویت ملتی ہے کہ حضرت مسیحؑ کو زندہ حالت میں صلیب پر سے اتار لیا گیا تھا چنانچہ جب شام ہونے کو آئی تو یوسف نامی ایک دولتمند شخص جو رومی حکومت کا صاحب عزت مشیر اور دل سے حضرت مسیحؑ کا معتقد تھا ' گورنر پیلاطوس کے پاس گیا اور اس سے درخواست کی کہ یسوع کی لاش اسے دیدی جائے یہ سن کر :

" پیلاطس نے تعجب کیا کہ وہ ایسا جلد مرگیا اور صوبہ دار کو بلا کر اس سے پوچھا کہ (کیا) اس کو مرے ہوئے دیر ہوگئی ؟ ○ " (۱۱)

یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ گورنر پیلاطس نے تعجب کیوں کیا کہ " یسوع اتنی جلد کیسے مر گیا " ؟ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ دوپہر کے قریب انھیں صلیب پر چڑھایا گیا اور طوفان کی شدت پیدا ہوتے ہی یعنی شام سے قبل ہی اتار لیا گیا ۔ یہ مدت اتنی کم تھی کہ اس میں کسی بھی شخص کی صلیب پر موت واقع نہیں ہوسکتی ۔

(6) انجیل کہتی ہے کہ حضرت مسیحؑ کے ایک دولتمند شاگرد یوسف " ارتمیائی " نے ان کا

جسم حاصل کیا پھر اسے ایک باغ میں لے گیا جہاں ایک قبر نما غار تھا یہیں حضرت مسیحؑ کا ایک شاگرد " نیکدیمس " جو حاذق طبیب بھی تھا پچاس سیر " مُر " اور خوشبوئیں لایا یہ خوشبوئیں حضرت مسیحؑ کے جسم پر ملی گئیں اور پھر ایک سوتی چادر میں لپیٹ کر انھیں اس قبر نما غار میں رکھ دیا گیا (۱۲)"

اس غار میں وہ کتنی مدت رہے ؟ اس میں اختلاف ہے ۔ یہ مدت " تین دن " یا " تیسرے دن " بیان کی جاتی ہے ۔ ان کے شاگرد " سبت " گزرنے کے بعد ان کی قبر پر گئے تو انھیں قبر میں نہ پایا البتہ ان کا کفن اور وہ رومال جو ان کے سر پر باندھا گیا تھا قبر میں پڑا ہوا تھا ۔ (۱۳) (اس کفن پر یورپ میں تحقیق کی جارہی ہے جس کے کچھ نتائج سامنے آئے بھی ہیں مگر ابھی مکمل نہیں ۔)

زبردست نشان

اس واقعے سے مسیحیوں کو یہ اشتباہ ہوگیا کہ مسیحؑ ضرور آسمان پر اٹھایا گیا ہے کیونکہ جب اسے قبر میں رکھا گیا ' کفن دیا گیا پھر اس کا جسم کہاں غائب ہوگیا ؟ مگر ضرور تھا کہ الٰہی نوشتے پورے ہوتے کیونکہ حضرت مسیحؑ سے جب بعض یہودی علماء اور فقیہوں نے معجزہ طلب کیا تھا تو انھوں نے بڑے جلال سے فرمایا تھا کہ :۔

" اس زمانے کے برے اور زنا کار لوگ نشان طلب کرتے ہیں مگر یوناہ (یونسؑ نبی) کے نشان کے سوا کوئی اور نشان ان کو نہ دیا جائے گا کیونکہ جیسے یوناہ تین رات دن مچھلی کے پیٹ میں رہا ویسے ہی ابن آدم (یعنی مسیح ۔ ناقل) تین رات دن زمین کے اندر رہے گا ○ (۱۴)

حضرت مسیحؑ کی یہ ایک جلالی پیش گوئی تھی ' یہ خدائی نوشتہ تھا جسے بہر حال پورا ہونا تھا کیونکہ خدا کے نبیوں اور رسولوں کی باتیں اٹل ہوتی ہیں چنانچہ حضرت مسیحؑ کی یہ پیش گوئی بڑی شان اور جلال سے پوری ہوئی اور جس طرح یوناہ نبی (حضرت یونسؑ) تین رات دن مچھلی کے پیٹ میں زندہ رہے بالکل اسی طرح حضرت مسیحؑ بھی تین رات دن زمین کے پیٹ (قبر) میں زندہ رہے ۔ جس طرح حضرت یونسؑ تیسرے دن مچھلی کے پیٹ میں سے زندہ حالت میں باہر آگئے اسی طرح حضرت مسیحؑ بھی تیسرے دن زمین کے پیٹ (

قبر) میں سے زندہ باہر آگئے ۔ جس طرح حضرت یونسؑ مچھلی کے پیٹ سے باہر آکر آسمان پر نہیں اٹھائے گئے بلکہ زمین ہی پر رہے اور انھوں نے یہیں وفات پائی ۔ اسی طرح حضرت مسیحؑ بھی زمین کے پیٹ (قبر) میں سے نکل کر آسمان پر نہیں گئے بلکہ باقی زندگی اسی زمین پر گزاری اور یہیں فوت ہوئے ۔

اگر واقعات اسی تسلسل سے اور اسی طرح پیش نہیں آئے تو حضرت مسیحؑ کی یہ پیش گوئی باطل ہو جاتی ہے کہ خدا ان کے لئے یونسؑ نبی کا نشان دکھائے گا کیونکہ اگر حضرت مسیحؑ کے بارے میں یہ تسلیم کر لیا جائے کہ وہ قبر میں سے نکل کر آسمان پر چلے گئے تو معترض کا یہ اعتراض سو فی صد درست ہوگا کہ پھر تو ان کی مشابہت یونسؑ نبی کے ساتھ ثابت نہیں ہوئی ۔ حضرت یونسؑ تو مچھلی کے پیٹ میں سے زندہ نکل کر اسی زمین پر رہے اور ان کی قوم کے لوگوں نے انھیں دیکھا، اپنی قوم کے درمیان انھوں نے زندگی گزاری۔

پس جب تک یہ ثابت نہ ہو جائے کہ حضرت مسیحؑ قبر سے نکل کر اسی دنیا میں رہے اور اپنی قوم کے لوگوں سے ملے اس وقت تک ان کی یونسؑ نبی سے مشابہت ثابت نہیں ہوتی ۔ جب ہم انجیل کو پڑھتے ہیں تو ایک نہیں متعدد مقامات ایسے آتے ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت مسیحؑ قبر سے نکل کر لوگوں کو جا کر ملے ' ان سے باتیں کیں ' انھیں ہدایات دیں ' ان کے درمیان کچھ مدت گزاری اور پھر اپنی کھوئی ہوئی بھیڑوں (یعنی دوسرے شہروں اور ممالک میں آباد بنی اسرائیل کے قبائل) کی طرف سفر پر روانہ ہوگئے تاکہ ان میں تبلیغ کا فریضہ ادا کر سکیں ۔ یوں بھی واقعۂ صلیب کے بعد حضرت مسیحؑ کا کھلم کھلا زیادہ مدت تک وطن میں رہنا ممکن نہ تھا گویا سنت انبیاء کے مطابق انھوں نے ہجرت اختیار کی مگر انھیں قبر میں نہ پاکر مسیحیوں میں طرح طرح کی روایات مشہور ہوگئیں جسے قرآن حکیم نے " شبہ " قرار دیا ہے کہ وہ یعنی مسیحی اور یہودی دونوں طرح طرح کے شبہات میں مبتلا ہوگئے ۔

صلیب سے اترنے کے بعد

کسی شخص کا صلیب پر چڑھایا جانا ' پھر اس کا صلیب پر سے زندہ اتر آنا اور قبر میں سے غائب ہو جانا ۔۔ بلا شبہ یہ ایسا واقعہ ہے جس سے شبہات کا جنم لینا ایک قدرتی امر ہے

۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت مسیحؑ نے ان شبہات کا ازالہ کرنے کے لئے پوشیدہ طور پر کچھ مدت اپنے وطن میں قیام کرنا ضروری سمجھا تاکہ لوگ دیکھ لیں کہ جس شخص کو صلیب پر چڑھایا گیا تھا اور قبر میں بھی رکھ دیا گیا تھا درحقیقت وہ فوت نہیں ہوا بلکہ زندہ ہے وہ آسمان پر بھی نہیں گیا، اسی زمین پر موجود ہے۔ چنانچہ انجیل میں ہے کہ واقعۂ صلیب کے تین دن کے بعد:

"یسوع ان (شاگردوں۔ناقل) سے ملا اور اس نے کہا سلام! انھوں نے پاس آکر اس کے قدم پکڑے ..... ○ اس پر یسوع نے ان سے کہا ڈرو نہیں جاؤ میرے بھائیوں سے کہو کہ گلیل کو چلے جائیں۔ وہاں مجھے دیکھیں گے ○" (۱۵)

گویا حضرت مسیحؑ واقعۂ صلیب کے بعد گلیل کی طرف روانہ ہوئے تھے اور وہاں جاکر اپنے شاگردوں سے ملے اور ان سے باتیں کیں۔ اس کے بعد حضرت مسیحؑ اپنے دو شاگردوں سے ملے جو دیہات کی طرف پیدل جا رہے تھے (۱۶)۔ اس کے بعد اپنے گیارہ عقیدت مندوں سے ملے جو کھانا کھا رہے تھے (۱۷)۔ اس کے بعد حضرت مسیحؑ اپنے کچھ اور شاگردوں سے ملے اور انھیں یہ کہہ کر دعا دی کہ "تمہاری سلامتی ہو" مگر انھوں نے گھبرا کر اور خوف زدہ ہو کر یہ سمجھا کہ وہ کسی روح کو دیکھ رہے ہیں لیکن :۔

"اس نے ان سے کہا کہ تم کیوں گھبراتے ہو اور کس واسطے تمہارے دل میں شک پیدا ہوتے ہیں؟ ○ میرے ہاتھ اور پاؤں دیکھو کہ میں وہی ہوں، مجھے چھو کر دیکھو کیونکہ روح کے گوشت اور ہڈی نہیں ہوتی جیسا مجھ میں دیکھتے ہو ○ اور یہ کہہ کر اس نے انہیں اپنے ہاتھ اور پاؤں دکھائے ○ جب مارے خوشی کے ان کو یقین نہ آیا اور تعجب کرتے تھے تو اس نے ان سے کہا کیا یہاں تمہارے پاس کچھ کھانے کو ہے؟ ○ انھوں نے اسے بھنی ہوئی مچھلی کا قتلہ دیا ○ اس نے لے کر ان کے روبرو کھایا ○" (۱۸)

مسیحیوں کا اشتباہ

چونکہ حضرت مسیحؑ کو صلیب پر چڑھا دیا گیا تھا اور عام روایت کے مطابق وہ فوت ہوگئے تھے اس لئے انھیں زندہ حالت میں دیکھ کر ان کے شاگرد اور مرید شبہ کر رہے تھے کہ کیا واقعی ان کا نبی و رسول اپنے مادی اور گوشت پوست کے جسم کے ساتھ ان کے

درمیان موجود ہے؟ وہ یہی سمجھ رہے تھے کہ ان کی روح آگئی ہے اس لئے ان کا خوف زدہ ہونا درست تھا مگر حضرت مسیحؑ نے اپنے ہاتھ پیر دکھا کر اور اپنا جسم چھونے کی دعوت دے کر انھیں یقین دلایا کہ روح میں ہڈی اور گوشت نہیں ہوتا مگر مجھے چھو کر دیکھو کہ میرا جسم تو گوشت پوست اور ہڈیوں کا بنا ہوا ہے۔ پھر آپؑ نے بھنی ہوئی مچھلی کا قتلہ کھا کر انھیں مزید یقین دلا دیا کہ وہ اپنے جسمانی وجود کے ساتھ ان کے درمیان موجود ہیں۔ مقصد یہ تھا کہ لوگ یہ خیال نہ کرلیں کہ مسیحؑ صلیب پر مرگیا اور اس کی روح اس کے شاگردوں اور مریدوں کو ملی تھی۔ اس طرح آپؑ نے اس عقیدے کی ہمیشہ کے لئے بیخ کنی کردی کہ مسیحؑ صلیب پر فوت ہوگیا بلکہ ثابت کر دیا کہ وہ صلیب پر چڑھایا ضرور گیا مگر خداوند تعالیٰ نے اسے اپنی قدرت کاملہ سے زندہ حالت میں اتار لیا اور پھر اس سے تبلیغ و ہدایت کا کام لیا۔

واقعۂ صلیب کے آٹھ روز کے بعد حضرت مسیحؑ پھر اپنے مریدوں اور شاگردوں سے ملے۔ ان میں سے ایک شاگرد کو جب آپؑ کے زندہ ہونے کے بارے میں اطلاع ملی تھی تو اس نے کہا تھا کہ "جب تک میں یسوع کے ہاتھوں میں میخوں کے سوراخ نہ دیکھ لوں اور ان میں اپنی انگلی نہ ڈال لوں اور اپنا ہاتھ اس کی اس پسلی میں نہ ڈال لوں جسے نیزے سے چھیدا گیا تھا اس وقت تک اس کے زندہ ہونے کے بارے میں یقین نہیں کروں گا۔" اس شاگرد کا نام "توما" تھا۔ حضرت مسیحؑ واقعۂ صلیب کے آٹھویں روز اپنے شاگردوں کی ایک مجلس میں گئے جنھوں نے حکام اور یہودیوں کے خوف سے اپنے مکان اور کمروں کے دروازے بند کر رکھے تھے۔ آپؑ نے انھیں سلامتی کی دعا دی اور پھر اپنے شاگرد "توما" سے کہا کہ اپنی انگلی میرے پاس لاکر میرے ہاتھوں کو دیکھ اور اپنا ہاتھ پاس لاکر میری پسلی میں ڈال اور بے اعتقاد نہ ہو بلکہ اعتقاد رکھ" (۱۹)

یہاں بھی حضرت مسیحؑ نے صلیب پر سے اپنے زندہ اتر آنے کی تصدیق کی اور ثبوت کے طور پر اپنے ہاتھوں کے وہ سوراخ یا ان کے نشانات دکھائے جو صلیب دیتے وقت لوہے کی میخیں ٹھونکنے کی وجہ سے پیدا ہوگئے تھے، پسلی کا وہ مندمل زخم دکھایا جو رومی سپاہی کے نیزا مارنے کی وجہ سے رونما ہوا تھا تاکہ کسی کو شک نہ رہے کہ اس کی ملاقات

مسیح کی روح سے نہیں بلکہ جسم سے ہوئی تھی اور وہ صلیب سے اتر کر جسمانی طور پر زندہ تھا۔

انجیل ہی کی ایک روایت کے مطابق حضرت مسیحؑ واقعہء صلیب کے بعد چالیس دن تک کسی نہ کسی گاؤں، شہر یا جھیل کے کنارے اپنے مریدوں اور شاگردوں سے ملتے اور انھیں نصائح فرماتے رہے۔ چنانچہ لکھا ہے کہ:۔

"اس نے دکھ سہنے کے بعد بہت سے ثبوتوں سے اپنے آپ کو ان پر زندہ ظاہر کیا۔ چنانچہ وہ چالیس دن تک انھیں نظر آتا اور خدا کی بادشاہی کی باتیں کہتا رہا۔O" (۲۰)

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت مسیحؑ کم از کم چالیس دن اپنے شاگردوں سے ملتے رہے۔ کون کہہ سکتا ہے کہ دنوں کی یہ گنتی کس نے کی اور اس کا ریکارڈ کس کے پاس تھا؟ یہ چالیس دن چالیس ہفتے بھی ہو سکتے ہیں۔ بعض روایتوں سے حضرت مسیحؑ کا فلسطین کے متعدد علاقوں میں ڈیڑھ سال سے لے کر ساڑھے گیارہ سال تک قیام کرنا ثابت ہوتا ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے بھیس بدل کر یہ سفر جاری رکھا اور کبھی ایک جگہ مستقل قیام نہیں کیا۔ صبح کہیں، شام کہیں۔ انجیل کی بعض روایتوں میں جناب مسیحؑ کے بارے میں اپنی ہیت تبدیل کرنے کے بھی اشارے ملتے ہیں۔ بلاشبہ وہ تبدیلی ہیئت یہی تھی یعنی مختلف بھیس بدل کر ایک جگہ سے دوسری جگہ کا سفر جاری رکھا تاکہ آپؑ کو شناخت نہ کیا جاسکے۔ اس کے بعد آپؑ فلسطین سے ہجرت فرما گئے پھر چونکہ آپؑ اپنے عقیدت مندوں کو نظر نہیں آئے، ادھر پولوس نامی ایک مسیحی مناد اپنے مخصوص مقاصد کے تحت انؑ کی الوہیت کا عقیدہ گھڑ کر پھیلا رہا تھا اس لئے لوگوں نے یقین کر لیا کہ جناب مسیحؑ کو آسمان پر اٹھا لیا گیا۔ اس سے پہلے یہودی حضرت عزیرؑ، حضرت ادریسؑ (حنوک نبی) اور حضرت الیاسؑ (ایلیاہ نبی) کو آسمان پر چڑھا چکے تھے اس لئے مسیحیوں نے بھی اپنے نبی کو آسمان پر بٹھا دیا تاکہ ان کی عظمت ثابت کی جاسکے اور انھیں ایک مافوق الفطرت ہستی کی حیثیت سے روشناس کرایا جاسکے ورنہ انھیں نہ تو آسمان پر اٹھایا گیا، نہ اس کی ضرورت تھی اور نہ عقلاً" یہ ممکن ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ انھیں آسمان پر اٹھاتا بھی تو اس وقت اٹھاتا جب وہ یہودیوں اور رومی فوج کے قبضے میں تھے تاکہ اللہ کا یہ نبی صلیب پر دکھ اٹھانے اور

لوگوں کے ہاتھوں تماشہ بننے سے بچ جاتا۔ جب دکھوں اور مصائب و آلام کا وقت گزر گیا اور حضرت مسیحؑ اس امتحان سے ثبات قدم کے ساتھ گزر گئے تو انھیں آسمان پر اٹھا لینا حکیم و خبیر خدا کا فعل ہرگز نہیں ہو سکتا۔

آدمی ایک بار مرتا ہے

خود جناب مسیحؑ کی شریعت ان کے آسمان پر اٹھائے جانے کا انکار کرتی ہے۔ چنانچہ حضرت مسیحؑ کا سب سے مشہور مناد جو عقیدۂ تثلیث کا بانی تھا رقم طراز ہے:۔

"آدمیوں کا ایک بار مرنا اور اس کے بعد عدالت کا ہونا مقرر ہے"۔ (۲۱)

حضرت مسیحؑ بھی خود کو "ابن آدم" کے نام سے موسوم کرتے ہیں اور انجیل کے ایک دو مقامات پر نہیں بلکہ درجنوں مقامات پر اپنے آپ کو "ابن آدم" کہتے ہیں (۲۲)۔ پولوس رسول کے عقیدے کی رو سے اگر آدمی کے لئے ایک بار مرنا مقرر ہے تو حضرت مسیحؑ کو بھی ایک بار مرنا چاہئے لیکن اگر وہ زندہ ہو کر اپنے مادی جسم کے ساتھ آسمان پر چلے گئے جہاں سے پھر اسی جسم کے ساتھ واپس آئیں گے تو ان کے لئے دو موتیں تسلیم کرنی پڑیں گی کیونکہ دنیا میں واپس آکر انھیں ایک بار پھر مرنا پڑے گا اور یہ خاکی جسم چھوڑنا پڑے گا اس لئے کہ یہ خاکی جسم لے کر کوئی شخص دوسرے جہان یا جنت میں نہیں جا سکتا۔ یہ جسم اس عالم فانی سے تعلق رکھتا ہے اور یہیں رہ جائے گا اور آدم کے کسی بیٹے کے لئے دو موتوں کا عقیدہ خود مسیحیت کی تعلیم کے خلاف ہے جیسا کہ پولوس رسول کہہ چکا ہے کہ "آدمیوں کے لئے ایک بار مرنا مقرر ہے"۔ پس دو ہی صورتیں رہ جاتی ہیں۔ پہلی یہ کہ حضرت مسیحؑ کو اولاد آدم سے خارج کر دیا جائے جو نہ صرف عقلاً" غلط ہے بلکہ خود حضرت مسیحؑ کے ارشادات و تعلیمات کے بھی خلاف ہے کیونکہ وہ خود اپنے آپ کو "ابن آدم" کہتے ہیں۔ دوسری صورت یہ ہے کہ ابن آدم پر ایک سے زیادہ موتیں وارد ہونا تسلیم بلکہ فرض کر لیا جائے جو مشاہدے، تاریخ انسانی، علم الابدان اور عقل، سب کے خلاف ہے۔ پھر خود اس مسیحیت کی تعلیم کے بھی خلاف ہے جس کا سب سے بڑا مناد اور داعی پولوس "رسول" تھا

پس اس صورت میں تسلیم کرنا پڑے گا کہ حضرت مسیحؑ پر ایک ہی موت وارد ہوئی،

مسیحی عقیدے کے مطابق یہ موت صلیب پر وارد ہوئی ' تاریخی حقائق اور اسلامی عقیدے کی رو سے واقعہء صلیب کے بعد انھیں اس موت سے دوچار ہونا پڑا اور وہ اپنی عمر طبعی گزار کر بلکہ کہولت کی منزل سے گزر کر فوت ہوگئے ۔ انا للہ وانا الیہ راجعون ط ۔ اس صورت میں ان کا جسم عنصری کے ساتھ آسمان پر جانا اور پھر اسی جسم کے ساتھ دوبارہ دنیا میں واپس آنا باطل ہو جاتا ہے ۔

حوالہ جات

(1) عہد نامہ قدیم (استثنا) باب نمبر۲۱ آیت (۲۳)

(2) گلیتوں کے نام ۔ باب نمبر۳ آیت (۱۳)

(3) متی کی انجیل ۔ باب نمبر۲۷ آیت (۵۴)

(4) متی کی انجیل ۔ باب نمبر۲۷ آیت (۵۴)

(5) لوقا کی انجیل ۔ باب ۲۳ آیت (۴۷)

(6) یوحنا کی انجیل ۔ باب نمبر۱۹ آیت (۳۱)

(7) عہد نامہ قدیم(استثنا) باب نمبر۲۱ آیت (۲۲ '۲۳)

(8) یوحنا کی انجیل ۔ باب نمبر۱۹ آیت (۳۲ '۳۵)

(9) لوقا کی انجیل ۔ باب نمبر ۲۳ آیت (۴۴ '۴۵)

(10) متی کی انجیل ۔ باب نمبر۲۷ آیت (۵۱)

(11) مرقس کی انجیل ۔ باب نمبر۱۰ ۔ آیت (۴۴)

(12) یوحنا کی انجیل ۔ باب نمبر۱۹ ۔ آیت (۳۸ تا ۴۲)

(13) یوحنا کی انجیل ۔ باب نمبر۲۰ آیت (۶ '۷)

(14) متی کی انجیل ۔ باب نمبر۱۲ آیت (۳۹ '۴۰)

(15) متی کی انجیل ۔ باب نمبر ۲۸ آیت (۹ '۱۰)

(16) مرقس کی انجیل ۔ باب نمبر۱۴ ۔ آیت (۱۲)

(17) مرقس کی انجیل ۔ باب نمبر۱۶ ۔ آیت (۱۴)

(18) لوقا کی انجیل ۔ باب نمبر۲۴ ۔ آیت (۳۸ تا ۴۳)

(19) یوحنا کی انجیل ۔ باب نمبر۲۰ ۔ آیت (۲۵ تا ۲۸)

(20) رسولوں کے اعمال ۔ باب نمبر۱ ۔ آیت (۳ '۴)

(21) عبرانیوں کے نام پولوس رسول کا خط باب نمبر۹ آیت (۲۷)

(22) متی کی انجیل ۔ باب نمبر۱۲ آیت (۳۹ '۴۰) وباب نمبر۱۶ ۔ آیت (۱۳)

سر سید احمد خاں

" جب اس واقعے پر مورخانہ نظر ڈالی جائے تو صاف ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ ؑ صلیب پر مرے نہ تھے بلکہ ان پر ایسی حالت طاری ہوگئی تھی کہ لوگوں نے ان کو مردہ سمجھا تھا "

(تفسیر القرآن جلد اول صفحہ ۴۵ مطبع مفید عام آگرہ ۱۹۰۳ء)

تحفظِ مسیحؑ کے غیبی سامان

۱۹۵۸ء کا سال پاکستان کی علمی اور روحانی دنیا کے لئے نہایت انقلاب انگیز سال تھا کہ اس سال کے اختتام پر اہل علم کو ایک عجیب انکشاف نے حیرت زدہ کر دیا۔ یہ انکشاف پاکستان کے ممتاز اسکالر لیفٹیننٹ کرنل خواجہ عبد الرشید (مرحوم) نے کیا اور شورش کاشمیری (مرحوم) نے اپنے ہفت روزہ " چٹان " لاہور میں شائع کیا۔ اس انکشاف کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت مسیحؑ کے ایک صحابی نے جو واقعۂ صلیب کے موقعے پر خود موجود تھے اس سانحے کی چشم دید روداد اپنے ایک ہم مذہب بھائی کو مصر بھیجی جس کی رو سے حضرت مسیحؑ کو صلیب پر چڑھایا ضرور گیا مگر وہ صلیب پر فوت نہیں ہوئے، ان کی سخت قسم کی بے ہوشی کو جو موت سے مشابہ تھی رومی سپاہیوں اور علمائے یہود نے موت سمجھ لیا (کچھ مدت فلسطین میں قیام کرنے کے بعد آپؑ اپنے تبلیغی سفر پر ان ممالک کی طرف روانہ ہوگئے جہاں بنی اسرائیل کے قبائل آباد تھے۔ ناقل)

چونکہ حضرت مسیحؑ کی شدید مخالفت کی جا رہی تھی اور آپؑ پر ایمان لانے والوں کی زندگی اجیرن کر دی گئی تھی اس لئے حضرت مسیحؑ کے واقعہء صلیب سے متعلق اس دستاویز کو پوشیدہ رکھا گیا۔ صدیاں گزر جانے کے بعد یہ دستاویز کسی نہ کسی طرح اہل علم کے ہاتھ لگ گئی اور ایک جرمن فاضل نے اس دستاویز کو جو لاطینی زبان میں تھی، جرمن زبان میں ترجمہ کر کے شائع کر دیا۔ چونکہ اس دستاویز کے منظر عام پر آنے سے مسیحی عقائد پر زد پڑتی تھی بلکہ وہ سب زیر و زبر ہو جاتے اس لئے کلیسا نے جو اس وقت تک بہت طاقتور تھا اس کی ساری کاپیاں تلاش کر کے ضائع کروا دیں لیکن کسی نہ کسی طرح ایک کاپی بچ گئی۔

اس جرمن نسخے کا انگریزی میں ترجمہ کیا گیا جو ۱۹۰۷ء میں امریکہ کے شہر "شکاگو" سے شائع ہوا ۔ اس انگریزی نسخے کی کاپیاں بھی ضائع کروانے کی پوری کوشش کی گئی مگر چند نسخے کسی نہ کسی طرح محفوظ رہ گئے جن میں سے ایک نسخہ پاکستان پہنچ گیا ۔ یہی نسخہ لیفٹیننٹ کرنل خواجہ عبدالرشید کے مطالعے سے گزرا اور موصوف نے اس پر ایک تعارفی نوٹ لکھا جو کیم دسمبر ۱۹۵۸ء کے ہفت روزہ "چٹان" لاہور میں شائع ہوا جس میں اس کے مندرجات کی تائید کی گئی تھی اور صاف الفاظ میں لکھا گیا تھا کہ حضرت مسیحؑ صلیب سے زندہ اتر آئے تھے اس طرح پاکستان کی علمی دنیا کو پہلی بار اس حیرت انگیز دستاویز کا علم ہوا ۔ کتاب کا نام ہے ۔

"THE CRUCIFIXION BY AN EYE WITNESS"

یعنی واقعہء صلیب کا ایک عینی شاہد ۔ واقعے کا راوی نہ صرف مسیحی ہے بلکہ حضرت مسیحؑ کا شاگرد اور حواری ہے جس کے معتبر اور مستند ہونے میں کوئی شبہ نہیں کیا جاسکتا۔ یوں بھی حضرت مسیحؑ کے واقعہء صلیب کے سب سے پہلے اور مستند گواہ مسیحی ہی تھے جو اس واقعے کے عینی شاہد تھے ۔ ان کی گواہی سب سے معتبر ہے اور صرف مسیحی ہی نہیں، مسلمان بھی ان کے ایمان کو قابل اعتبار قرار دینے کے پابند ہیں کیونکہ قرآن حکیم ان کے ایمان کی تصدیق کرتا ہے چنانچہ ارشاد ہوتا ہے ۔

"پھر جب عیسیٰؑ نے محسوس کیا کہ ان (یہودیوں) کی طرف سے انکار کیا جارہا ہے تو اس نے کہا کہ کون اللہ کی خاطر میرا معین ومددگار بنتا ہے (اس کے) حواریوں نے جواب دیا کہ ہم اللہ کے (لئے تیرے) مددگار بنتے ہیں ہم اللہ پر ایمان رکھتے ہیں اور تو گواہ رہ کہ ہم فرماں بردار ہیں ۔ اے ہمارے رب! جو کچھ تو نے نازل کیا ہے ہم اس پر ایمان لائے ہیں اور ہم اس رسول کی پیروی اختیار کرتے ہیں پس تو ہمیں (ہمارے نام) گواہوں میں لکھ لے" (سورہ آل عمران آیت نمبر ۵۳ و نمبر ۵۴)

ان معتبر ترین گواہوں کے مقابلہ میں بعد کے لوگوں کی گواہی کو خواہ وہ مسیحی ہوں یا مسلمان مفسر، ہرگز وہ مقام نہیں دیا جاسکتا جو ان اولین شاہدوں کو حاصل ہے ۔ چنانچہ ان گواہوں میں متی اور یوحنا دو اہم گواہ ہیں جو موجودہ چار انجیلوں میں سے دو کے راوی بھی

ہیں ۔ اگرچہ ان کی اناجیل میں بہت سے مقامات پر بعد کے لوگوں نے تغیر وتبدل بھی کیا مگر پھر بھی بہت سے واقعات تغیر وتبدل سے محفوظ رہے جن کی دوسری دستاویزات سے تصدیق ہوتی ہے اور اب اس عینی شاہد کی دستاویز سے جس کا سطور بالا میں تعارف کروایا گیا ہے بہت سے واقعات کی پوری طرح تصدیق ہوگئی ۔ عجیب بات ہے کہ متعدد واقعات جو حضرت مسیحؑ کے بعض حواریوں نے "مصلحتہً" درج نہیں کئے ان کی حفاظت کے اللہ تعالیٰ نے غیب سے ایسے سامان پیدا کر دیئے کہ انسان حیرت زدہ رہ جاتا ہے ۔ اس باب میں اسی موضوع پر اظہار خیال کرنا اور ان حقائق سے پردہ اٹھانا مقصود ہے جو عام طور پر نگاہوں سے مخفی رہے مگر اب رفتہ رفتہ منظر عام پر آرہے ہیں ۔ ہمارے بیشتر مورخوں اور مفسروں نے خواہ وہ مسیحی ہوں یا مسلمان ان حالات کی طرف توجہ نہیں دی جن میں حضرت مسیحؑ کو گرفتار کیا گیا اور جو ان کی گرفتاری اور واقعہء صلیب کے بعد پیش آئے ۔ شاید اس لئے کہ یہ سانحہ اتنا دلدوز اور اس کے بعض پہلو اتنے حیرتناک تھے کہ لوگ ان کی حیرت سامانیوں میں گم ہوگئے اور حضرت مسیحؑ کے ساتھ غیر معمولی عقیدت نے افسانے کو حقیقت پر غالب کر دیا۔

غیبی ہاتھ

تمام واقعات کا گہری نظر سے جائزہ لینے اور ان کے ہر پہلو پر محققانہ نظر ڈالنے سے یہ حقیقت ہر منصف مزاج پر آشکار ہو جاتی ہے کہ حضرت مسیحؑ کے ساتھ جو واقعات پیش آئے ان میں قدم قدم پر الٰہی تصرف کار فرما تھا اور اللہ تعالیٰ اپنے رسول کو اسی زمین پر دشمنوں کے ہاتھوں سے بچانے کی تدابیر کر رہا تھا تاکہ اس کا "خیرالماکرین" ہونا ثابت ہو جائے (یعنی تدبیر کرنے والوں میں سے سب سے بہتر تدبیر کرنے والا) یہ تدبیریں دو طرف سے ہو رہی تھیں ایک طرف حضرت عیسیٰؑ کے دشمن (علماء یہود) تھے، جو آپؑ کو ہر قیمت پر ہلاک کرنے کے درپے تھے اور آپؑ کو صلیب پر چڑھا دینے کے بعد بھی مطمئن نہ تھے کیونکہ انہیں شبہ پیدا ہوگیا تھا کہ معلوم نہیں وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہوئے بھی یا نہیں ؟ اس لئے واقعہء صلیب کے بعد بھی وہ اپنی شرارتوں میں مصروف تھے ۔ دوسری طرف اللہ تعالیٰ تھا جو اپنے رسول کو بچانے کی تدبیر کر رہا تھا واقعات نے ثابت کر دیا کہ

علمائے یہود کی ساری تدابیر خاک میں مل گئیں، وہ ناکام و نامراد رہے، اللہ کی تدابیر غالب آئیں اور حضرت مسیحؑ معجزانہ طور پر صلیبی موت سے محفوظ رہے۔ اگر ایسا نہیں تھا تو خداوند تعالیٰ کا اپنے آپ کو "خیر الماکرین" کہنا درست ثابت نہیں ہوتا۔

اب ہم اصل موضوع کی طرف آتے ہیں۔ جب حضرت مسیحؑ نے یہود میں دعوت و تبلیغ کا کام شروع کیا تو آپؑ کی دلکش شخصیت، روحانی و جلالی چہرہ اور پاکیزہ تعلیمات سے متاثر ہوکر یہودیوں میں سے نیک دل لوگ جوق در جوق آپؑ پر ایمان لانے لگے مگر ہر زمانے کے علمائے سو کی طرح جب علمائے یہود نے دیکھا کہ لوگ ان سے کنارہ کش ہو کر حضرت مسیحؑ کی طرف متوجہ ہو رہے ہیں اور ان کی دوکانیں بے رونق ہوتی جارہی ہیں تو وہ آپؑ کے دشمن ہوگئے۔ حضرت مسیحؑ ان بد کردار علماء پر سخت تنقید فرماتے تھے اور ان کی ریاکاریوں سے پردہ اٹھاتے تھے اس لئے وہ آپؑ کے اور بھی دشمن ہوگئے اور انہوں نے قیصر روم کو آپؑ کے خلاف شکایات بھیجنی شروع کر دیں چونکہ حضرت مسیحؑ آسمانی بادشاہت کے قیام کا اعلان فرما رہے تھے اس لئے ان یہودی علماء نے آپؑ کے ان الفاظ کو ظاہری معنی پہنا کر قیصر روم کے دل میں آپؑ کے خلاف آتش غضب بھڑکانے کی کوشش کی اور الزام عائد کیا کہ یسوعؑ نامی یہ شخص لوگوں کو بادشاہ وقت کے خلاف بغاوت پر اکسا رہا ہے اور خود بادشاہ بننا چاہتا ہے۔ اس طرح اس علاقے میں بہت شور و غوغا برپا ہوگیا اور قیصر روم نے صوبہ "یہودیہ" کے گورنر "پیلیو لیٹولیس" کو جو حضرت مسیحؑ کا ہم عصر اور گورنر پیلاطوس کا پیش رو تھا لکھا کہ یسوعؑ نامی اس شخص کے بارے میں مجھے مطلع کیا جائے کہ یہ کون ہے اور کیا کرتا ہے۔

یہ بھی ایک معجزہ اور تصرفات الٰہی میں سے ایک تصرف عظیم ہے کہ قیصر روم کے اس فرمان کے جواب میں گورنر نے جو خط لکھا وہ دستیاب ہوگیا ہے اور چھپ بھی گیا ہے۔ گورنر لیٹولیس لکھتا ہے کہ۔

مسیحؑ کی شخصیت

"ایک شخص جو اپنے قدوقامت (سراپا) سے شریف اور صاحب عظمت دکھائی دیتا ہے، شکل وصورت کے لحاظ سے نہائت خوبصورت اور وجیہہ ہے۔ اس کا چہرہ ایسا جلالی

گیا ہے(۲۲) اور اسے عبرانی لفظ قرار دیا گیا ہے۔ اس لفظ کے معنی نیابت اور نمائندگی کرنے والے کے درج ہیں۔ اسی کو عربی میں رسول کہتے ہیں اور انجیل میں حضرت مسیحؑ کے نائبین کے لئے یہی لفظ رسول استعمال کیا گیا ہے "جو شلیخا" یا "ذیلسلیخا" کا ہم معنی ہے بلکہ ایک مقام پر خود حضرت مسیحؑ نے یہی لفظ "شلیخا" استعمال فرمایا جسے انجیل میں ذرا سے تصرف کے ساتھ "شیلوخ" کے نام سے درج کیاگیا ہے اور انجیل میں اس کے معنی لکھے ہیں "بھیجا ہوا"(۲۳) جو عربی لفظ رسول کا بالکل ہم معنی ہے گویا "شیلوخ" خالص عبرانی لفظ ہے اسی کی ایک شکل "شلیخا" ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس مرہم کو "مرہم رسل"، مرہم شلیخا یا مرہم ذیلسلیخا کے ناموں سے بھی موسوم کیا گیا اور مرہم عیسیٰ کے نام سے بھی۔ اس کے ساتھ تصریح بھی کی جاتی رہی کہ یہ مرہم حضرت عیسیٰؑ ابن مریمؑ کے زخموں کے لئے تیار کیا گیا تھا۔ شیخ الرئیس ابوعلی سینا نے اپنی کتاب "القانون فی الطب" میں اسے "مرہم رسل" اور "مرہم ذیلسلیخا" کے نام دیئے ہیں اور صراحت کی ہے کہ یہ نسخہ بارہ حواریوں کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔ ان نامور اور قدیم فاضل اطبا میں سے چند کے حوالے درج کئے جاتے ہیں جو تصدیق کرتے ہیں کہ یہ نسخہ حضرت مسیحؑ کے لئے تیار کیا گیا تھا۔

برصغیر پاک وہند کے فاضل طبیب سید محمد حسین خاں لکھتے ہیں کہ یہ بارہ دواؤں پر مشتمل ہے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارہ حواریوں کی تالیف (تیار کردہ) ہے۔(۲۴)

"خاقان چین" جو زمانۂ قدیم کا بادشاہ تھا اس کے شاہی طبیب حکیم محمود محمد اسماعیل نے صراحت کی ہے کہ "مرہم رسل" جو مرہم سلیخہ اور "مرہم عیسیٰ" کے ناموں سے موسوم ہے اس کے بارہ اجزا ہیں اور یہ حضرت عیسیٰؑ کے لئے تیار کیا گیا تھا۔"(۲۵) ممتاز اور حاذق طبیب حکیم ارزانی کا بیان ہے کہ "یہ نسخہ حواریوں نے حضرت عیسیٰؑ کے لئے ترکیب دیا تھا"۔(۲۶)

یہ تین نامور اطبا کے نام اور ان کی کتابوں کے حوالے ہیں جن میں یہ نسخہ درج ہے ورنہ جیسا کہ قبل ازیں عرض کیا جا چکا ہے کہ طب کی درجنوں کتابوں میں جن کے مولف اپنے عہد کے ائمہ طب تھے یہ نسخہ درج کیا گیا۔

غور کرنے کا مقام ہے کہ اگر حضرت مسیحؑ کو صلیب پر نہیں چڑھایا گیا، میخیں ٹھونکنے سے ان کے جسم پر زخم نہیں آئے، بھالا مارنے سے پسلی میں سوراخ نہیں ہوا جس سے خون جاری ہوا تو ان کے لئے یہ مرہم کیوں تیار کیا گیا پھر اس کی اتنی شہرت کیسے ہوگئی کہ دنیا کے نامور اور قدیم اطبا نے اسے اپنی کتابوں میں درج کیا۔ پھر یہ اطبا بھی آج کے دور سے تعلق نہیں رکھتے۔ یہ قدیم ترین اطبا تھے مثلاً" ابوبکر زکریا رازی ۳۰۰ ھ کا طبیب تھا یعنی آج سے ایک ہزار ایک سو سال کا قدیم ترین طبیب۔ اس سے بھی قبل مرہم عیسیٰؑ کا یہ نسخہ " قرابا دین رومی " میں درج ہوا جو حضرت مسیحؑ کے واقعہء صلیب کے کچھ دن بعد لکھی گئی اور یونانی زبان میں تھی۔

گویا اس بارے میں کسی قسم کی سیاسی یا مذہبی مصلحتوں کا دخل نہیں بلکہ یہ خالص علمی اور طبی مسئلہ تھا اور ہر دور کے فاضل اطبا نے کمال دیانت داری سے اس نسخے کو اپنی کتابوں میں جگہ دی، اسے اپنے مریضوں پر استعمال کیا اور تیر بہدف پایا۔ پس اس نسخے نے ثابت کر دیا کہ حضرت مسیحؑ کو صلیب پر چڑھایا گیا مگر انھیں زندہ حالت میں صلیب سے اتار لیا گیا۔ یہ مرہم ان کے زخموں پر لگایا گیا جس سے زخم چند روز میں مندمل ہوگئے۔ یہ اتنی بڑی شہادت ہے جسے دنیا کا کوئی معقول اور منصف مزاج شخص رد نہیں کرسکتا۔

مرہم عیسیٰؑ کے اجزائے ترکیبی

اب ہم ذیل میں یہ مکمل نسخہ اور اسے تیار کرنے کی ترکیب درج کرتے ہیں تاکہ لوگ اس سے فائدہ اٹھا سکیں اور صاحب حیثیت لوگ اسے تیار کرواکر مخلوق خدا کی خدمت سرانجام دے سکیں شاید ان سطور کے راقم کے لئے یہ صدقہء جاریہ ثابت ہو اور اللہ تعالیٰ کی جناب میں قبول ہوجائے۔ یہ نسخہ شیخ الرئیس ابو علی سینا کی کتاب " القانون فی الطب " سے ماخوذ ہے اور کتاب کی جلد چہارم میں درج ہے۔

(۱) موم سفید (پانچ تولے) (۲) راتنج (رال۔ پانچ تولے دس ماشے) (۳) زنگار (ایک تولہ دو ماشے) (۴) جاؤشیر (ایک تولہ دو ماشے) (۵) اشق (چار تولے ایک ماشہ) (۶) زراوند طویل (پونے دو تولے) (۷) کندر تر (پونے دو تولے) (۸) مر (ایک تولہ دو ماشے) (۹) بیروزہ۔ جسے گندہ بروزہ بھی کہتے ہیں (ایک تولہ دو ماشے) (۱۰) مقل (پونے دو تولے) (۱۱)

مرداسنگ (دو تولے ساڑھے سات ماشے) (۱۲) زیت (روغن زیتون)

ان ادویہ میں سے مقل کو سرکے کی شراب میں بھگو دیں۔ موسم گرما میں روغن زیتون پندرہ چھٹانک ڈال کر پکائیں۔ موسم سرما میں روغن زیتون ساڑھے بائیس چھٹانک ڈالیں۔ جب خوب گاڑھا یعنی مرہم کی صورت اختیار کرلے تو طبیب کے مشورے سے زخموں اور پھوڑوں پر استعمال کریں۔ بقول حکیم ابن سینا یہ مرہم زخموں کے اندمال اور پیپ کے اخراج کے لئے بے مثل ہے۔ پھوڑے میں بعض دفعہ جو مردار گوشت پیدا ہو جاتا ہے اسے کاٹ کر پھینک دیتا ہے، دیگر قدیم اور نامور اطباء نے اسے نئے اور پرانے ورم کو تحلیل کرنے اور زخم کے بھرنے اور اس کے نشانات زائل کرنے کے لئے تیر بہدف نسخہ قرار دیا ہے۔ یوں بھی خدا کا ایک جلیل القدر نبی جس مرہم کے استعمال سے موت کے دروازے پر جاکر واپس آگیا ہو اس کی تاثیر میں کون شک کرسکتا ہے۔

حوالہ جات

(1) THE CRUCIFIXION BY AN EYE WITNESS CHICAGO. INDO - AMERICAN BOOK CO. (1907) (SECOND EDITION) P --- 25

(2) مرقس کی انجیل۔ باب نمبر ۱۱ آیت (۱۵ تا ۱۸)

(3) متی کی انجیل۔ باب نمبر ۲۱ آیت (۱۲ تا ۱۴)

(4) مرقس کی انجیل۔ باب نمبر ۱۱ آیت (۱۸)

(5) متی کی انجیل۔ باب نمبر ۲۷ آیت (۲۳ تا ۲۴)

(6) متی کی انجیل۔ باب نمبر ۲۷ آیت (۱۹)

(7) مرقس کی انجیل۔ باب نمبر ۵ آیت (۱۰ تا ۱۱)

(8) THE CRUCIFIXION P - 70

(9) متی کی انجیل باب نمبر ۲۷ آیت (۴۸)

(10) THE CRUCIFIXION P - 72

(11) متی کی انجیل۔ باب نمبر ۲۷ آیت (۶۲ تا ۶۵)

(12) THE CRUCIFIXION P - 73

(13) یوحنا کی انجیل - باب نمبر۱۹ آیت (۳۹ تا ۴۰)

(14) THE CRUCIFIXION P - 74

(15) THE CRUCIFIXION P - 7

(16) یوحنا کی انجیل - باب نمبر۱۹ آیت (۳۹ تا ۴۰)

(17) متی کی انجیل - باب نمبر۲۸ آیت (۲)

(18) THE CRUCIFIXION P - 77

(19) THE CRUCIFIXION P - 80

(20) THE CRUCIFIXION P - 81

(21) لوقا کی انجیل - باب نمبر۲۴ آیت (۳۶ تا ۴۴)

(22) THE JEWISH ENCYCLO PEDEA UNDER " APOSTLE "

(23) یوحنا کی انجیل - باب نمبر۹ آیت (۶)

(24) "قرابادین کبیر" جلد نمبر۲ (۵۷۵)

(25) مجموعۂ بقائی جلد نمبر۲ (۴۹۷)

(26) طب اکبر فارسی جلد نمبر۲ (۴۲۱)

(نوٹ) دو حوالوں کے سوائے جو " القانون فی الطب " از بو علی سینا اور " یوحنا " کی انجیل سے ماخوذ ہیں طبی کتابوں کے باقی سارے حوالے ایک محترم کی توجہ اور عنایت سے حاصل ہوئے اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر عطا فرمائے ' آمین - موصوف کو اپنے نام کی اشاعت پسند نہیں - یہ وضاحت اس لئے کرنی پڑی کہ اس کتاب کا مؤلف علم طب کا طالبعلم نہیں - (پیام احمد خان پیام)

مسیحؑ کی حیات آسمانی

تاریخی شواہد سے یہ حقیقت اب پوری طرح ثابت ہو گئی ہے کہ حضرت مسیحؑ صلیبی زخموں سے صحت یاب ہو کر یروشلم سے چلے گئے تھے - پوشیدہ طور پر آپؑ نے کچھ مدت یروشلم کے مضافات میں ضرور گزاری ' اپنے شاگردوں کو نصائح فرمائیں ' انہیں دینی تعلیمات پر عمل پیرا ہونے کی تلقین فرمائی لیکن اس علاقے میں زیادہ مدت تک آزادانہ زندگی گزارنا ان کے لئے ممکن نہ رہا تھا کیونکہ واقعہ ء صلیب کے بعد یروشلم کے یہودی اکابر ' وہاں کے علماء اور کاہن اس واقعے کے بارے میں سخت تشویش میں مبتلا ہو گئے تھے اور انہیں شبہ پیدا ہو گیا تھا (جیسا کہ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے کہ **ولکن شبہ لھم** (النسآء ۱۵۷) کہ حضرت مسیحؑ صلیب پر فوت ہوئے بھی یا نہیں ؟ اس کی کئی وجوہ تھیں -

یہودیوں کے شبہات

(ا) یہودیوں کا چیف کاہن اور بیت المقدس کا پیشوائے اعظم سردار "کائفا" جو حضرت مسیحؑ کا سب سے بڑا دشمن اور آپؑ کے خون کا پیاسا تھا اس سارے واقعے کو گورنر پیلاطوس اور اس کے دوست یوسف ارمتیائی کی ملی بھگت کا نتیجہ سمجھتا تھا - اس کا خیال تھا کہ حضرت مسیحؑ کے حواریوں نے پیلاطوس سے درپردہ سازش کرلی ہے اور پیلاطوس آپؑ کے اور آپؑ کے حواریوں کے مقابلے میں یہودیوں کو ذلیل کرنا چاہتا ہے ' چنانچہ حضرت مسیحؑ کو صلیب پر چڑھانے کے بعد آپؑ کے سر کے قریب جو الفاظ لکھ کر لگائے گئے تھے ان کے بارے میں واقعہ ء صلیب کا ایک چشم دید گواہ جو حضرت مسیحؑ کا صحابی بھی تھا لکھتا ہے :-

" رومیوں (گورنر پیلاطوس اور اس کی انتظامیہ) نے یہودیوں کا مذاق اڑانے اور انہیں

جلانے کے لئے چار مختلف زبانوں میں مسیحؑ کی صلیب پر ان کے سر کے قریب ایک تختی پر یہ الفاظ لکھ کر لگا دئے تھے:-

"یہودیوں کا بادشاہ"

یہ الفاظ پڑھ کر یہودی سخت مشتعل ہو گئے مگر (گورنر) پیلاطوس کے خوف کی وجہ سے وہ کچھ نہ کر سکے البتہ اپنا غصہ اس طرح نکالا کہ مسیحؑ کے سامنے جاتے تھے' ان سے تمسخر کرتے اور انہیں دکھ دیتے تھے۔"(۱)

گویا یہودی اور ان کے علماء یہ سمجھتے تھے کہ گورنر پیلاطوس نے حضرت مسیحؑ کی صلیب پر "یہودیوں کا بادشاہ" کے الفاظ لکھ کر جناب مسیحؑ کے دعوے کی تصدیق کر دی۔

(2) یہودیوں کا پیشوائے اعظم سردار "کائفا" اور علمائے یہود اس واقعے کے بارے میں اس لئے بھی شک و شبہ میں پڑ گئے تھے کہ حضرت مسیحؑ کا جسم ان کے شاگرد یوسف ارمتیائی کو معاوضہ لئے بغیر دے دیا گیا تھا اور وہ اسے بھی گورنر پیلاطوس کی جانبداری اور سازش سمجھتے تھے' چنانچہ واقعہ ءِ صلیب کا عینی شاہد لکھتا ہے:-

"سردار کاہن "کائفا" کے دل میں پیلاطوس کی بابت اس لئے بھی بدظنی پیدا ہو گئی تھی کہ اس نے یسوع کا جسم یوسف ارمتیائی کو زر نقد لئے بغیر دے دیا تھا (جو سرکاری خزانے میں جمع ہونا چاہئے تھا) حالانکہ یوسف بہت دولتمند آدمی تھا (یعنی اس کے لئے یہ رقم ادا کرنا کچھ مشکل نہ تھا) اس طرح سردار کاہن (کائفا) پیلاطوس اور یوسف ارمتیائی کے بارے میں یہ رائے قائم کر چکا تھا کہ یہ سب کچھ ان دونوں کی ملی بھگت سے ہوا ہے"(۲)

اس لئے چیف کاہن نے یہودیوں کی ایک مسلح جماعت اس باغ کی نگرانی کے لئے متعین کر دی تھی جس غار میں حضرت مسیحؑ کو رکھا گیا تھا تاکہ وہ معلوم کر سکے کہ آپؑ کو صلیب سے اتارے جانے کے بعد کیا واقعات پیش آتے ہیں مگر اچانک خوفناک زلزلے نے نگرانی کرنے والے ان یہودیوں پر دہشت طاری کر دی اور وہ خوف زدہ ہو کر وہاں سے بھاگ کھڑے ہوئے۔

چیف کاہن کی گھبراہٹ

(3) اس دوران میں ایک عجیب واقعہ پیش آیا' نیکدیمس اور حضرت مسیحؑ کے شاگرد یوسف ارمتیائی نے جس شخص کو پوشیدہ طور پر حضرت مسیحؑ کی اس عارضی قبر کی نگرانی پر متعین کیا تھا وہ

(گورا چٹا شخص) سفید عمامہ اور سفید جبہ پہنے جب پہاڑ کی چوٹی سے نیچے اتر رہا تھا تو زلزلے کے بعد پیدا ہونے والے شعلوں کی روشنی میں سردار کاہن کے مسلح دستے کے لوگوں نے جو پہلے ہی خوفزدہ تھے اپنی ضعیف الاعتقادی کی وجہ سے اسے فرشتہ سمجھ لیا اور کاہن کے سامنے (اپنے بھاگ نکلنے کا) یہ جواز بھی پیش کیا کہ شدید زلزلے اور شعلے نمودار ہونے کے ساتھ ساتھ اس فرشتے کی آمد نے انہیں خوفزدہ کر دیا تھا۔

یہ واقعہ بیان کرنے کے بعد حضرت مسیحؑ کے واقعہ ءِ صلیب کا عینی شاہد لکھتا ہے کہ چیف کاہن سخت حیران تھا کہ یہ کیا ہو رہا ہے اور ان واقعات کے تدارک کے لئے کیا کیا جائے۔ حضرت مسیحؑ کو صلیب پر چڑھانے اور صلیب سے اتارنے کے بعد طوفان گردباد' شدید زلزلہ' چٹانوں کا ٹوٹ ٹوٹ کر اڑنا' پہاڑوں سے شعلوں کا بلند ہونا اور پہاڑ کی چوٹی سے "فرشتے" کا اترنا یہ ایسے حیران کن واقعات تھے جو یروشلم اور اس کے گردونواح میں مشہور ہو رہے تھے۔ مسیحیوں کے علاوہ بہت سے یہودی بھی ان واقعات کو معجزے کے طور پر دیکھ رہے تھے۔ چیف کاہن کو یہ خطرہ بھی پیدا ہو رہا تھا کہ لوگ مشتعل ہو کر کوئی ہنگامہ نہ کر دیں۔ چنانچہ اس نے اپنے مسلح سپاہیوں کو بڑی بڑی رقمیں دے کر کہا کہ تم جا کر لوگوں میں اس خبر کو خوب شہرت دو کہ یسوع کے حواری اس کی لاش چرا کر لے گئے ہیں تاکہ وہ لوگوں کو دھوکہ دے سکیں کہ مسیحؑ دوبارہ زندہ ہو گیا ہے (۳)

گویا چیف کاہن کو یقین ہو گیا تھا کہ گورنر پیلاطوس اور یوسف ارمتیائی کی سازش سے حضرت مسیحؑ کو صلیب سے زندہ اتار لیا گیا ہے' انہیں غار میں رکھا گیا اور وہاں سے انہیں زندہ حالت میں غائب کر دیا گیا ورنہ چیف کاہن یہ کیسے کہہ سکتا تھا کہ "یسوع کے حواری مشہور کر دیں گے کہ مسیحؑ دوبارہ جی اٹھے ہیں۔"

قتل مسیحؑ کی ایک اور کوشش

(4) پھر ایک اور روایت سے بھی اس خیال کو مزید تقویت ملتی ہے کہ یہودیوں کے چیف کاہن یعنی "کائفا"' علمائے یہود اور ان کے زیر اثر یہودیوں غرض یہ کہ سب کو یقین ہو چلا تھا کہ حضرت مسیحؑ زندہ ہیں اور یروشلم یا اس کے مضافاتی قصبے' کسی شہر یا کسی گاؤں میں روپوش ہیں۔ واقعہ ءِ صلیب کے عینی شاہد کا بیان ہے کہ:-

"اس دوران یہ واقعہ پیش آیا کہ یروشلم میں مقیم ہماری تحریک کے بھائیوں نے اطلاع دی کہ

کاہنوں اور ان کی جنرل کونسل کو جاسوسوں کے ذریعے یہ خبر مل گئی ہے کہ "گلیل" میں سخت ہیجان پایا جاتا ہے جس کی وجہ سے لوگ "کوہ کارمل" کی طرف جا رہے ہیں (جہاں حضرت مسیحؑ روپوش تھے) اور سردار "کائفا" اس کوشش میں ہے کہ کسی طرح یسوع پر قابو پا کر اسے گرفتار کروا لے اور فریب دہی کا الزام لگا کر اسے قتل کروا دے" (۴)

سوال یہ ہے کہ جب حضرت مسیحؑ صلیب پر فوت ہو گئے تھے یا آسمان پر اٹھا لئے گئے تھے تو پھر انہیں قتل کرنے کی کوشش کے کیا معنی؟ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہودی اکابر کو یقین ہو گیا تھا کہ مسیحؑ زندہ ہیں اور سردار "کائفا" اس واقعے کا ذمہ دار یوسف ارمتیائی کو سمجھتا تھا جس نے مسیحؑ کا جسم حاصل کیا تھا۔ اس کے خیال میں اس سازش کا دوسرا بڑا رکن خود گورنر پیلاطوس تھا مگر پیلاطوس کے خلاف وہ کوئی اقدام نہیں کر سکتا تھا اس لئے حکمت عملی سے کام لے کر اس نے پہلے یوسف ارمتیائی کو راستے سے ہٹانے کی کوشش کی۔ چنانچہ سردار "کائفا" نے گورنر پیلاطوس کے پاس یوسف ارمتیائی کی اس کثرت سے شکایات بھجوائیں اور اتنے الزامات لگائے کہ گورنر پیلاطوس عارضی طور پر یوسف کو گرفتار کرنے پر مجبور ہو گیا تاکہ حضرت مسیحؑ کے صلیب سے زندہ اتر آنے کے واقعے میں خود پیلاطوس کی شرکت ثابت نہ ہو۔ اس واقعے کے عینی شاہد کا بیان ہے کہ:۔

مسیحؑ کے حواری کی گرفتاری

"سردار "کائفا" حالات پر کڑی نگاہ رکھے ہوئے تھا کیونکہ اسے جاسوسوں نے اطلاع دی تھی کہ مسیحؑ زندہ ہے اور اسے یروشلم میں دیکھا گیا ہے جبکہ وہ (کائفا) یہ خبریں مشہور کروا چکا تھا کہ یسوع مر گیا ہے اور اس کی لاش اس کے شاگرد چرا کر لے گئے ہیں۔ اس کے باوجود یروشلم میں ایسے لوگوں کی تعداد بہت تھی جو یقین رکھتے تھے کہ یسوع نے خدا کی قدرت سے دوبارہ زندگی پا لی ہے مگر وہ واقعہء صلیب کی وجہ سے بہت غم زدہ تھے اور برملا کہتے تھے کہ یسوع پر بہت ظلم کیا گیا ہے۔ وہ اس کی تمام باتوں پر ایمان لا رہے تھے اس لئے چیف کاہن کو ڈر پیدا ہو گیا تھا کہ اب بغاوت ہو جائے گی۔ اسے یہ بھی نظر آ رہا تھا بلکہ خدشہ محسوس ہو رہا تھا کہ "گلیل" کے لوگ (مسیحی) موجودہ نظام کو درہم برہم کر کے اپنی [illegible]ت قائم کر لیں گے (جہاں خود اس کے لئے کوئی گنجائش نہیں ہو گی) یہ وجہ تھی کہ وہ سخت غیر [illegible] تھا اور ان [illegible] پر کڑی نگاہ رکھے ہوئے تھا جو یسوع کے معتمد تھے۔ چنانچہ ایک روز شام کے قریب حکیم نیکدیمس نے یسوع کے حلقہ احباب میں آ کر یہ اطلاع

دی کہ یوسف ارمتیائی کو گرفتار کر لیا گیا ہے اس کے خلاف الزام ہے کہ اس نے یسوع سے سازباز کر رکھی تھی" (۵)

اس عینی شاہد کے بیان کی تصدیق انجیل میں شامل بیانات سے بھی ہوتی ہے کہ چیف کاہن ان لوگوں سے سخت خوفزدہ تھا جو حضرت مسیحؑ کے معتمد تھے اور جن کے ذریعے حضرت مسیحؑ کو یروشلم لا کر بادشاہ بنایا جا سکتا تھا جس سے نہ صرف اس کے مذہبی اقتدار کو خطرہ تھا بلکہ اس کی جان کو بھی خطرہ تھا چنانچہ اس نے سب سے پہلے اس شخص کو گرفتار کروا دیا جو حضرت مسیحؑ کے معتمد ہونے کے علاوہ اس علاقے کا بہت دولت مند شخص تھا اور شاہی کونسل کا مشیر بھی، مگر جب شور و غوغا کم ہو گیا تو یوسف ارمتیائی کو رہا کر دیا گیا۔

مسیحیوں پر مظالم

یوسف ارمتیائی کے علاوہ حضرت مسیحؑ کے بہت سے شاگرد اور صحابی بھی شدید مصائب کا شکار ہوئے۔ چنانچہ یوحنا حواری کے بھائی یعقوب کو قتل کیا گیا (۶) پطرس کو قید میں ڈال دیا گیا (۷) دوسری روایت کے مطابق آخرکار قتل کر دیا گیا۔ پولوس کو سنگسار کر دیا گیا (۸)۔ "برناباس" کو شہر بدر کیا گیا۔ (۹) حضرت مسیحؑ کے ایک اور عقیدت مند "ستفنس" کو جو بہت بڑا عالم بھی تھا پتھر مار مار کر ہلاک کر دیا گیا۔ (۱۰) جس شخص کو مسیحی طریقے اختیار کرتے دیکھا گیا اسے رسیوں سے جکڑ لیا گیا اور شدید اذیتیں دی گئیں۔ گویا واقعہء صلیب کے بعد کسی کا مسیحی ہونا سب سے بڑا جرم تھا اور اس "جرم" کا ارتکاب کرنے والوں کو سخت ترین سزا دینے کے لئے دار و گیر کا خوفناک سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔ ان حالات میں حضرت مسیحؑ کے لئے قدم قدم پر سخت خطرات تھے اس لئے آپؑ کے شاگرد اور عقیدت مند آپؑ کو آزادانہ گھومنے پھرنے سے روک رہے تھے مگر جو شخص روح القدس کی قوت سے بھرا ہوا ہو وہ ان خطرات کی کب پروا کرتا ہے چنانچہ جب تک اور جہاں تک ممکن ہو سکا آپؑ یروشلم کے مضافات میں سفر کرتے اور لوگوں کو نصائح فرماتے رہے اس کا ایک مقصد یہ بھی تھا تاکہ آپؑ کے شاگرد دیکھ لیں کہ آپؑ زندہ سلامت ہیں۔

اس طویل سفر میں جو حضرت مسیحؑ نے تنہا طے کیا "کوہ کارمل" کا دامن آپؑ کی وہ منزل تھی جس کے بعد آپؑ کے شاگرد اور صحابی آپؑ کا سراغ نہ لگا سکے۔ "کوہ کارمل" کے دامن میں پہنچنے کی اطلاع آپؑ نے اپنے قابل اعتماد شاگردوں کے ذریعے سلسلہء مسیحی کے لوگوں تک پہنچا دی تھی

چنانچہ دور و نزدیک سے عقیدت مندوں کا ایک جم غفیر "کارمل" کے دامن میں جمع ہو گیا۔ آپ ؑ کا ایک صحابی اور ان واقعات کا عینی شاہد لکھتا ہے کہ :-

"یسوع نے (کارمل کے دامن میں) عقید تمندوں سے باآوازِ بلند خطاب کیا اور کہا کہ (سنو!)
"میں کوئی نیا فرقہ قائم کرنے کے لئے نہیں بھیجا گیا ہوں نہ کوئی نیا مذہب جاری کرنا میرا مشن ہے۔
میرا اصل کام یہ ہے کہ میں عقل و دانائی اور سچائی کے ساتھ زمین پر خدا کی بادشاہت قائم کروں"

اس کے بعد یسوع نے بتپسمہ کا طریقہ جاری کیا' شاگردوں اور عقیدت مندوں کو ان علوم کی تعلیم دی جو اس نے اپنے بزرگوں سے تعلیم پائے تھے۔ اُن علوم میں صحت انسانی اور امراض کا علم' نباتات' معدنیات اور ادویہ کا علم' ان کے خواص کے رموز' حیوانوں کی تربیت کا علم' درندوں اور دوسرے موذی جانوروں کے زہر سے محفوظ رہنے کا علم (جسے علم تریاق کہتے ہیں) ان کے علاوہ اور بھی بہت سے علوم کی تعلیم دی۔ یسوع اس مقام پر بہت دن مقیم رہا اور لوگوں کو فیض پہنچاتا رہا۔ اس نے اپنے شاگردوں کو معاشرت کی بھی تعلیم دی اور انہیں بتایا کہ وہ اپنے عقائد کی کس طرح تبلیغ کریں۔ (۱۱)

آسمان پر جانے کا شاخسانہ؟

حضرت مسیح ؑ کو کارمل کے دامن میں قیام کئے کچھ ہی مدت ہوئی تھی کہ آپ ؑ کی تحریک کے ایک رکن نے یروشلم سے خفیہ پیغام بھیجا کہ یہودی کاہنوں اور ان کی کونسل کے اراکین کو معلوم ہو گیا ہے کہ یسوع کارمل کے دامن میں موجود ہے' چونکہ لوگ کثیر تعداد میں کوہ کارمل کی طرف جا رہے ہیں اس لئے اندیشہ ہے کہ یہودیوں کے جاسوس بھی ان کے ساتھ یسوع کی تلاش میں روانہ ہو جائیں گے' پس دشمنوں کے دام فریب سے محفوظ رہنا بہت ضروری ہے۔ یہ پیغام سن کر حضرت مسیح ؑ نے اندازہ کر لیا کہ اب گلیل میں آپ ؑ کے لئے کہیں جائے عافیت نہیں۔ چنانچہ آپ ؑ نے اپنے کچھ شاگردان خاص کو جن میں یوحنا بھی شامل تھا اپنے ساتھ لیا اور کوہ زیتون پر چڑھنا شروع کر دیا اس واقعے کا عینی شاہد جو آپ ؑ کا صحابی بھی تھا بیان کرتا ہے کہ کوہ زیتون کی چوٹی کے قریب پہنچ کر:

"یسوع نے شاگردوں کو نصائح کیں کہ خوش رہا کرو اور ایمان پر ثابت قدمی اختیار کرو۔ پھر اس نے ہاتھ پھیلا کر دعا کرنا شروع کی۔ اس وقت شاگرد گھٹنوں کے بل جھکے ہوئے تھے اور ان کے چہرے زمین کی طرف تھے' ہر طرف دھند چھائی ہوئی تھی اور سورج غروب ہو رہا تھا۔ شاگردوں کو

منہ کے بل دیکھ کر یسوع تیزی سے روانہ ہو گیا اور شفق کی اس سرخی آمیز دھند میں غائب ہو گیا (یعنی پہاڑ کی دوسری جانب اتر گیا۔ ناقل) جب شاگردوں نے سر اوپر اٹھایا تو مسیحی سلسلے کے دو افراد سفید لباس پہنے ان کے پاس کھڑے ان سے کہہ رہے تھے کہ اب یسوع کا رستہ مت دیکھو' وہ جا چکا ہے" (۱۲)

یہ تھا وہ واقعہ جس نے مسیحی دنیا کو اس غلط فہمی میں مبتلا کر دیا کہ حضرت مسیح ؑ بادلوں میں سے ہوتے ہوئے آسمانوں پر چلے گئے ہیں' چونکہ بظاہر اس کے قرائن موجود تھے یعنی حضرت مسیح ؑ پہاڑ کی چوٹی پر تھے جہاں دھند چھائی ہوئی تھی' شفق رنگ' بادل بھی موجود تھے' چوٹی پہاڑ کی تھی جہاں سے آسمان قریب نظر آتا ہے۔ پھر سفید لباس میں دو آدمی جو اچانک نمودار ہوئے تھے قریب کھڑے شاگردوں سے کہہ رہے تھے کہ یسوع کا انتظار مت کرو وہ جا چکا ہے۔ ان قرائن سے یہ سمجھ لیا گیا کہ حضرت مسیح ؑ آسمان پر چلے گئے ہیں۔ اس واقعے کے بعد ان کا اس علاقہ میں نظر نہ آنا اس خیال کو اور بھی تقویت دے رہا تھا کہ مسیح ؑ بادلوں میں سے غائب ہو کر آسمانوں پر جا چکے ہیں۔ شام کے دھندلکے میں ان دو سفید پوش نو وارد مسیحیوں کو فرشتے سمجھ لیا گیا اور آپ ؑ کے عقید تمند عالم حیرت میں پیچھے کی طرف واپس آ گئے۔ اس روز سے مسیحی دنیا حضرت مسیح ؑ کو آسمان پر چڑھا کر اس انتظار میں ہے کہ آپ ؑ کب واپس تشریف لاتے ہیں مگر یہ نہیں سوچتے کہ جو آسمان پر گیا ہی نہیں وہ واپس کہاں سے آئے گا؟

یہ ہمارا تجزیہ یا تبصرہ نہیں بلکہ خود حضرت مسیح ؑ کا حواری جو اس واقعے کا عینی شاہد ہے لکھتا ہے
"دوسری طرف یوں ہوا کہ شہر یروشلم میں یہ افواہ اڑا دی گئی کہ یسوع بادلوں میں سے ہو کر آسمان پر اٹھا لیا گیا ہے اور جنت میں داخل ہو گیا ہے۔ یہ کہانی ان لوگوں نے گھڑی تھی جو یسوع کی پہاڑ سے روانگی کے وقت سرے سے وہاں موجود ہی نہ تھے۔ مصنف کے اصل انگریزی الفاظ یہ ہیں

"This Was Invented By The People Who Had Not Been Present When Jesus Departed" (۱۳)

یہ افواہ اڑانے والے تھے "مرقس" اور "لوقا"۔ دونوں انجیل نویس ہیں اور دونوں میں سے ایک بھی نہ حضرت مسیح ؑ کا صحابی ہے نہ ان میں سے کوئی موقعے پر موجود تھا۔ چنانچہ مرقس صاحب فرماتے ہیں۔

"غرض خداوند یسوع ان سے کلام کرنے کے بعد آسمان پر اٹھایا گیا اور خدا کی دہنی طرف بیٹھ

گیا۔(۱۴)

لوقا صاحب لکھتے ہیں کہ:۔ (۱۵)

”جب وہ انہیں برکت دے رہا تھا تو ایسا ہوا کہ ان سے جدا ہو گیا اور آسمانوں پر اٹھایا گیا“

مقام غور ہے کہ جب یہ دونوں انجیل نویس موقعے پر موجود ہی نہ تھے تو انہیں یہ روایت کہاں سے ملی؟ اس کا راوی کون ہے؟ ان دونوں انجیل نویسوں کو یہ واقعہ کس نے سنایا؟ اس کا کوئی ذکر نہیں۔

مسیحؑ کے مستند صحابیوں کی خاموشی؟

عجیب بات ہے کہ اس واقعہ کے دو چشم دید گواہ متی اور یوحنا اپنی انجیلوں میں حضرت مسیحؑ کے آسمان پر اٹھائے جانے کا قطعاً ذکر نہیں کرتے۔ متی کی انجیل کے آخری باب کا نمبر ۲۸ ہے اس باب کی کل ۲۰ آیات ہیں اور انہی آیات میں حضرت مسیحؑ کے آخری لمحات کا ذکر کیا گیا ہے۔ ان میں آیت نمبر ۱۶ سے آیت نمبر ۲۰ تک جو آخری آیات ہیں انہی میں کوہ زیتون پر حضرت مسیحؑ کی تشریف آوری اور شاگردوں کو نصائح فرمانے کا ذکر ہے۔ ان پانچ آیات میں سے ایک آیت بھی ایسی نہیں جس میں حضرت مسیحؑ کے آسمان پر جانے یا بادلوں میں غائب ہونے کا ذکر ہو۔ ذکر تو کیا ”آسمان“ یا ”بادل“ کا نام تک نہیں۔

حضرت مسیحؑ کا دوسرا قابل اعتماد شاگرد یوحنا ہے جو آپؑ کے ساتھ کوہ زیتون پر موجود تھا۔ اس کی انجیل بھی موجود ہے اس نے بھی اپنی انجیل میں حضرت مسیحؑ کے آسمان پر اٹھائے جانے کا کہیں ایک جگہ بھی ذکر نہیں کیا۔ اس کے آخری باب کا نمبر ۲۱ ہے اس باب کی کل ۲۵ آیات ہیں۔ ان آیات میں سے کسی ایک آیت میں حضرت مسیحؑ کے بادلوں میں غائب ہونے یا آسمان پر جانے کے بارے میں ہلکا سا اشارہ بھی نہیں کیا گیا۔ ”متی“ اور ”یوحنا“ اس واقعے کے چشم دید گواہ تھے اور یہ واقعہ اتنا غیر معمولی ہے کہ جب سے یہ کائنات وجود میں آئی ہے آج تک پیش نہیں آیا۔ آخر کیا وجہ ہے کہ دونوں انجیل نویس خاموش ہیں۔ یہ تو حضرت مسیحؑ کی اس آخری ملاقات کے عینی شاہد ہیں یعنی موقعے کے گواہ ہیں۔ آخر یہ دونوں اتنے حیرتناک واقعے کا ذکر کیوں نہیں کرتے۔ اس سے صاف طور پر ثابت ہوتا ہے کہ یہ داستان گھڑی گئی ہے اور گھڑی بھی ان لوگوں نے جو سرے سے

موقع پر موجود ہی نہیں تھے۔ اس طرح ایک بے اصل کہانی سے زیادہ اس واقعے کی اور کوئی حیثیت نہیں۔

عینی شاہد کی گواہی

شاید کسی کو گمان گزرے کہ ”مرقس“ اور ”لوقا“ کے بارے میں ہم نے جو کچھ لکھا ہے یہ ہمارے ذاتی خیالات ہیں جو کسی تعصب پر مبنی ہیں، لیکن ایسا نہیں۔ یہ ہماری ذاتی رائے نہیں خود ایک مسیحی عالم اور حضرت مسیحؑ کا شاگرد خاص جو اس واقعے کا عینی شاہد ہے اپنے مکتوب میں لکھتا ہے:۔

(غور کرنے کا مقام ہے کہ) ”یوحنا (جیسا شخص) یسوع کے رخصت ہوتے وقت اس کے پاس موجود تھا اور یوحنا وہ شخص ہے جو ان ساری باتوں سے واقف تھا، اس کے باوجود نہ اس کی زبان پر ایسی کوئی بات آئی نہ نوک قلم پر۔ اسی طرح ”متی“ بھی (جو موقع کا عینی گواہ ہے لیکن وہ بھی زبان یا قلم سے اس واقعے کے بارے میں نہ کچھ کہتا ہے نہ کچھ لکھتا ہے) ہاں ان کے علاوہ بہت سے لوگ تھے جو افواہوں کے پیچھے بھاگے اور انہیں یک جا کر کے اپنی خواہشات کے مطابق یسوع کی ایک خیالی تصویر بنالی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ ان کی خواہش تھی کہ یسوع کو بڑھا چڑھا کر پیش کیا جائے۔ ”مرقس“ ایسے ہی لوگوں میں شامل ہے جس نے روم کے اصحاب کو اس واقعے کا احوال لکھ کر بھیجا لیکن حقیقت یہ ہے کہ مرقس نامی یہ شخص سرے سے موقع پر تھا ہی نہیں، اس نے جو کچھ قلم بند کیا وہ ناواقف لوگوں کی افواہوں کا مجموعہ ہے۔ یہی کیفیت ”لوقا“ کی تحریروں کی ہے۔ اس نے بھی یہی حرکت کی ہے (۱۶) (یہ شخص بھی موقع پر موجود نہ تھا اور اس نے بھی جو کچھ لکھا ہے وہ بھی افواہوں پر مشتمل ہے۔ ناقل)

اب ایک مسئلہ حل طلب رہ جاتا ہے کہ آخر حضرت مسیحؑ گئے کہاں؟ کیونکہ ان کا کوہ زیتون تک تو پتہ ملتا ہے اور اس کی چوٹی سے آپؑ دوسری جانب نیچے اتر جاتے ہیں۔ اس کے بعد بظاہر کچھ معلوم نہیں ہوتا کہ وہاں سے اتر کر آپؑ کہاں چلے گئے۔ حضرت مسیحؑ کے جس حواری کا حوالہ اوپر درج کیا گیا ہے وہ خود یہاں پہنچ کر بے خبر ہو جاتا ہے اور قیاس سے کام لے کر صرف اتنا لکھتا ہے کہ وہ کوہ زیتون سے اتر کر بحر مردار کی طرف چلے گئے اور وہاں اپنے عقیدت مندوں کے پاس جا ٹھہرے یہاں آپؑ کے پاس صرف دو اصحاب رہ گئے ایک حکیم نیکدیمس اور دوسرا یوسف

ار تمیائی۔ یہ دونوں بھی کچھ دن آپؑ کے ساتھ مقیم رہے مگر پھر یہ دونوں بھی واپس آ گئے کیونکہ انہوں نے حضرت مسیحؑ کا میلان طبع دیکھ لیا تھا یعنی اندازہ کر لیا تھا کہ اب آپؑ کیا کرنا چاہتے ہیں۔ اس طرح یہ عینی شاہد بھی اب عینی شاہد نہیں رہا تھا جس نے سکندریہ کے مسیحیوں کو واقعہء صلیب کے چشم دید حالات لکھے تھے اور جس کی اس مستند تحریر کے حوالے اس کتاب میں دیئے گئے ہیں۔ اب اس کی معلومات کا انحصار سنی سنائی روایات پر تھا چنانچہ جب اسے بتایا گیا کہ حضرت مسیحؑ وفات پا گئے ہیں تو اس نے اپنے مکتوب میں لکھ دیا کہ اسے حکیم نیکدیمس نے بتایا کہ یسوع کا انتقال ہو گیا اور انہیں بحر مردار کے علاقے میں ایسی جگہ دفن کر دیا گیا ہے جہاں سمندر کا کنارہ ہے "گویا جہاں پانی کی لہریں ان کی قبر کا نام ونشان بھی مٹا دیں گی۔

بحر مردار کے کنارے مدفن؟

ہمارے خیال میں حضرت مسیحؑ کی بحر مردار میں وفات کا واقعہ ہی ناقابل قبول ہے پھر اپنے مرشد اور پیغمبر وقت کو اس کس مپرسی کی حالت میں دفن کر دینا اور دفن بھی ایسی جگہ کرنا جہاں کسی بھی وقت پانی کا ریلا قبر کو بے نام ونشاں کر سکتا تھا بالکل خلاف عقل بات ہے۔ یہ امر بھی پیش نظر رہے کہ جس علاقے میں حضرت مسیحؑ کی وفات بیان کی گئی ہے وہاں آپؑ کے عقیدتمندوں کی ایک پوری جماعت آباد تھی جو آپؑ کو کسی نمایاں مقام پر بہت آسانی سے دفن کر سکتی تھی۔ کوہ کارمل کا دامن اس کے لئے بہترین جگہ تھی جہاں آپؑ کی قبر محفوظ رہتی اور مخالفت کا سیلاب ختم ہو جانے کے بعد مرجعہء خلائق بھی بن سکتی تھی۔

اصل بات کچھ اور ہے۔ دراصل حضرت مسیحؑ کے متبعین کی مخالفت اتنی شدت اختیار کر گئی تھی اور ان پر عرصہء حیات اس قدر تنگ کیا جا رہا تھا کہ اب ان میں سے بعض تو چھپتے پھر رہے تھے جو سامنے تھے وہ یہودیوں کی مخالفت کی وجہ سے اپنا مذہب ظاہر نہیں کرتے تھے۔ یہودیوں نے حضرت مسیحؑ کے غائب ہو جانے کے واقعے کو رومی حکومت کے سامنے اس قدر ہولناک صورت میں پیش کیا تھا کہ وہ بھی حضرت مسیحؑ کی جان کی دشمن ہو گئی تھی اور آپؑ کی تلاش میں جاسوسوں کا جال بچھا دیا گیا تھا اس لئے مصلحت کا تقاضا یہی تھا کہ حضرت مسیحؑ کی وفات اور سفر دونوں کو مشتبہ کر دیا جائے اور کسی کو معلوم ہی نہ ہو سکے کہ آپؑ کہاں ہیں؟ اس طرح آپؑ بحفاظت سلطنت روم کی حدود سے نکل جائیں اور یہودی اور رومی حکومت دونوں مطمئن ہو جائیں کہ یہ شخص یا تو

فوت ہو گیا یا کسی دور دراز کے ملک کی طرف نکل گیا۔ یہ وجہ تھی کہ آپؑ کی وفات اور آسمان پر جانے کی روایات جب مشہور ہوئیں تو آپؑ کے حواریوں نے بھی مصلحتاً خاموشی اختیار کر لی تاکہ زبان کھولنے سے حضرت مسیحؑ یا آپؑ کے ماننے والے اور کسی مصیبت میں نہ پڑ جائیں۔ اس حکمت عملی کا اصل فائدہ یہ ہوا کہ حضرت مسیحؑ بحفاظت رومی سلطنت کی حدود سے نکل گئے اور اپنی کھوئی ہوئی بھیڑوں کی تلاش میں مصروف ہو گئے یعنی ان اسرائیلی قبائل کی تلاش میں جو عراق سے لے کر ایران، افغانستان، سمرقند و بخارا اور ہندوستان کے شمال مغربی علاقوں تک پھیلے ہوئے تھے اور جن تک پہنچ کر آپؑ کو تبلیغ کرنا تھی کیونکہ خود آپؑ نے فرمایا تھا کہ:۔

"میری اور بھیڑیں بھی ہیں جو اس بھیڑ خانے کی نہیں، مجھے ان کو بھی لانا ضرور ہے اور وہ میری آواز سنیں گی پھر ایک ہی گلہ اور ایک ہی چرواہا ہو گا۔" (۱۷)

یعنی میں صرف فلسطین میں آباد بنی اسرائیل کو تبلیغ کرنے نہیں آیا ہوں، میرا بھیڑ خانہ صرف فلسطین نہیں ہے بلکہ فلسطین کے علاوہ بھی بہت سے ملک ہیں جہاں میری بھیڑیں (بنی اسرائیل کے قبائل) آباد ہیں، مجھے انہیں بھی تبلیغ کرنے جانا ہے، وہ میری آواز پر لبیک کہیں گی۔ اگر حضرت مسیحؑ فلسطین ہی کی حدود میں فوت ہو گئے تو اس سے لازم آتا ہے کہ آپؑ ان بنی اسرائیل تک نہیں پہنچ سکے جو فلسطین سے باہر دوسرے ممالک میں آباد تھے اور حضرت مسیحؑ کے بقول جن کے پاس پہنچ کر آپؑ کو اپنا پیغام دینا تھا پس یہ کیسے ممکن ہے کہ خدا کے نبی کی بات غلط ہو اور اس کا مشن مکمل ہونے سے قبل ہی خدا اسے وفات دے دے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت مسیحؑ کی وفات بحر مردار کے کنارے ہرگز نہیں ہوئی بلکہ وہاں سے روانہ ہو کر آپؑ ان قبائل بنو اسرائیل کے پاس تشریف لے گئے جو عراق سے لے کر ایران، افغانستان اور ہندوستان کے شمال مغربی علاقوں تک پھیلے ہوئے تھے۔ اپنا یہ مشن مکمل کرنے کے بعد ہی آپؑ نے وفات پائی۔

سیاح نبی

اعتراض کیا جاتا ہے کہ اگر حضرت مسیحؑ واقعہء صلیب کے بعد زندہ رہے تو ان کی سرگرمیوں کا قرآن شریف اور تاریخ میں ذکر ہونا چاہئے۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ اتنا بڑا نبی، اتنے بڑے حادثے سے دوچار ہوا، پھر وہ اس سے زندہ بچ نکلا، برس ہا برس تک زندہ رہا مگر قرآن شریف اور تاریخ دونوں اس کے انجام کے بارے میں خاموش ہیں۔ یہ اعتراض عدم واقفیت اور کم فہمی کی بنا پر پیدا

ہوتا ہے اگر اعتراض کی بنیاد یہی ہے تو بے شمار پیغمبر ایسے ہیں جنہیں آسمان پر پہنچانا ہوگا۔ مثلاً
حضرت لوطؑ کا ذکر قرآن اور تاریخ میں اس وقت تک ملتا ہے جب تک ان کی قوم پر عذاب نہیں آ
گیا۔ قرآن شریف اتنا بتاتا ہے کہ عذاب سے قبل ہی اللہ تعالیٰ سے اطلاع پاکر آپؑ اپنے اہل و
عیال اور ان چند لوگوں کو ہمراہ لے کر جو آپؑ پر ایمان لے آئے تھے اس علاقے سے نکل گئے۔
اس کے بعد ان کے ساتھ کیا ماجرا پیش آیا؟ وہ کہاں کہاں گئے؟ کہیں مستقل اقامت اختیار کی؟ باقی
زندگی کن حالات میں گزاری؟ کتنی عمر پاکر کس بیماری میں اور کب فوت ہوئے؟ قرآن حکیم حتیٰ کہ
تاریخ کی کتابیں بھی اس بارے میں خاموش ہیں۔ کیا اس سے یہ لازم آئے گا کہ جناب لوطؑ کو بھی
آسمان پر اٹھا لیا گیا اسی طرح حضرت صالحؑ اور حضرت ہودؑ بھی خدا تعالیٰ کے جلیل القدر پیغمبر تھے'
ان کی قوموں پر بھی عذاب آئے' ان دونوں پیغمبروں کا ذکر بھی قرآن شریف اور تاریخ میں اسی
وقت تک ملتا ہے جب تک ان کی قوموں پر عذاب نہیں آگیا۔ عذاب آنے سے قبل یہ دونوں پیغمبر
بھی اپنے متبعین کو لے کر ان علاقوں سے نکل گئے۔ ان کے بارے میں بھی نہ قرآن حکیم سے کچھ
معلوم ہوتا ہے نہ تاریخ سے کہ اس کے بعد ان کے ساتھ کیا ماجرا گزرا؟ باقی زندگی انہوں نے کہاں
اور کس حال میں گزاری اور کب فوت ہوئے؟ کہاں فوت ہوئے؟ کیا اس سے یہ لازم آئے گا کہ
انہیں بھی آسمان پر اٹھا لیا گیا؟ اناللہ وانا الیہ راجعون ؁

یہ چند پیغمبروں کے نام ہیں ورنہ کتنے ہی پیغمبر ہیں جن کے واقعات زندگی کی تفصیل نہ قرآن
حکیم میں درج ہے نہ کتب حدیث میں' نہ تاریخ میں۔ صرف اس وقت تک کے واقعات بیان کئے
گئے ہیں جب تک اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کی صداقت کے نشان ظاہر نہیں ہو گئے۔ بعد کے
واقعات بیان نہیں کئے گئے مگر ان کے بارے میں کوئی اعتراض نہیں کیا جاتا۔ جہاں تک حضرت
مسیحؑ کا تعلق ہے واقعہ ء صلیب کے بعد کے واقعات کا ریکارڈ یقیناً تاریخ میں محفوظ ہو گا جو ادھر ادھر
بکھرا ہوا ہے اور وقت آنے پر مکمل صورت میں دنیا کے سامنے ضرور آئے گا۔ ہر واقعے کے
انکشاف کا ایک وقت ہوتا ہے یہ وقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر ہوتا ہے۔ یورپ میں خود مسیحی
علماء واقعہ ء صلیب کے بارے میں تحقیق کر رہے ہیں' اس واقعے کے بعد کے حالات کی چھان بین
کی جا رہی ہے۔ بعض غاروں سے کچھ دستاویزات سامنے آئی ہیں جن پر تحقیق ہو رہی ہے حتیٰ کہ
اس کفن پر بھی تحقیق ہو رہی ہے جو برآمد ہو گیا ہے اور جس میں حضرت مسیحؑ کو لپیٹ کر ان کی
عارضی قبر میں رکھا گیا تھا۔ وہ وقت آنے والا ہے جب ایسی دستاویز برآمد ہوں گی جو پکار پکار کر کہہ

رہی ہوں گی کہ مسیحؑ ابن مریمؑ صلیب سے زندہ اتر کر کچھ مدت تک پوشیدہ طور پر اپنے وطن میں سفر
کرتے اور اپنی قوم میں رشد و ہدایت کا فریضہ سرانجام دیتے رہے اس کے بعد اپنے طویل سفر پر
روانہ ہو گئے اس لئے قرآن حکیم نے انہیں "مسیح" کا لقب دیا ہے یعنی بہت زیادہ سیاحت کرنے
والا' مسیح کا مادہ "مسح" ہے جس سے "سیاحت" اور "مسیح" مشتق ہیں۔ چونکہ حضرت مسیحؑ کی
زندگی خصوصاً واقعہ ء صلیب کے بعد کی زندگی سیاحت میں گزری اور انہوں نے کسی جگہ مستقل
طور پر قیام نہیں کیا اس لئے انہیں "مسیح" کا لقب دیا گیا قرآن کریم میں انہیں "مسیح" کے نام سے
موسوم کرنا اس امر کا ثبوت ہے کہ حضرت مسیحؑ نے بہت زیادہ سیاحت کی جو غیر معمولی تھی ورنہ ان
کے لئے یہ لفظ استعمال نہ کیا جاتا۔ اپنے وطن میں رہنا اور دس بیس شہروں میں سفر کر لینا کسی شخص
کو "سیاح" بلکہ "مسیح" (غیر معمولی سیاحت کرنے والا) نہیں بناتا۔ یہ سیاحت اسی صورت میں
ثابت ہو گی جب آپؑ واقعہ صلیب کے بعد کسی طویل ترین سفر پر روانہ ہوئے تھوں۔ یہ وہی سفر ہے
جو آپؑ نے واقعہ ء صلیب کے بعد شروع کیا اور زندگی کے آخری دور تک جاری رکھا۔

رسول اقدسؐ کا ارشاد

مسلمانوں کا کوئی فرقہ ایسا نہیں جو اس نظریئے سے اختلاف کرتا ہو کہ قرآن کریم کی سب سے
معتبر شارح حدیث نبویؐ ہے۔ اس نقطہ نگاہ سے جب ہم جناب عیسیٰ ابن مریمؑ کے لقب "مسیحؑ" پر
غور کرتے ہیں جو قرآن کریم نے انہیں عطا فرمایا تو اس حقیقت کو تسلیم کرنے میں ذرہ برابر شبہ نہیں
رہتا کہ حضرت مسیحؑ کی زندگی سیاحت کرتے ہوئے گزری چنانچہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا
ارشاد ہے کہ:۔

قَالَ اَحَبُّ شَیْءٍ اِلَی اللّٰہِ الْغُرَبَاءُ قِیْلَ اَیُّ شَیْءٍ اَلْغُرَبَاءُ قَالَ الَّذِیْنَ یَفِرُّوْنَ
بِدِیْنِھِمْ وَیَجْتَمِعُوْنَ اِلٰی عِیْسَی ابْنِ مَرْیَمَ (۱۸)

(حضور اقدسؐ نے فرمایا کہ اللہ کو سب سے محبوب وہ لوگ ہیں جو غریب ہیں۔ سوال کیا گیا کہ
غریب کیا چیز ہے یعنی اس سے کیا مراد ہے؟ حضورؐ نے فرمایا کہ عیسیٰ ابن مریمؑ کی طرح وہ لوگ' جو
اپنا دین لے کر اپنے وطن سے نکل جاتے ہیں۔)

حضور اقدسؐ کے اس ارشاد سے ثابت ہو گیا کہ حضرت مسیحؑ اپنے دین کی خاطر اپنے ملک سے
نکل گئے تھے تاکہ یہ متاع عزیز دوسروں تک پہنچا سکیں۔ اگر آپؑ اپنے وطن ہی میں رہے' وہیں

فوت ہو گئے یا وہاں سے آسمان پر چلے گئے تو آپ ؑ کا اپنے ملک سے نکل جانا ثابت نہیں ہوتا جب کہ حضور ؐ واضح طور پر فرما رہے ہیں کہ جناب مسیح ؑ اپنا دین لے کر اپنے ملک سے نکل گئے تھے۔ ظاہر ہے کہ وہ اپنے ملک سے اسی وقت نکلے ہوں گے جب واقعہ صلیب کے بعد اس ملک میں زیادہ مدت تک آزادانہ زندگی گزارنا اور فریضہ تبلیغ ادا کرنا آپ ؑ کے لئے ممکن نہ رہا ہو گا۔ حضور ؐ کی ایک اور حدیث جناب مسیح ؑ کی سیاحت کے بارے میں ہمیں دعوت فکر دیتی ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوا:۔

كَانَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ يَسِيحُ فَإِذَا أَمْسَى أَكَلَ بَقْلَ الصَّحْرَاءِ وَيَشْرَبُ مَاءَ الْقَرَاحِ (۱۹)

(عیسیٰ ؑ ابن مریم ؑ بہت زیادہ سیاحت کیا کرتے تھے (یا ہمیشہ سفر میں رہتے تھے) یعنی ایک ملک سے دوسرے ملک کی طرف۔ جنگلی پھلوں اور (چشموں) کے شفاف پانی پر گزر اوقات کر لیتے تھے)

اس حدیث سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ جناب عیسیٰ ؑ ابن مریم ؑ کو قرآن حکیم نے اسی لئے "مسیح" کا لقب دیا کہ آپ ؑ کی ساری زندگی سیاحت میں بسر ہوئی اور آپ ؑ نے ملک ملک جا کر اللہ کا پیغام پہنچایا۔ یہ سفر آپ ؑ نے بے سروسامانی کی حالت میں کیا حتیٰ کہ کھانے کے لئے بھی آپ ؑ کے پاس کچھ نہ ہوتا تھا۔ جنگلی پھل اور پہاڑی چشموں کا پانی آپ ؑ کی خوراک تھی۔ حضور ؐ کے یہ الفاظ طویل ترین سفر پر دلالت کرتے ہیں، ایسا سفر جس میں دوستوں اور شناساؤں کا ساتھ نہ ہو اور سخت بے سروسامانی کی حالت ہو۔ پس یہ وہی سفر ہے جو فلسطین سے شروع ہوا اور ایک روایت کے مطابق تبت تک جاری رہا۔ راستے میں جہاں جہاں بنی اسرائیل کے قبائل آباد تھے اس سفر میں ان سب کے پاس حضرت مسیح ؑ تشریف لے گئے اور انہیں پیغام حق پہنچایا۔

ان تصریحات سے ثابت ہو گیا کہ سیدنا مسیح ؑ کی زندگی واقعہ ء صلیب کے بعد سیاحت میں گزری جن ممالک میں بنو اسرائیل کے قبائل آباد تھے آپ ؑ نے ان ممالک کا سفر کیا اور ان گم شدہ قبائل کو تلاش کر کے انہیں تبلیغ کی۔ ان میں سے بہتوں نے آپ ؑ کو قبول کیا۔ برصغیر یا اس کے ہمسایہ ممالک میں انگریزوں یا دوسری یورپی اقوام کی آمد سے صدیوں قبل مسیحیوں کی موجودگی ثابت کرتی ہے کہ ان ممالک میں سب سے پہلے حضرت مسیح ؑ ہی تشریف لائے اور یہاں آباد بنی اسرائیل کو عیسائیت سے روشناس کرایا جو اس وقت اللہ کا سچا دین تھا۔ آپ ؑ کی آخری منزل کون سی تھی جہاں آپ ؑ نے اپنی جان، جان آفریں کے سپرد کی؟ اس پر تحقیق ہو رہی ہے اور انشاء اللہ وہ

وقت قریب ہے جب ایسی دستاویزات برآمد ہوں گی جو شہادت دیں گی کہ یہاں خدا کا وہ مقدس بندہ دفن ہے جس کا نام عیسیٰ ؑ تھا اور جو مریم ؑ نامی مقدس کنواری کے بطن سے پیدا ہوا تھا جسے غلطی سے آسمان پر زندہ قرار دے دیا گیا، جو زندہ ہو گا وہ انشاء اللہ دیکھے گا۔ بہرحال اتنی بات تو ثابت ہو گئی کہ جناب مسیح ؑ فوت ہو گئے، ان کے آسمان پر اٹھائے جانے کا واقعہ محض داستان ہے جو ان کے خوش عقیدہ مریدوں نے فرط عقیدت سے گھڑ لی بالکل اسی طرح، جس طرح آپ ؑ سے پہلے حضرت ادریس ؑ اور حضرت الیاس ؑ کو آسمان پر بٹھا دیا گیا تھا۔ اس باب کو ختم کرنے سے قبل ہم اس واقعے کے دو ایسے پہلوؤں پر اظہار خیال کرنا چاہتے ہیں جن کی طرف کماحقہ توجہ نہیں دی گئی۔

مشاہدے کی شہادت

ہم مسلمانوں کے بارے میں اہل مغرب یہ رائے رکھتے ہیں کہ یہ لوگ فکری اعتبار سے پس ماندہ اور سائنسی علوم میں بالکل کورے ہوتے ہیں، دقیانوسی خیالات ان کا سرمایۂ حیات ہیں لیکن مغرب کے وہ لوگ جو خود کو موجودہ سائنسی علوم کا بانی قرار دیتے ہیں اور جن کی فکر و نظر کا ہر گوشہ علوم جدیدہ سے روشن ہے ان سے ہمارا سوال ہے کہ سائنسی علوم سے بہرہ ور ہونے کے باوجود کیا ان کی عقل سلیم تسلیم کرتی ہے کہ ایک شخص کسی ذریعے اور وسیلے کے بغیر جسمانی طور پر آسمان کی طرف پرواز کر جائے اور دو ہزار سال سے وہاں بیٹھا ہو؟ ہمارا مشاہدہ بھی یہی بتاتا ہے کہ یہ تو ممکن ہے اور ہم آئے دن دیکھتے ہیں کہ ایک شخص کسی غبارے کے ذریعے سے چند سو فٹ کی بلندی تک چلا جائے۔ ہوائی جہاز کے ذریعے سے چند ہزار فٹ کی بلندی تک بھی پہنچا جا سکتا ہے اور خلائی راکٹ کے ذریعے خلا میں اور اس سے آگے گزر کر کسی سیارے تک بھی انسان کی رسائی ممکن ہے لیکن یہ رسائی ذرائع اور وسائل کے بغیر ہرگز ممکن نہیں جبکہ حضرت مسیح ؑ کسی غبارے، جہاز یا خلائی راکٹ کے بغیر آسمان کی جانب پرواز کر گئے۔ کیا اہل یورپ عقلی اعتبار سے اس کمزور ترین اور غیر سائنسی واقعے پر اظہار تعجب نہیں کرتے اور اسے خلاف واقعہ اور خلاف عقل نہیں سمجھتے؟

خداوند تعالیٰ کا قانون قدرت بھی یہی ہے کہ دنیا کا کوئی کام وسائل اور وسائط کے بغیر سرانجام نہیں پا سکتا۔ وہ اس بات پر قادر ہے کہ انسان کو روشنی کے بغیر دیکھنے کی طاقت عطا فرما دے، ہوا کے بغیر سننے کی صلاحیت بخش دے اور زبان کے بغیر کلام کرنے کی طاقت سے نواز دے، مگر وہ ایسا نہیں کرتا۔ اس نے دیکھنے کے لئے روشنی، سننے کے لئے ہوا اور کلام کرنے کے لئے زبان کو وسیلہ

بنایا۔ اس کا یہ قانون ازلی و ابدی ہے اور اس فانی دنیا کا ایک ذرہ بھی وسائل کے بغیر اپنا وظیفۂ حیات سرانجام نہیں دے سکتا۔ پس قانون قدرت، عقل، سائنس اور مشاہدہ کسی بھی ایسے واقعے کے رونما ہونے کا انکار کرتے ہیں جس میں ظاہری وسائل اور ذرائع کو دخل نہ ہو اس لئے حضرت مسیحؑ کا کسی وسیلے اور ذریعے کے بغیر آسمان پر جانا اللہ تعالیٰ کے قانون اور عقلی اعتبار سے بھی ناممکن ہے۔

بعض لوگ یہ موقف اختیار کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہر امر پر قادر ہے وہ جو چاہے کر سکتا ہے۔ بلاشبہ ایک مسلمان کی حیثیت سے ہمارا ایمان ہے اور ہر اس شخص کا ایمان ہونا چاہئے جو اللہ تعالیٰ کی ہستی پر یقین رکھتا ہے کہ وہ قادر مطلق ہے اور اس کی قدرتوں کی کوئی انتہا نہیں، وہ جو چاہے کر سکتا ہے مگر اسی قادر مطلق نے اپنی قدرت کی کچھ حدود مقرر فرما دی ہیں اور اعلان فرما دیا ہے کہ:۔
ولن تجد لسنتہ اللہ تبدیلا" ○ "سورۂ فاطر آیت ۴۳۔" (تم اللہ کی سنت (قانون) میں کبھی تبدیلی نہیں پاؤ گے)
یعنی وہ کوئی کام اپنی سنت اور قانون کے خلاف نہیں کرتا یہ خود خداوند تعالیٰ کا فیصلہ ہے، چنانچہ ہم جانتے ہیں اور ہمارا ایمان ہے کہ اللہ تعالیٰ سورج کو مشرق کی بجائے مغرب کی طرف سے طلوع فرما سکتا ہے، وہ اس پر پوری طرح قادر ہے مگر اس نے آج تک کبھی ایسا نہیں کیا کیونکہ یہ امر خود اس کے مقرر کردہ قانون کے خلاف ہے۔ وہ اس امر پر قادر ہے کہ مچھر کو ہاتھی بنا کر زمین پر پہاڑ کی طرح کھڑا کر دے اور ہاتھی کو مچھر بنا کر ہوا میں اڑانے لگے، مگر اس نے آج تک ایسا نہیں کیا۔ وہ اس امر پر پوری طرح قادر ہے کہ دہلی کے قطب مینار کو اس کی جگہ سے اٹھا کر ہوا میں اڑاتا ہوا لاہور لے آئے اور مینار پاکستان کی جگہ نصب فرما دے اور مینار پاکستان کو اس کی جگہ سے اٹھا کر ہوا میں اڑاتا ہوا دہلی لے جائے اور قطب مینار کی جگہ نصب فرما دے مگر اس نے ایسا نہیں کیا۔ اس قسم کے شعبدے دکھانا اس پاک ہستی کی شان کے خلاف ہے۔ اس نے اس کائنات اور موت و حیات کے کچھ قوانین بنا دیئے ہیں جو اٹل ہیں اور ان کے خلاف کوئی کام کرنا خدائے قدوس اپنی شان کے خلاف سمجھتا ہے۔

خدا کی قدرت کا مشاہدہ؟

کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ حضرت مسیحؑ کو آسمان پر اٹھا کر اللہ تعالیٰ نے دنیا کو اپنی قدرت کاملہ کا

ایک نشان عظیم دکھایا۔ سوال یہ ہے کہ اگر ایسا ہی ہے تو اس کی قدرت کاملہ کا یہ نشان کس نے دیکھا؟
اس کے مشاہدے اور رویت کے کتنے گواہ ہیں؟ اگر وہ اپنی قدرت کاملہ کا نشان اپنے بندوں کو دکھانا چاہتا تھا تو اس کا سب سے بڑا اور مناسب ترین موقع وہ تھا جب سینکڑوں یہودیوں، عیسائیوں اور گورنر پیلاطوس کے فوجیوں کا جم غفیر اس مقام پر موجود تھا جہاں حضرت مسیحؑ کو صلیب دی جانی تھی جہاں یہودی حضرت مسیحؑ کو طمانچے مار رہے تھے، ان پر تھوک رہے تھے اور ان کا مضحکہ اڑا رہے تھے اور خدا کا رسولؑ رسیوں میں جکڑا ہوا، بے بسی کی تصویر بنا یہ دکھ سہہ رہا تھا۔ خداوند تعالیٰ کی قدرت کا اظہار تو یوں ہوتا کہ حضرت مسیحؑ دشمنوں کے دیکھتے دیکھتے، ان کے ہاتھوں سے چھوٹ کر مع جوتوں کپڑوں کے آسمان کی طرف بلند ہو جاتے اور آناً فاناً آسمان کی طرف پرواز کر جاتے۔ ایک دنیا انہیں آسمان کی طرف بلند ہوتا دیکھ رہی ہوتی۔ لوگ اپنے گھروں کے صحن میں اور چھتوں پر، کسان اپنے کھیتوں میں، دوکاندار اور گاہک بازاروں میں، چرواہے اپنی چراگاہوں میں دنیا کے اس عجیب ترین اور محیرالعقول منظر کا مشاہدہ کر رہے ہوتے۔ صرف یروشلم ہی کے لوگ نہیں بلکہ قرب و جوار کے بیسیوں دیہات اور قصبات کے لوگ تاریخ عالم کے اس حیرتناک واقعے کو دیکھ رہے ہوتے اور دنیا کی تاریخ عقل گم کر دینے والے اس واقعے کی تفاصیل سے بھری پڑی ہوتی مگر انجیل کے ایک راوی کے سوائے دنیا کی کسی کتاب میں اس واقعے کا کہیں ذکر نہیں اور کوئی ایک شخص بھی اس واقعے کا عینی شاہد نہیں۔

سوچئے! خداوند تعالیٰ کی یہ کیسی قدرت ہے جس کا کسی ایک شخص نے مشاہدہ نہیں کیا، جس کا کوئی گواہ نہیں۔ خداوند تعالیٰ تو جب اپنی قدرت دکھاتا ہے تو گویا سورج چڑھا دیتا ہے اور ساری دنیا پکار اٹھتی ہے کہ "یہ ہے قدرت الٰہی کا نشان" مگر یہاں تو ایسا نہیں ہوا، سرے سے کوئی ایسا واقعہ پیش ہی نہیں آیا۔ اگر ایسا واقعہ پیش آتا تو حضرت مسیحؑ کے سارے مخالفین اسی وقت ایمان لے آتے، خصوصاً گورنر پیلاطوس، بادشاہ "ہیرودیس"، "قیصر روم اور وہ لاکھوں یہودی جو فلسطین میں آباد تھے اور جن کی آنکھوں کے سامنے حضرت مسیحؑ کی صداقت اور ان کے رسول برحق ہونے کا اتنا بڑا نشان ظاہر ہوا تھا وہ سب اسی وقت سجدے میں گر جاتے، آپؑ کو قبول کر لیتے اور حضرت مسیحؑ راستے ہی میں سے دوبارہ زمین پر واپس بھیج دیئے جاتے، مگر یہودیوں کی تاریخ، سلطنت روما کی تاریخ اور خود فلسطین کی تاریخ جہاں اس واقعے کا رونما ہونا بیان کیا جاتا ہے بالکل خاموش ہے۔ پس

ثابت ہو گیا کہ یہ واقعہ خوش عقیدہ مسیحیوں نے محض اپنی نفسیاتی تسکین کی خاطر گھڑ لیا جس میں بعض غلط فہمیوں کو بھی دخل تھا ورنہ درحقیقت ایسا کوئی واقعہ پیش نہیں آیا۔

انبیاء سے اللہ کا معاملہ

آیئے ایک اور پہلو سے اس واقعے پر غور کریں۔ اللہ تعالیٰ کا اپنے انبیاء کے ساتھ اس سے پہلے کیا معاملہ رہا اور آزمائشوں اور ابتلاؤں میں اس نے ان کی کس طرح مدد فرمائی؟ انہیں ان کے دشمنوں کے ہاتھ سے کس طرح بچایا؟ یا کبھی نہیں بھی بچایا۔ حضرت نوحؑ پر جب ان کی قوم کے اکابر نے عرصۂ حیات تنگ کر دیا، سرکشی و نافرمانی میں حد سے بڑھ گئے تو اللہ تعالیٰ نے آپؑ کے دشمنوں کو طوفان میں غرق کر دیا اور آپؑ کو مع متبعین بچا لیا مگر اسی زمین پر بچایا، آسمان پر نہیں اٹھایا۔ حضرت ابراہیمؑ پر بہت بڑی آزمائش کا وقت آیا اور بادشاہ وقت نمرود نے آپؑ کو آگ میں ڈال کر ہلاک کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ ان نازک لمحات میں اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت دکھائی اور حضرت ابراہیمؑ پر آگ کو ٹھنڈا کر دیا اور انہیں مصر جانے کا حکم دیا گویا اس نے اپنے نبی کو اسی دنیا میں بچایا، اسی زمین پر بچایا، آسمان پر نہیں اٹھایا۔ حضرت لوطؑ کی قوم جب ظلم، طغیان، سرکشی اور نافرمانی میں حد سے بڑھ گئی تو اللہ تعالیٰ نے حضرت لوطؑ اور ان کی اتباع کرنے والوں کو اس ملک سے نکل جانے کا حکم دیا اور زمین کو تہہ و بالا کر کے ساری قوم کو ہلاک کر دیا۔ گویا حضرت لوطؑ کو بھی اس نے اسی زمین پر ان کے دشمنوں سے محفوظ رکھا، آسمان پر اٹھا کر نہیں بچایا۔ حضرت ہودؑ اور حضرت صالحؑ کی نافرمان اور ظالم قوموں کو تباہ و برباد کر دیا، ان کی بستیوں کو کھنڈرات میں تبدیل کر دیا اور اپنے دونوں مقدس رسولوں کو بچا لیا مگر اسی زمین پر بچایا، آسمان پر نہیں اٹھایا۔ حضرت موسیٰؑ اور حضرت ہارونؑ کے دشمنوں (فرعون اور اس کے لشکر) کو اللہ تعالیٰ نے سمندر میں غرق کر دیا اور اپنے دونوں مقدس رسولوں کو بچا لیا مگر اسی زمین پر بچایا، آسمان پر نہیں اٹھایا، حتیٰ کہ حضرت زکریاؑ اور حضرت یحییٰؑ دشمنوں کے ہاتھوں میں چلے گئے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں قتل ہوتا دیکھنا گوارا کر لیا مگر انہیں آسمان پر اٹھا کر اپنی سنت اور اپنے قانون کو توڑنا گوارا نہیں کیا۔ یہ بہت تدبر اور غور کرنے کا مقام ہے، اگر کسی میں بصیرت ہو۔

سوال یہ ہے کہ کیا حضرت مسیحؑ خدا کے ان مقدس نبیوں اور رسولوں کی جماعت سے ماورا تھے کہ ان کے لئے اللہ تعالیٰ نے اپنی سنت تبدیل کر دی جبکہ وہ خود فرما چکا ہے کہ "تم اللہ کی سنت میں

تبدیلی نہیں پاؤ گے۔" کیا یہاں پہنچ کر نعوذ باللہ وہ عاجز ہو گیا اور اپنے نبی کو زمین پر بچانے میں ناکام رہ گیا؟ کیا اس کے نبی کے دشمن اس کی قوت اور تدبیر دونوں پر غالب آ گئے اس لئے جب وہ اپنے نبی کو زمین پر بچانے میں کامیاب نہیں ہو سکا تو اپنی سابقہ سنت اور قانون کو توڑ کر اور مجبور ہو کر اس نے انہیں آسمان پر اٹھا لیا۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ ہر امر پر قادر ہے اس کے لئے حضرت مسیحؑ کو آسمان پر اٹھا لینا کچھ مشکل نہیں تھا۔ بات تو جب تھی کہ وہ اسی زمین پر انہیں ان کے دشمنوں سے بچا کر دکھاتا۔ اس کی قدرت کا نشان تو یہ تھا جس کا مسیحیوں کے بقول ظہور نہیں ہو سکا، مگر ہمارا ایمان ہے اور قرآن کریم اس کی تائید و تصدیق کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیحؑ کو اسی زمین پر ان کے دشمنوں کے ہاتھوں سے محفوظ رکھا اور انہیں قتل ہونے سے بچا لیا۔ آپؑ کے دشمنوں کی تدبیر پر اللہ کی تدبیر غالب آ گئی کیونکہ خود اس کے بقول وہ "خیر الماکرین" ہے یعنی تدبیر کرنے والوں میں سب سے بہتر تدبیر کرنے والا۔

غرض یہ کہ اس واقعے پر جس پہلو سے غور کیا جائے یہ سراسر خلاف عقل ہے، قانون قدرت کے خلاف ہے، اللہ تعالیٰ کی اپنے انبیاء کے ساتھ جو سنت رہی ہے اس کے خلاف ہے، واقعات اور تاریخ کے خلاف ہے، ایک دیومالائی داستان سے زیادہ اس کی اور کچھ حیثیت نہیں۔

خدا عاجز نہیں

اب آخر میں ایک عظیم الشان صداقت کی طرف ہم اپنے قارئین کو متوجہ کرنا چاہتے ہیں، صداقت بھی قرآن عظیم نے پیش کی ہے اور اللہ تعالیٰ کی جلالت و کبریائی کا زبردست نشان ہے، افسوس کہ اس پر غور نہیں کیا گیا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

لاتحسبن الذین کفروا معجزین فی الارض (سورہ النور آیت نمبر ۵۷)

(یہ نہ سمجھ لینا کہ کفار (اپنی تدبیروں سے) ہمیں زمین میں عاجز کر دیں گے)

اس ارشاد ربانی کی روشنی میں اب حضرت مسیحؑ کے واقعے پر غور کیجئے۔ کفار (یہودیوں) نے پوری کوشش کی، پوری تدبیر کی تاکہ حضرت مسیحؑ کو صلیب پر چڑھا کر ہلاک کر دیں۔ یہودی تو آپؑ کے دشمن تھے ہی رومی حکومت بھی ان کے دباؤ میں آ کر اور ان کے ورغلانے سے حضرت مسیحؑ کو قتل کرنے پر آمادہ ہو گئی گویا دونوں مل کر خدا کو عاجز کر دینا چاہتے تھے، عاجز بھی اسی زمین پر کرنا چاہتے تھے کیونکہ خدا کو آسمان پر عاجز کرنا تو ان کے اختیار میں تھا ہی نہیں اس لئے اللہ تعالیٰ نے"

"فی الارض" کے الفاظ استعمال فرمائے ——— یہ نکتہ بہت غور طلب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے "ارض" کا لفظ کیوں استعمال فرمایا۔ وہ یہ بھی فرما سکتا تھا کہ "یہ نہ سمجھ لینا کہ کفار (اپنی تدبیروں سے) ہمیں عاجز کر دیں گے۔" آخر اس نے ارض (زمین) کے لفظ کا اضافہ کیوں کیا کہ "زمین پر ہمیں عاجز نہیں کر سکیں گے۔" اس کا جواب یہی ہے کہ حضرت مسیحؑ کے دشمن بلکہ ہر نبی کے دشمن اسی دنیا میں اور اسی زمین پر الٰہی تدبیروں کو ناکام کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور خداوند تعالیٰ اسی زمین پر ان کی کوششوں کو ناکام کر کے ثابت کر دیتا ہے کہ خدا کے دشمن خدائے قادر کو زمین کے کسی حصے میں عاجز نہیں کر سکتے' پس وہ ساری دنیا کو چیلنج کرتا ہے کہ (اے دشمنان خدا کان کھول کر سن لو کہ) "تم ہمیں زمین پر عاجز نہیں کر سکتے" دوسری طرف جب اس کا دشمنان خدا و رسول سے مقابلہ پیش آتا ہے تو وہ اپنے نبی کو آسمان پر اٹھا لیتا ہے گویا وہ اسے زمین پر نہیں بچا سکا' اسے زمین پر بچانے سے عاجز آ گیا۔ یہ تو اس کے دعوے کی کھلی شکست ہے۔ اس کا یہ دعویٰ اسی وقت درست اور سچا ثابت ہو گا جب وہ اپنے نبی کے مخالفین کی تدبیروں کو اسی زمین پر ناکام کر کے اپنے نبی کو اسی زمین پر بچائے گا جیسا کہ اس نے حضرت مسیحؑ کو اسی زمین پر بچایا 'صلیب پر ان کی حالت موت کی حالت سے مشابہ کر دی' شدید طوفان گردباد اور خوفناک زلزلہ برپا کر کے یہودیوں اور رومی سپاہیوں پر دہشت طاری کر دی' ایک منصوبے کے تحت جناب مسیحؑ کو صلیب سے زندہ حالت میں اتروا لیا' ان کے علاج معالجے کے سامان پیدا کر دیئے اور انہیں صحتمند فرما کر اسی زمین پر قریباً نوے سال زندہ رکھا۔ اس طرح اس نے ثابت کر دیا اور دنیا کو عملی مشاہدہ کروا دیا کہ:۔

لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مُعْجِزِيْنَ فِي الْاَرْضِ ج

(اے کافرو! کان کھول کر سن لو) "یہ نہ سمجھ لینا کہ تم ہمیں زمین میں (اپنی تدبیروں سے) عاجز کر سکتے ہو" ہرگز نہیں ہم اپنے جس بندے کو تمہاری گرفت سے بچانا چاہیں گے' اسی زمین پر بچائیں گے کیونکہ ہماری حکومت اور ہمارا اقتدار صرف آسمان پر نہیں زمین پر بھی ہے۔ پس خدا کا دشمنان خدا کے مقابلے میں غالب آنا اسی صورت میں ثابت ہو گا جب وہ ان کا مقابلہ اسی زمین پر کرے اور جس نبی کو بچانا چاہتا ہے اسی زمین پر بچائے نہ کہ آسمان پر اٹھا کر۔ سو اس نے حضرت مسیحؑ کو ان کے دشمنوں سے اسی زمین پر بچایا اور ان کی تدبیروں کو ناکام کر کے ثابت کر دیا کہ اس کا یہ دعویٰ سچا ہے کہ کافر اسے زمین پر عاجز نہیں کر سکتے۔

حوالہ جات

(۱) The Crucifixion P-62

(۲) The Crucifixion. P-75'76

(۳) The Crucifixion. P-89'90

(۴) The Crucifixion. P-118

(۵) The Crucifixion. P-109

(۶) رسولوں کے اعمال۔ باب نمبر ۱۲ آیت (۲)

(۷) رسولوں کے اعمال۔ باب نمبر ۱۲ آیت (۳)

(۸) رسولوں کے اعمال۔ باب نمبر ۱۴ آیت (۱۹)

(۹) رسولوں کے اعمال۔ باب نمبر ۱۳ آیت (۵۰)

(۱۰) رسولوں کے اعمال۔ باب نمبر ۷ آیت (۵۹)

(۱۱) The Crucifixion. P-117

(۱۲) The Crucifixion. P-124

(۱۳) The Crucifixion. P-125

(۱۴) مرقس کی انجیل۔ باب نمبر ۱۶ آیت (۱۹)

(۱۵) لوقا کی انجیل۔ باب نمبر ۲۴ آیت (۵۱)

(۱۶) The Crucifixion. P-125

(۱۷) یوحنا کی انجیل۔ باب نمبر ۱۰ آیت (۱۶)

(۱۸) کنز العمال جلد نمبر ۲ صفحہ نمبر ۵۱

(۱۹) کنز العمال جلد نمبر ۲ صفحہ نمبر ۱۷

کر گئے' باقی زندگی اپنی قوم (بنی اسرائیل) کے گم شدہ قبائل کی تلاش اور ان کی تربیت و اصلاح کا فریضہ انجام دینے میں گزار دی۔ اس کے بعد طبعی موت سے فوت ہو گئے جس طرح اللہ تعالیٰ کے دوسرے انبیاء طبعی عمر گزار کر وفات پا گئے۔

یہ ہے وہ ثابت شدہ صداقت جسے تسلیم کرنے میں نہ کوئی دشواری ہے' نہ اس میں کوئی افسانہ طرازی کی ضرورت' نہ روایت سازی کی حاجت' نہ اس میں کوئی بات خلاف عقل ہے' نہ کوئی پیچیدگی۔

حوالہ جات

(۱) The Crucifixion. P-29

(۲) یوحنا کی انجیل - باب نمبر ۱۸ آیت (۱ تا ۱۳) و متی کی انجیل - باب نمبر ۲۶ آیت (۲۹ تا ۵۰)

(۲- الف) قصص القرآن - جلد نمبر ۴ صفحہ ۱۲۶

(۳) متی کی انجیل - باب نمبر ۲۶ آیت (۳۰ تا ۵۷)

(۴) مرقس کی انجیل - باب نمبر ۱۴ آیت (۲۶)

(۵) لوقا کی انجیل - باب نمبر ۲۲ آیت (۳۹ تا ۴۷)

(۶) یوحنا کی انجیل - باب نمبر ۱۸ آیت (۱)

(۷) متی کی انجیل - باب نمبر ۲۶ آیت (۱۴ تا ۱۶)

(۸) متی کی انجیل - باب نمبر ۲۶ آیت (۴۵ تا ۴۷)

(۹) یوحنا کی انجیل - باب نمبر ۱۸ آیت (۵)

(۱۰) متی کی انجیل - باب نمبر ۲۷ آیت (۳ تا ۵)

(۱۰- الف) قصص القرآن - جلد نمبر ۴ صفحہ ۱۲۶ تا ۱۲۷

(۱۰- ب) انبیاء قرآن - جلد نمبر ۳ صفحہ ۴۵۰، ۴۴۹

(۱۱) متی کی انجیل - باب نمبر ۲۷ آیت (۳۲ تا ۳۳)

(۱۲) مرقس کی انجیل - باب نمبر ۱۵ آیت (۲۱)

(۱۳) لوقا کی انجیل - باب نمبر ۲۳ آیت (۲۶)

(۱۴) لوقا کی انجیل - باب نمبر ۲۳ آیت (۳۴)

(۱۵) " شفا " صفحہ نمبر ۸۱ مولفہ حضرت قاضی امام حافظ ابو الفضل عیاض" بن موسیٰ ۔ مطبع الشرکت الصحافیہ فی البلاد العثمانیہ مطبوعہ ۱۳۲۷ھ مملوکہ پنجاب پبلک لائبریری لاہور

(۱۶) لوقا کی انجیل ۔ باب نمبر ۲۳ آیت (۳۴)

(۱۷) یوحنا کی انجیل ۔ باب نمبر ۱۹ آیت (۱۷)

گمشدہ بھیڑیں

بلاشبہ دین اور روحانیت میں بہت سے امور ایمان بالغیب سے تعلق رکھتے ہیں مگر دین ہی نے ان کی حدود بھی متعین کردی ہیں ' مثلاً اللہ تعالیٰ کی ہستی ' ملا ئکہ ' تقدیر ' روز جزا اور جنت و دوزخ وغیرہ ۔ ان امور کے بارے میں تنہا عقل کسی درست نتیجے پر نہیں پہنچا سکتی مگر اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ دین ' عقل کو کلی طور پر رخصت کردیتا ہے بلکہ عقل سے بھی کام لینے کی تحریک کرتا ہے اور دنیا کا کوئی دین ایسا نہیں جس نے تدبر و تفکر کی تعلیم نہ دی ہو ۔ حضرت مسیحؑ کی زندگی اور ان کے آسمان پر اٹھائے جانے کا مفروضہ بھی ہمیں دعوت فکر دیتا ہے کہ کیا عقلی طور پر بھی یہ ممکن ہے کہ ایک شخص کو اس کے جسم خاکی کے ساتھ آسمان پر اٹھالیا جائے ؟

بعثت انبیاء کا مقصد

عقل پہلا سوال یہ کرتی ہے کہ انبیاء دنیا میں کیوں بھیجے جاتے ہیں ؟ عقل ہی اس کا جواب دیتی ہے کہ بنی نوع انسان کی روحانی و اخلاقی اصلاح کے لئے ' خدا کی راہ سے بھٹکے ہوئے انسانوں کو باخدا انسان بنانے کے لئے ' انہیں پر امن اور مہذب و شائستہ زندگی گزارنے کے اصول سکھانے کے لئے ' معاشرے کو معاشی و سماجی انصاف کا گہوارہ بنانے کے لئے ۔ یہ فریضے اسی دنیا میں رہ کر انجام دیئے جاسکتے ہیں ' آسمان پر ان میں سے کوئی فریضہ سرانجام نہیں دیا جاسکتا ' نہ وہاں ہماری نوع سے تعلق رکھنے والی کوئی مخلوق آباد ہے جس کی ہدایت و رہنمائی کے لئے کسی زمینی پیغمبر کی ضرورت ہو ۔ اگر کسی سیارے میں کوئی مخلوق آباد بھی ہے تو اس کے لئے اسی مخلوق میں سے انبیاء مبعوث ہوتے ہوں گے اور اس کی ہدایت و رہنمائی کا فریضہ سرانجام دیتے ہوں گے ' زمین سے کسی نبی کا وہاں جا کر ایک غیر نوع کو تبلیغ کرنا نہ تو ممکن ہے نہ اس کی ضرورت اور نہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کسی کتاب میں

اس کی نشاندہی فرمائی ہے۔

پس اگر حضرت مسیحؑ کو آسمان پر اٹھالیا گیا تو یقیناً وہ اس مقدس فرض سے محروم ہو گئے جو ان کے سپرد کیا گیا تھا اور کسی مقدس انسان کو ایک بہت بڑی نیکی سے محروم کر دینا اس کے لئے بہت ہی سنگین نوعیت کی سزا ہے۔ ظاہر ہے کہ حضرت مسیحؑ نے کوئی ایسا جرم نہیں کیا تھا جس کی پاداش میں انہیں یہ سزا دی گئی ہو۔

جس وقت حضرت مسیحؑ کا واقعہء صلیب پیش آیا اور جس کے تیسرے دن مسیحی عقیدے کی رو سے انہیں آسمان پر اٹھالیا گیا، دیکھنا چاہئے کہ اس وقت بنی اسرائیل کی اخلاقی و سماجی حالت کیسی تھی اور جس مقصد کے لئے انہیں مبعوث کیا گیا تھا کیا وہ حاصل ہو گیا تھا؟ اگر ان کی زندگی میں ان کا مشن مکمل ہو گیا تھا اور وہ مقاصد حاصل ہو گئے تھے جن کے لئے انہیں دنیا میں بھیجا گیا تھا، پھر تو اس مسئلے پر غور کیا جا سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں آسمان پر اٹھایا یا نہیں؟ لیکن اگر ان کے مقاصد بعثت ہی پورے نہ ہوئے تو انہیں آسمان پر اٹھالینا یا صلیب پر مار دینا ایسا فعل ہے جو اللہ تعالیٰ جیسی حکیم و علیم ہستی کی طرف منسوب نہیں ہو سکتا۔

عہد مسیحؑ کے اسرائیلی گروہ

جس عہد میں حضرت مسیحؑ بنی اسرائیل کی ہدایت کے لئے مبعوث ہوئے اس وقت یہ قوم متعدد فرقوں اور گروہوں میں بٹی ہوئی تھی۔ ان میں سے تاریخ پانچ فرقوں یا جماعتوں کا خصوصیت سے ذکر کرتی ہے۔ اسیریئین، صدوقی، فریسی، کاہن، قفیہ۔

(۱) اسیریئین (Esseer)

یہ وہ لوگ تھے جو عام بنی اسرائیل کی گمراہیوں سے دل برداشتہ ہو کر ان سے الگ ہو گئے تھے۔ اسے فرقہ زہاد کہنا زیادہ صحیح ہو گا۔ بعض مورخین نے انہیں اسرائیلی صوفیا کی جماعت قرار دیا ہے۔ یہ لوگ لذائذ دنیاوی سے بکلی کنارہ کش رہتے تھے حتیٰ کہ شادی بھی انتہائی مجبوری کی حالت میں کرتے تھے۔ مجرد رہنے کو ترجیح دیتے اور پسند کرتے تھے۔ اولاد کے جذبے سے مغلوب ہو جانے کی صورت میں دوسروں کے بچے لے کر انہیں پال لیتے تھے۔ گوشت کھانے سے اجتناب کرتے تھے حتیٰ کہ ہیکل میں بھی جانوروں کی قربانی کو ناپسند کرتے تھے۔ ان کی باقاعدہ تنظیم تھی۔ اپنے تنظیمی امور کو پردۂ اخفا میں رکھتے تھے اور مکمل رازداری کا حلف اٹھاتے تھے جس کی نہایت سختی سے پابندی

کرتے تھے۔ یہ لوگ تعلیم یافتہ ہوتے تھے۔ روحانی اور دنیاوی دونوں قسم کے علوم حاصل کرتے اور ان کی تحصیل پر زور دیتے تھے۔ علم طب ان کا خاص شعبہ تھا۔ جڑی بوٹیوں اور ان کی تاثیر کے اسرار و رموز پر مکمل عبور اور دسترس رکھتے تھے اس علم میں انہوں نے غیر معمولی ترقی کی تھی۔ لباس اور سامان زندگی کے معاملے میں اس حد تک سادگی پسند تھے کہ کوئی شخص ایک کپڑے کے سوائے دوسرا کپڑا پاس نہ رکھتا تھا۔ یہ کپڑا چوغے کی قسم کا ہوتا تھا جس کے ساتھ ایک تسبیح آویزاں ہوتی تھی۔ چوغہ یا لباس دو رنگ کا ہوتا تھا ایک نیلا دوسرا سفید۔ روحانیت میں اعلیٰ و ارفع مقام پر فائز ہونے والوں کو سفید رنگ کا چوغہ پہننے کی اجازت دی جاتی تھی۔ ہاتھ میں ایک کلہاڑی اور پیروں میں لکڑی کی کھڑاؤں، بس یہ تھی ان کی کل کائنات۔

اسیریئین عام طور پر جنگلوں اور بیابانوں میں زندگی گزارتے تھے یا پہاڑوں کی تنگ وادیوں میں اپنی الگ بستیاں بسا کر بود و باش کرتے تھے۔ ان کا ایک بڑا اصول زندگی حکومت اور امور حکومت سے لاتعلقی تھا۔ یہ لوگ حاکم وقت کے خلاف بغاوت کرنے یا اس کے قوانین میں مداخلت کرنے سے اجتناب کرتے تھے بلکہ اپنے عقیدے کی رو سے اسے گناہ سمجھتے تھے۔ آپس میں ایک دوسرے سے محبت کرتے تھے۔ اعمال صالح انجام دینا اور دوسروں پر رحم کرنا صرف ان کے عقیدے ہی میں داخل نہ تھا بلکہ وہ ان اصولوں پر عمل بھی کرتے تھے۔ نماز باقاعدگی سے پڑھتے تھے، دوسری روایت کے مطابق نماز فجر کا خاص خیال رکھتے تھے۔ گویا بنی اسرائیل میں یہی ایک فرقہ تھا یعنی واحد فرقہ جو گمراہ نہیں ہوا تھا۔ ان اسیریئین میں بہت سے اہل اللہ پیدا ہوئے جنہیں اللہ تعالیٰ سے مکالمے کا شرف حاصل ہوا۔ ان میں بکثرت صاحب الہام لوگ تھے۔ بعض مورخین نے حضرت یحییٰؑ اور حضرت مسیحؑ کا تعلق بھی اسی جماعت سے قرار دیا ہے۔ حضرت مسیحؑ نے اس فرقے کے بعض عقائد اور اصولوں کی اصلاح بھی فرمائی تھی۔ یہ لوگ زیادہ تر فلسطین کے جنوب، یروشلم اور اس کے گرد و نواح میں آباد تھے۔ اسکندریہ (مصر) میں بھی اس فرقے کے لوگ پائے جاتے تھے۔ یہ خالص اسرائیلی النسل تھے۔ کوئی غیر اسرائیلی اس کا رکن نہ تھا۔ "مسیح موعود" کی آمد کے یہ لوگ بڑی شدت سے منتظر رہتے تھے۔ حضرت مسیحؑ کو سب سے زیادہ پذیرائی اسی جماعت سے ملی تھی اور ان سب نے آپؑ کو قبول کر لیا تھا ان کی تعداد چار ہزار کے قریب بتائی جاتی ہے۔ حضرت مسیحؑ کو صلیب پر سے زندہ اتار لینے میں انہی کی کوششوں کو دخل تھا۔ آپؑ کا علاج کرنے اور سفر کے دوران آپؑ کی حفاظت کرنے کا فریضہ بھی اسی فرقے کے لوگوں نے سرانجام دیا تھا۔ اسی فرقے

کے افراد کی مدد سے آپؑ نے سفر ہجرت اختیار کیا اور اپنے دشمنوں کے ہاتھوں فلسطین سے بچ نکلنے میں کامیاب ہوئے۔

(۲) صدوقی

بنی اسرائیل کا دوسرا مشہور اور بڑا فرقہ صدوقیوں کا تھا۔ یہ لوگ صدوق نامی ایک اسرائیلی بزرگ سے خود کو نسبت دیتے تھے۔ صدوق حضرت سلیمانؑ کے زمانے میں کاہن کے مرتبے پر فائز ایک بزرگ خاندان کے ممتاز فرد تھے۔ حضرت مسیحؑ کی بعثت سے کئی صدیوں قبل ہی یہ فرقہ اپنی روحانی حیثیت کھو چکا تھا۔ لذت پرستی اور شہوات جسمانی میں انہماک ان کا طرۂ امتیاز بن چکا تھا۔ اس لذت پرستی اور عیش کوشی کو تحفظ دینے کے لئے انہوں نے کتاب مقدس میں تحریف کرنے سے بھی گریز نہیں کیا اور یہ عقیدہ اختیار کر لیا کہ جو کچھ ہے یہی دنیا ہے' عالم آخرت کوئی چیز نہیں۔ قیامت' جزا سزا اور جنت دوزخ محض افسانہ ہے۔ ظاہر ہے کہ جب خوف آخرت ہی ذہن انسانی سے نکل جائے تو بداعمالیوں کی یلغار روکنے کے لئے بند کون باندھے گا؟

نتیجہ یہ ہوا کہ صدوقی پرلے درجے کے زانی' بدکردار' بدعمل' ریاکار' دغاباز اور بے حیاو گستاخ ہو گئے۔ حضرت مسیحؑ سے ان کے مناظرے بھی ہوئے۔ چونکہ یہ لوگ خالص لذت پرست بلکہ دنیا پرست تھے اس لئے حکومت وقت سے ہمیشہ خوشگوار تعلقات قائم رکھتے تھے تاکہ ان کی عیش کوشی اور ہوس پرستی میں کوئی رخنہ اندازی واقع نہ ہو۔ یہ رومی سلطنت کے پکے وفادار تھے تاکہ اس کے زیر سایہ دنیاوی مفادات حاصل کر سکیں۔ اس کے ساتھ ساتھ اسرائیلی عوام میں اپنا اثر و رسوخ بھی قائم رکھنا ان کے لئے ضروری تھا اس لئے ہیکل سے بھی گہرا تعلق رکھتے تھے۔ یروشلم کا ہیکل اعظم ان کے زیر اثر تھا۔ گویا انہیں بیک وقت مذہبی اور سیاسی دونوں قسم کی اجارہ داری حاصل تھی۔ رومی گورنر بھی ان کے ساتھ خوشگوار تعلقات قائم رکھنے پر مجبور تھا۔ حضرت مسیحؑ کو گرفتار کروانے اور صلیب پر چڑھوانے میں اس فرقے نے نمایاں حصہ لیا۔

(۳) فریسی

ابتدا میں یہ ان اسرائیلیوں کی جماعت تھی جو دنیاوی لذات سے کنارہ کش ہو گئے تھے اور زاہدانہ زندگی گزارتے تھے۔ ان کی بڑی بڑی خانقاہیں تھیں جن میں مرد اور عورتیں تجرد کی زندگی بسر کرتے تھے۔ کچھ مدت تو یہ اپنے زہد و ورع پر قائم رہے مگر جلد ہی ان خود ساختہ پابندیوں کو توڑ دیا رفتہ رفتہ ان کی خانقاہیں زناکاری کے اڈے بن گئے۔ بنی اسرائیل میں یہ بھی بڑے بدکردار اور

ریاکار لوگ تھے۔ حضرت مسیحؑ نے سب سے زیادہ لعن طعن انہی فریسیوں پر کی انہیں "سانپ کے بچو!" اور "حرام کارو!" کے الفاظ سے پکارا۔ صدوقیوں کے بعد حضرت مسیحؑ کا سب سے زیادہ تصادم انہی سے ہوا۔ یہ لوگ زبان سے حضرت موسیٰؑ اور احکام تورات کی عزت کرتے تھے مگر ان کے اعمال حضرت موسیٰؑ کی تعلیم کے بالکل برعکس تھے۔ غرور و تکبر کی آخری حدوں کو چھو چکے تھے اور خود کو تمام دنیا سے افضل قرار دیتے تھے اسی لئے حضرت مسیحؑ کو نہ صرف خاطر میں نہیں لاتے تھے بلکہ ان کی شدید مخالفت کرتے تھے۔ آپؑ نے ایک موقع پر انہیں ایسی قبروں سے تشبیہ دی تھی جن پر اوپر سے سفیدی پھیر دی گئی ہے اور اندر بدبو اور گلی سڑی ہڈیاں ہیں۔

(۴) کاہن

یہ وہ لوگ تھے جن کے سپرد مذہبی رسوم کی انجام دہی تھی۔ لوگوں کو عبادت کروانا' مقدس ایام کے موقع پر مذہبی تقاریب کا اہتمام کرنا اور ہیکل کی خدمت کرنا ان کے فرائض منصبی میں شامل تھا اس لحاظ سے انہیں اسرائیلی عوام اور رومی حکومت دونوں میں غیر معمولی اہمیت حاصل تھی مگر حضرت مسیحؑ کی بعثت سے بہت پہلے یہ اپنے حقیقی منصب سے گر چکے تھے۔ دنیا پرستی ان کے رگ و ریشہ میں سما گئی تھی۔ تورات کی رو سے ان کا منصب ایک مقدس امانت تھا مگر افسوس کہ اپنے منصب کو ان لوگوں نے ذریعہ ء تجارت بنا لیا تھا۔ ہیکل جسے صرف عبادت کے لئے مخصوص کیا گیا تھا کاہن کے ہاتھوں کاروبار دنیا کا مرکز بن گئی تھی۔ نذریں وصول کرنا یہ اپنا پیدائشی حق سمجھتے تھے۔ تاجروں کو ہیکل میں بازار لگانے کی اجازت دے کر انہوں نے خوب دنیاوی نفع کمایا مگر خدا کے مقدس گھر کو حضرت مسیحؑ کے بقول "ڈاکوؤں کی کھوہ" بنا دیا آپؑ ان کی دنیا پرستی سے اس قدر نالاں تھے کہ ایک روز یروشلم کے ہیکل اعظم (بیت المقدس) میں اپنے مریدوں کے ہجوم کے ساتھ داخل ہو کر صرافوں کے تخت اور کبوتر فروشوں کی چوکیاں الٹ دی تھیں اور ظروف سازوں کو برتن فروخت کرنے سے روک دیا تھا۔

(۵) فقیہ

یہ وہ طبقہ ہے جو بنی اسرائیل کا سب سے محترم طبقہ سمجھا جاتا تھا' کیونکہ دین موسوی کی تشریح اس کے فرائض میں داخل تھی مگر اس طبقے کی حالت سب سے ابتر اور قابل شرم تھی۔ زر پرستی میں یہ اسرائیلیوں کے دوسرے تمام طبقات پر بازی لے گیا تھا۔ حضرت مسیحؑ کے زمانے سے قبل ہی اس کی حیثیت ان مذہبی اجارہ داروں کی [illegible] گئی تھی جو زر نقد لے کر ہر قسم کا فتویٰ دے دیتے تھے۔

دراصل یہ فتویٰ فروشوں کا گروہ تھا اور اسرائیلی اکابر دنیاوی مفادات حاصل کرنے اور لذات شہوانی سے لطف اندوز ہونے کے لئے ان سے رجوع کرتے تھے۔ یہ ان کی خوشنودی کی خاطر تورات کے احکام میں ہر قسم کی تحریف کرتے تھے۔ بنی اسرائیل میں جتنی عملی گمراہیاں پیدا ہوئیں اس کے ذمے دار یہی فقیہہ یا "احبار" تھے جنہیں مفتیان شرع موسوی کہنا چاہئے۔ صدیوں کی محنت اور کاوش کے بعد یہ لوگ اسرائیلی عوام کے دلوں میں یہ عقیدہ جاگزیں کرنے میں پوری طرح کامیاب ہو گئے تھے کہ دین کی وہی تشریح درست ہو گی جو یہ "احبار" یا فقیہہ کریں گے۔ اس طرح انہیں سب سے بڑے مذہبی اجارہ دار کی حیثیت حاصل ہو گئی تھی۔ اپنی اس حیثیت سے انہوں نے خوب فائدہ اٹھایا اور محض جلب زر کی خاطر حرام کو حلال اور حلال کو حرام کر کے سادہ لوح اور دین سے بے خبر اسرائیلیوں کو گمراہ کیا۔ اس طرح محدود تعداد کے سوائے اس قوم کی اکثریت بے غیرتی، بے حیائی، ریاکاری اور اللہ تعالیٰ سے سرکشی کے سیلاب میں بہہ گئی۔

مسیحیوں کی اخلاقی حالت؟

یہ تھے وہ حالات جب حضرت مسیحؑ بنی اسرائیل کی طرف پیغمبر کی حیثیت سے مبعوث ہوئے اور تین ساڑھے تین سال کی شب و روز جدوجہد کے بعد ان میں روحانی انقلاب پیدا کیا۔ ان کی فکر و نظر کے گوشوں کو روشن کیا اور انہیں باخدا انسان بنایا لیکن چونکہ جدوجہد کی یہ مدت بہت قلیل تھی یعنی صرف تین سال یا ساڑھے تین سال۔ اس قلیل مدت میں تھوڑے لوگ تھے جو حضرت مسیحؑ کے سچے اور باعمل پیروکار بن سکے۔ ان میں وہ لوگ سرفہرست تھے جنہیں آپؑ کا صحابی (حواری) ہونے کی سعادت نصیب ہوئی ورنہ آپؑ پر ایمان لانے والوں کی اکثریت بدستور عملی اعتبار سے گمراہ ہی رہی کیونکہ ان لوگوں کو حضرت مسیحؑ کی تربیت میں رہنے کا زیادہ موقع نہ مل سکا۔ ان میں سے بیشتر لوگوں نے حضرت مسیحؑ کو اس لئے قبول کر لیا تھا کہ آپؑ آسمان کی بادشاہی کے قیام کا اعلان فرما رہے تھے چونکہ بنی اسرائیل حکومت و اقتدار سے صدیوں قبل محروم ہو چکے تھے اور غلامی کی زندگی گزار رہے تھے اس لئے جب انہوں نے آسمان کی بادشاہت کے قیام کا اعلان سنا تو وہ حضرت مسیحؑ کے اردگرد جمع ہو گئے۔ وہ اس نکتے کو نہ سمجھ سکے کہ حضرت مسیحؑ جس بادشاہت کا اعلان فرما رہے ہیں وہ ظاہری بادشاہی اور مادی اقتدار نہیں بلکہ روحانی بادشاہی ہے چونکہ ان کے ایمان کی بنیاد خوف خدا اور تقویٰ پر نہ تھی بلکہ ظاہری اور مادی مفاد پر تھی اس لئے جب انہوں نے

دیکھا کہ ان سے جس بادشاہی کا وعدہ کیا گیا ہے وہ ان کی خواہش اور تخیلات کے مطابق نہیں تو حضرت مسیحؑ کو زبانی طور پر قبول کر لینے کے باوجود پھر ضلالت اور گمراہی میں مبتلا ہو گئے۔ اس کا اندازہ ان تنبیہہ آمیز خطوط سے ہوتا ہے جو حضرت مسیحؑ کے جانشینوں اور شاگردوں نے مسیحیوں کو لکھے تھے۔ چنانچہ پولوس "رسول" حضرت مسیحؑ کے عقیدتمندوں کو ایک خط میں لکھتا ہے کہ:۔

"یہاں تک سننے میں آیا ہے کہ تم میں حرامکاری ہوتی ہے بلکہ ایسی حرام کاری جو غیر قوموں میں بھی نہیں ہوتی چنانچہ تم میں سے ایک شخص اپنے باپ کی بیوی کو رکھتا ہے اور تم افسوس تو کرتے نہیں تاکہ جس نے یہ کام کیا وہ تم میں سے نکالا جائے بلکہ شیخی مارتے ہو" (۱)

حضرت مسیحؑ کا یہی مناد آگے چل کر اس عہد کے مسیحیوں کو اس طرح متنبہ کرتا اور ان کے اعمال زشت کی نشاندہی کرتا ہے:۔

"تم میں بڑا نقص یہ ہے کہ آپس میں مقدمہ بازی کرتے ہو۔ تم ہی ظلم کرتے اور نقصان پہنچاتے ہو اور وہ بھی بھائیوں کو کیا تم نہیں جانتے کہ بدکار خدا کی بادشاہت کے وارث نہیں ہوں گے۔" (۲)

"میں ڈرتا ہوں کہ (تمہارے پاس) آکر جیسا تمہیں چاہتا ہوں ویسا نہ پاؤں..... کہ تم میں جھگڑا، حسد، غصہ، تفرقے، بدگوئیاں، غیبت، شیخی اور فساد (ہو رہے) ہوں..... اور مجھے بہتوں کے لئے افسوس کرنا پڑے جنہوں نے پیشتر گناہ کئے ہیں اور اس ناپاکی اور حرام کاری اور شہوت پرستی سے جو ان سے سرزد ہوئی توبہ نہیں کی" ○ (۳)

حضرت مسیحؑ کا ایک اور صحابی یعقوب جسے آپؑ نے اپنا نائب مقرر فرمایا تھا تاکہ بنی اسرائیل میں جا کر تبلیغ و اصلاح کا فریضہ سرانجام دے، وہ عقیدتمندان مسیحؑ کو مخاطب کرتے ہوئے لکھتا ہے
(یہ امر پیش نظر رکھئے کہ یعقوب نے یہ خط اس وقت لکھا تھا جب مسیحیوں کے بقول واقعہ ء صلیب کے بعد حضرت مسیحؑ کو آسمان پر اٹھا لیا گیا تھا)

"تم میں لڑائیاں اور جھگڑے کہاں سے آ گئے؟ کیا ان خواہشوں سے نہیں جو تمہارے اعضا میں فساد کرتی ہیں ○ تم خواہش کرتے ہو اور تمہیں ملتا نہیں۔ خون اور حسد کرتے ہو اور کچھ حاصل نہیں کر سکتے ○ تم مانگتے ہو اور پاتے نہیں اس لئے کہ بری نیت سے مانگتے ہو تاکہ اپنی عیش و عشرت میں خرچ کرو ○ اے زنا کرنے والیو! کیا تمہیں معلوم نہیں کہ دنیا سے دوستی رکھنا خدا سے دشمنی کرنا ہے ○ (۴)

"اے دولتمندو ذرا سنو! تم اپنی مصیبتوں پر جو آنے والی ہیں روؤ اور واویلا کرو○ تمہارا مال بگڑ گیا اور تمہاری پوشاکوں کو کیڑا کھا گیا۔ تمہارے سونے چاندی کو زنگ لگ گیا اور وہ زنگ تم پر گواہی دے گا اور آگ کی طرح تمہارا گوشت کھائے گا...... تم نے زمین پر عیش و عشرت کی اور مزے اڑائے تم نے اپنے دلوں کو ذبح کے دن (کے لئے) موٹا تازہ کیا۔"○(۵)

یہودیوں کی اخلاقی حالت؟

حضرت مسیحؑ کے یہ حواری ان لوگوں کی حالت بیان کر رہے ہیں جو آپؑ پر ایمان لا چکے تھے اس کے باوجود پرلے درجے کے بدکار' زناکار' ان کی عورتیں زانیہ' یہ لوگ جھگڑالو' مفسد' ایک دوسرے کی جان کے دشمن اور ان کے مال دار عیش و عشرت کے دلدادہ ہو چکے تھے حتیٰ کہ ان میں ایسے بدبخت بھی تھے جو اپنی سوتیلی ماؤں سے تعلق پیدا کرنے میں شرم محسوس نہیں کرتے تھے۔ خود کلیسا میں جھگڑے ہو رہے تھے اور مسیحؑ کے نام پر ان کے نام نہاد نائب ایک' دوسرے کے خلاف برسرپیکار تھے اور ایک' دوسرے کے مریدوں کو کلیسا سے باہر نکال رہا تھا۔

گویا حضرت مسیحؑ پر ایمان لانے والے خود محتاج اصلاح تھے اور ایک بار پھر یہودیوں کے سے اعمال و افعال کی طرف لوٹ گئے تھے۔ ان کی اخلاقی حالت اتنی خراب اور ناگفتہ بہ ہو گئی تھی کہ پولوس رسول کے بقول وہ روئے زمین پر موجود اقوام میں سب سے بدتر ہو چکے تھے۔ عقل سلیم بجا طور پر سوال کرتی ہے کیا یہ وقت حضرت مسیحؑ کو آسمان پر اٹھا لینے کا تھا؟ یا ان کی قوم کو ان کی پہلے سے بھی زیادہ ضرورت تھی؟

یہ بداعمالیاں تو ان لوگوں کی تھیں جو حضرت مسیحؑ پر ایمان لا چکے تھے مگر وہ لوگ (عام بنی اسرائیل) جن کی طرف آپؑ کو مبعوث کیا گیا ان کی اخلاقی' روحانی اور سماجی حالت تو ناقابل بیان ہے۔ چنانچہ خود حضرت مسیحؑ کے ساتھ ایک واقعہ پیش آیا جسے انجیل کے سب سے معتبر راوی اور حضرت مسیحؑ کے شاگرد خاص یوحنا حواری نے بیان کیا ہے' یوحنا لکھتے ہیں کہ:۔

"اور فقیہ اور فریسی ایک عورت کو لائے جو زنا میں پکڑی گئی تھی اور اسے بیچ میں کھڑا کر کے یسوع سے کہا۔○ اے استاد یہ عورت زنا میں عین فعل کے وقت پکڑی گئی ہے تورات میں موسیٰؑ نے ہم کو حکم دیا ہے کہ ایسی عورت کو سنگسار کریں۔ پس تو اس عورت کی نسبت کیا کہتا ہے؟ انہوں نے اسے آزمانے کے لئے یہ کہا تا اس پر الزام لگانے کا کوئی سبب نکالیں مگر یسوع جھک کر انگلی سے

زمین پر لکھنے لگا○ جب وہ اس سے سوال کرتے ہی رہے تو اس نے سیدھے ہو کر ان سے کہا کہ جو تم میں بے گناہ ہو وہی پہلے اس کے پتھر مارے○ اور پھر جھک کر زمین پر انگلی سے لکھنے لگا○ وہ یہ سن کر بڑوں سے چھوٹوں تک ایک ایک کر کے نکل گئے اور یسوع اکیلا رہ گیا اور عورت وہیں بیچ میں رہ گئی"○(۵۔الف)

اس واقعہ سے ثابت ہوتا ہے کہ عام بنی اسرائیل تو کیا ان کے فقیہ اور فریسی بھی زانی اور بدکار تھے چنانچہ جب حضرت مسیحؑ نے ان فقیہوں اور فریسیوں سے جن کے ساتھ لوگوں کی ایک بھیڑ تھی فرمایا کہ تم میں سے وہ شخص سب سے پہلے اسے پتھر مارے جس نے (یہ) گناہ نہ کیا ہو تو ایک ایک کر کے سب چلے گئے اور کسی نے اس زانیہ کو پتھر مارنے کی جرأت نہیں کی۔ گویا معدودے چند اچھے لوگوں کے سوائے پوری اسرائیلی قوم زانی' بدکار اور بدعمل ہو چکی تھی۔

یہ حال تو اس وقت کا تھا جب حضرت مسیحؑ ان فلسطینی اسرائیلیوں کے درمیان موجود تھے۔ جب آپؑ فلسطین سے ہجرت کر گئے تو اس وقت بھی ان کی اخلاقی حالت نہایت شرمناک تھی۔ چنانچہ حضرت مسیحؑ کا ایک صحابی ان کی حالت کا نقشہ کھینچتے ہوئے لکھتا ہے کہ:۔

"پس وہ ہر طرح کی ناراستی' بدی' لالچ اور بدخواہی سے بھر گئے اور حسد' خونریزی' مکاری اور بغض سے معمور ہو گئے اور غیبت کرنے والے○ بدگو' خدا کی نظر میں نفرتی اوروں کو بے عزت کرنے والے' مغرور شیخی باز' بدیوں کے بانی' ماں باپ کے نافرمان○ بیوقوف' عہد شکن' طبعی محبت سے خالی اور بیرحم ہو گئے○ حالانکہ وہ خدا کا یہ حکم جانتے ہیں کہ ایسے کام کرنے والے موت کی سزا کے لائق ہیں۔ پھر بھی نہ فقط آپ ہی ایسے کام کرتے ہیں بلکہ اور کرنے والوں سے بھی خوش ہوتے ہیں○"(۶)

غور فرمایئے کیا کوئی ایسی اخلاقی برائی' کوئی ایسا سماجی جرم' کوئی ایسی روحانی پستی باقی رہ گئی جو اس عہد کے بنی اسرائیل میں نہ پائی جاتی ہو جن کی اصلاح کے لئے حضرت مسیحؑ کو مبعوث کیا گیا تھا؟ مگر ہاں ذرا ٹھہریئے دو شرمناک برائیوں کا تذکرہ رہ گیا کہ حضرت مسیحؑ کا مناد پولوس رسول جن کی نشاندہی کرتا ہے۔

پولوس رومیوں کے نام اپنے خط میں لکھتا ہے کہ:۔

"اس واسطے خدا نے (بھی) ان کے دلوں کی خواہشوں کے مطابق انہیں ناپاکی میں چھوڑ دیا کہ ان کے بدن آپس میں بے حرمت کئے جائیں○ اس لئے کہ انہوں نے خدا کی سچائی کو بدل کر

جھوٹ بناڈالا اور مخلوقات کی زیادہ پرستش اور عبادت کی بہ نسبت خالق کے......○"

"اسی سبب سے خدا نے ان کو گندی شہوتوں میں چھوڑ دیا۔ یہاں تک کہ ان کی عورتوں نے اپنے طبعی کام کو خلاف طبع کام سے بدل ڈالا۔○ اسی طرح مرد بھی عورتوں سے طبعی کام چھوڑ کر آپس کی شہوت میں مست ہو گئے یعنی مردوں نے مردوں کے ساتھ روسیاہی کے کام کر کے اپنے آپ میں گمراہی کے لائق بدلہ پایا○" (۷)

پولوس رسول کے بیان کی رو سے یہ بدبخت قوم اخلاقی لحاظ سے اتنی پست ہو چکی تھی کہ سابقہ اقوام میں اس کی نظیر نہیں ملتی یعنی اور برائیوں کے علاوہ یہ برائی؟ کہ اسرائیلی عورتیں ہم بستری کا فطری طریقہ اختیار کرنے کی بجائے غیر فطری طریقہ اختیار کرتی تھیں اور نہ ان کے مردان کے پاس اس غیر فطری طریقے سے جانے میں شرم محسوس کرتے تھے اور نہ ان عورتوں کو شرم آتی تھی۔ کیا کوئی قوم اس حد تک گناہ کی پستی میں گری ہے؟

کیا قوم کو اس حالت میں چھوڑ کر حضرت مسیحؑ کا آسمان پر چلے جانا قرین عقل ہے؟ ہاں اگر وہ طبعی موت سے فوت ہو جاتے یا انہیں قتل کر دیا جاتا تو یہ ایک اتفاقی حادثہ ہوتا جسے قانون قدرت کے مطابق ایک دردناک واقعہ تو قرار دیا جاتا مگر اس میں اللہ تعالیٰ کے ارادے کو دخل نہ ہوتا مگر انہیں آسمان پر اٹھالینا تو خداوند تعالیٰ کا اپنا فعل ہے اور خداوند تعالیٰ کا کوئی فعل بے موقع نہیں ہوتا

مسیحؑ اسرائیلی نبی تھے

واقعات اور اس عہد کی تاریخ شہادت دیتی ہے کہ حضرت مسیحؑ کی تبلیغ کا دائرہ فلسطین اور اس کے گردو نواح تک محدود رہا اور انہی شہروں اور قصبات کے اسرائیلیوں کو آپؑ تبلیغ فرماتے رہے مثلاً یروشلم، بیت لحم، ناصرہ، کفر نحوم، خرازین، بیت صدا، کنیسرت، صور، صیدا، یریحو اور بیت عینیاہ۔ جن لوگوں نے ان علاقوں کا جغرافیہ دیکھا ہے وہ جانتے ہیں کہ یہ سارے شہر اور دیہات فلسطین میں واقع ہیں اور حضرت مسیحؑ نے انہی شہروں اور قصبات تک اپنی تبلیغ کا دائرہ اس وقت تک محدود رکھا جب تک کہ واقعہ صلیب پیش نہیں آگیا حالانکہ حضرت مسیحؑ تمام بنی اسرائیل میں تبلیغ کرنے کے لئے بھیجے گئے تھے جیسا کہ وہ خود بھی فرماتے ہیں:۔

"میں اسرائیل کے گھرانے کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے سوا اور کسی کے پاس نہیں بھیجا گیا" (۸)

اور آخر میں قرآن حکیم نے انجیل مقدس اور حضرت مسیحؑ کے اس ارشاد کی تصدیق کر دی

ہندوستان کا صوبہ بھی شامل تھا) اسرائیلی قوم آباد تھی۔ بادشاہ "اخسویرس" نے اپنے وزیر سلطنت ہامان بن اجاجی کے ورغلانے پر جو بنو اسرائیل کا جانی دشمن تھا ایک حکم جاری کر دیا کہ ان سارے اسرائیلیوں کو قتل کر دیا جائے جو اس کی مملکت میں آباد ہیں، لیکن اس کی ملکہ "استھر" نے جو اسرائیلی تھی اور بادشاہ کو بہت محبوب تھی اپنی قوم کو اس قتل عام سے بچالیا اور بادشاہ سے کہہ کر ہندوستان سے لے کر ایتھوپیا تک ہر صوبے میں آباد ان تمام اسرائیلیوں کی حفاظت کے فرامین جاری کروائے۔ (جن میں ہندوستان میں آباد اسرائیلی بھی شامل تھے) (۸۔ ج)

سوال یہ ہے کہ بادشاہ "اخسویرس" اور اس کی اسرائیلی ملکہ "استھر" کے عہد حکومت میں ہندوستان کے وہ کون سے علاقے تھے جن میں بنی اسرائیل آباد تھے؟ تاریخی شواہد سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ وہی قبائل ہیں جو خود کو افغان اور پٹھان کہتے ہیں اور ان میں کچھ وہ ہیں جو کشمیر میں آباد ہیں۔ خود پٹھان مورخ اور ان کے بڑے بڑے دانشور بھی دعویٰ کرتے ہیں کہ پٹھان بنی اسرائیل کی اولاد ہیں۔

پٹھانوں کا دعویٰ کہ وہ اسرائیلی ہیں

زمانہ حال کے ایک پٹھان محقق اور فاضل مورخ خان روشن خان (مرحوم) اپنی معرکۃ الآرا تالیف میں یہی دعویٰ کرتے ہیں۔ موصوف لکھتے ہیں کہ:۔

"اکثر محققین اور اہل علم کہتے ہیں کہ پختون جن میں یوسف زئی کے آباؤ اجداد بھی شامل ہیں، شام کے علاقہ "موآب" میں آباد تھے۔ بعد میں یہ علاقہ ان کی سکونت کی وجہ سے "بنی پخت موآب" کے نام سے مشہور ہوا۔ آشوریوں اور بابلیوں (کلدانیوں) کے ہاتھوں (ان کے) جتھے در جتھے یکے بعد دیگرے وہاں سے جلاوطن ہو کر مشرق میں آباد ہو گئے تھے۔ جلاوطنی کا یہ سلسلہ ۷۷۱ قبل مسیح میں شروع ہوا اور قریباً ۱۸۰ سال جاری رہنے کے بعد (بادشاہ) بخت نصر کے ہاتھوں بیت المقدس کی تباہی پر ختم ہوا" (۹)

یہی مورخ آگے چل کر لکھتا ہے:۔

"حضرت عمرؓ کی خلافت کے دوران ابو موسیٰؓ نے جب فارس فتح کیا اور کرمان کے آخر میں "کوہ قفص" پہنچے تو وہاں اس وقت "خشی پختون" قبائل آباد تھے جنہوں نے (اسلامی لشکر) کی اچھی طرح آؤ بھگت اور مالی امداد کی۔ اسلامی لشکر کے پاس راشن کی کمی تھی انہوں نے اونٹ اور بکریاں ذبح کے لئے پیش کیں۔" (۱۰)

غور طلب امر یہ ہے کہ ایران میں پختون کہاں سے پہنچ گئے جبکہ یہ ان کا وطن نہ تھا۔ ظاہر ہے یہ بنی اسرائیل کے انہی گم شدہ قبائل میں سے تھے جنہیں آشوریوں اور کلدانیوں نے فلسطین اور اس کے گردونواح سے شکست دے کر ترک وطن پر مجبور کردیا تھا اور یہ خشی پختون کہلاتے تھے۔

عجیب بات ہے کہ تاریخ میں یہ مسئلہ اس سے قبل مغل شہنشاہ نور الدین جہانگیر کے عہد حکومت میں بھی زیر بحث آیا تھا جب مملکت ایران کے سفیر نے جہانگیر کے سامنے یہ فقرہ چست کیا تھا کہ ایک مستند کتاب کی رو سے "افغان دراصل دیوزاد ہیں" یعنی کسی دیو کی اولاد ہیں۔ مغل عہد کا نامور افغان سردار خان جہاں لودھی بھی اس وقت دربار میں موجود تھا۔ اسے یہ فقرہ سخت ناگوار گزرا۔ افغان اپنی غیرت کے لئے مشہور ہیں چنانچہ اس نے جہانگیر کے دل و دماغ پر سے اس احمقانہ خیال کے اثرات زائل کرنے کے لئے افغان سرداروں اور دانشوروں کی ایک جماعت افغانستان بھیجی۔ اس جماعت میں اس دور کے جو ممتاز لوگ شامل تھے ان میں عمر خاں کاکڑ، سرمست خاں ابدالی، ظریف خاں یوسف زئی اور سردار قطب خاں کے اسمائے گرامی خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔ افغان اہل علم کی اس جماعت نے افغانستان کے مختلف شہروں (مثلاً کابل، غزنی، قندھار اور غور کا دورہ کیا) اور ان شہروں کے اکابر اور نسب دانوں کے پاس جا کر افغانوں کے Origin (اصل) کے بارے میں تحقیق کی۔ واپس آکر اس جماعت نے جو رپورٹ پیش کی اس کا حاصل یہ تھا کہ "افغان بنی اسرائیل ہیں"۔ (۱۰۔ الف)

یہاں بجا طور پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر افغان یا پٹھان بنی اسرائیل نہیں ہیں تو افغانستان کے اکابر، اہل علم اور نسب دانوں کو اپنا شجرۂ نسب ان سے ملانے کی کیا ضرورت تھی۔ افغانستان کے بڑے بڑے شہروں میں موجود اس وقت کے سن رسیدہ لوگوں سے لے کر تاریخ دانوں تک سب نے بیک زبان خود کو بنی اسرائیل کیوں قرار دیا؟ اس کا صاف مطلب یہی ہے کہ افغانستان کے یہ پختون جن میں پشتو اور فارسی بولنے والے دونوں طبقے شامل تھے اپنا Origin (اصل) بنی اسرائیل کو سمجھتے تھے۔ یہ کوئی سازش یا منصوبہ بندی نہیں تھی، نہ اس دور میں اس قسم کی ہوا چلی تھی، نہ خود کو بنی اسرائیل قرار دینے میں مغل دربار سے کوئی فائدہ اٹھانا مقصود تھا نہ اٹھایا جا سکتا تھا کیونکہ مغل تو بنی اسرائیلی ہونے کے مدعی نہیں تھے۔

بنی اسرائیل کے ناموں سے مشارکت

پس اس سے ثابت ہوتا ہے کہ افغان اور پٹھان بنی اسرائیل ہیں اور ان کے اسلاف صدیوں

سے یہ دعویٰ کرتے چلے آرہے ہیں۔ اپنی سینہ بہ سینہ روایات اور اپنے خاندانی شجروں کی بنا پر ان کا یہ دعویٰ سو فی صد درست ہے۔ ان کے شہروں، پہاڑوں، قبائل اور افراد کے نام بھی ثابت کرتے ہیں کہ بلاشبہ وہ اسرائیلی النسل ہیں مثلاً "جدعون" بنی اسرائیل کے بہت بڑے جرنیل گزرے ہیں۔ بائبل میں بھی یہ نام موجود ہے۔ پٹھانوں کا مشہور قبیلہ "جدون" انہی "جدعون" سے منسوب ہے۔ "برکیاہ" بنی اسرائیل کے مشہور نبی تھے۔ پٹھانوں کا مشہور قبیلہ "برہ کئے" انہی "برکیاہ" سے منسوب ہے۔ حضرت سلیمانؑ بنی اسرائیل کے جلیل القدر نبی تھے۔ پٹھانوں کا مشہور قبیلہ "سلیمان خیل" انہی حضرت سلیمانؑ سے منسوب ہے۔ پختونوں کے علاقے کا مشہور پہاڑ "کوہ سلیمان" بھی بنی اسرائیل کے نبی حضرت سلیمانؑ ہی سے منسوب ہے۔ افغانستان کا دارالسلطنت "کابل" بائبل کے "کبول" کی پشتو صورت ہے۔ (حوالے کے لئے یشوع ۱۹٫۲۷) صوبہ سرحد کا قصبہ "بٹل" بائبل کا "ببت ال" ہے (پیدائش ۱۲٫۸) افغانستان اور اس کے مضافات (پاکستان) کے شہروں میں "کیدون" بائبل کا "قدرون" ہے۔ (یوحنا ۱۸٫۱) یہ وہی "قدرون" ہے جس کے باغ سے یہودیوں کے مذہبی پیشوا "کا غا" نے حضرت مسیحؑ کو گرفتار کروایا تھا۔ ضلع مردان کا سدوم بلعینہ بائبل کا "سدوم" ہے (استثنا ۲۹٫۲۳)

ہزارہ کا "حیل" بائبل کے "حی ایل" کی یادگار ہے (سلاطین ۱۶٫۳۴) ہزارہ کا شہر "[illegible]" بائبل کا "حویلہ" سے منسوب ہے (پیدائش ۲۵٫۱۸) صوبہ سرحد کا "خیبر" مدینہ منورہ کی اسرائیلی وادی "خیبر" کی یادگار ہے۔ ایک مورخ نے "خیبر" کو بائبل کے "کبار" سے منسوب کیا ہے (حزقی ایل ۱٫۱) کشمیر اور لداخ کی طرف آیئے تو درجنوں مقامات اور قبائل کے وہی نام ہیں جو بنی اسرائیل کے قبائل اور شہروں کے نام تھے اور جن کا ذکر بائبل میں موجود ہے۔ مثلاً کشمیر کا "کیرن" بائبل کے "کران" کی یادگار ہے (تواریخ ۱٫۴۱) کشمیر ہی کا — "کال کول" بائبل کے "کلکول" کی صورت ہے (تواریخ ۲٫۶) کشمیر ہی کا "عبری" بائبل کے "عبری" کی بلعینہ یادگار ہے (تواریخ ۲۴٫۲۷) کشمیر ہی کا "بوہن" بائبل کے "بوہن" کی بلعینہ صورت ہے (یشوع ۱۵٫۶) کشمیر ہی کا "لاوی" اور "لاویہ" بائبل کے "لاوی" کی اصل صورت ہے (تواریخ ۲٫۱) گلگت کا مقام "گلگتا" انجیل کا "گلگتا" ہے جہاں حضرت مسیحؑ کو صلیب پر چڑھایا گیا تھا (متی ۲۷٫۳۳)

یہ کچھ نام ہیں جو افغانستان سے لے کر کشمیر اور لداخ تک آباد قبائل اور مقامات کے انہی ناموں سے نہ صرف ملتے جلتے ہیں بلکہ بہت سے بلعینہ وہی ہیں جو بائبل میں درج ہیں اور جو بنی

اسرائیل کے افراد، قبائل اور مقامات کے نام تھے۔ یہ فہرست بہت طویل ہے اور ہمارے پاس کم از کم ۳۴۶ ایسے نام ہیں جو بنی اسرائیل کے افراد، مقامات اور قبائل کے نام ہیں اور بائبل میں درج ہیں۔

ان سب ناموں سے منسوب قبائل اور شہر افغانستان سے لداخ اور کشمیر تک آباد ہیں۔ سوچنے کا مقام ہے کہ اس کی کیا وجہ ہے اور ان علاقوں میں موجود قبائل اور شہروں کے نام بنی اسرائیل کے نام پر کیوں ہیں؟ اگر ان قبائل اور ان مقامات کا بنی اسرائیل سے کوئی تعلق نہیں تو انہوں نے یہ نام کیوں اختیار کیئے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ بنی اسرائیل کے قبائل "وقتاً فوقتاً" اپنے وطن سے آکر افغانستان سے لے کر صوبہ سرحد، کشمیر اور لداخ تک آباد ہوتے رہے اور جن مقامات، جن قبائل اور جن بزرگ شخصیات سے ان کو نسبت تھی انہی سے ان نئے مقامات کو انہوں نے منسوب کیا حتی کہ ان کے قبائل کے نام بھی وہی برقرار رہے جو ان کے جد اعلیٰ حضرت یعقوبؑ اور آپؑ کی اولاد کے نام تھے۔

جیسا کہ ہم نے اس موضوع کا آغاز کرتے ہوئے عرض کیا تھا کہ کسی قوم یا نسل کے Origin (اصل) کے بارے میں وہ رائے اور نظریہ سب سے زیادہ مستند اور قابل قبول ہو گا جو خود اس نسل کے اکابر اور افراد میں مشہور و معلوم اور متعارف ہو چکا ہو گا چنانچہ جب ہم مسئلہ زیر بحث پر اس پہلو سے مزید تحقیق و فکر کرتے ہیں تو بعض بہت ہی مقتدر شخصیات کے بیانات سامنے آتے ہیں جنہیں نظرانداز کیا ہی نہیں جا سکتا۔

ضروری وضاحت: یہاں اس امر کی وضاحت ضروری ہے کہ افغانستان سے لے کر صوبہ سرحد، کشمیر اور لداخ تک جتنی اقوام آباد ہیں وہ سب بنی اسرائیل نہیں۔ اس وسیع علاقے میں آریہ، ہن، منگول، بنی اسرائیل، یونانی اور عرب اقوام مختلف اوقات میں آباد ہوتی رہیں اور آج تک ان میں سے بعض کی نسلیں آباد ہیں ان سب کو بنی اسرائیل قرار دینا تاریخ سے عدم واقفیت اور نادانی ہے۔ ہمارا نظریہ اور تاریخی حقیقت صرف اتنی ہے کہ ان میں سے افغان یا پٹھان خالصتہ "بنی اسرائیل ہیں۔ ان کے علاوہ کشمیر اور لداخ میں بھی ان کے قبائل آباد ہوئے بلکہ اس سے بھی اوپر جانب شمال اور شمال مشرق میں بھی بنی اسرائیل نے توطن اختیار کیا۔ ان کے خدوخال، رنگ روپ، عادات و خصائل، ان کے شہروں اور قبائل کے نام ثابت کرتے ہیں کہ یہ بنی اسرائیل اور اللہ تعالیٰ کے جلیل القدر پیغمبر حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد ہیں۔ (مولف)

چنانچہ ایک پٹھان مورخ مولانا حکیم نجم الغنی خاں (مرحوم) اپنی شہرہ آفاق کتاب "اخبار الصنادید" میں لکھتے ہیں کہ:-

"افغانوں میں یہ متفق علیہ تاریخی امر ہے کہ ان کا مورث اعلیٰ "قیس" بنی اسرائیل میں سے تھا۔ یہ بات یہودیوں، عیسائیوں اور مسلمانوں تینوں فرقوں نے بالاتفاق تسلیم کی ہے کہ حضرت عیسیٰؑ سے قریباً سات سو برس پہلے اشوریوں اور بخت نصر بابلی نے بنی اسرائیل کو گرفتار کر کے نینوا اور بابل میں پہنچا دیا تھا اور اس حادثے کے بعد بنی اسرائیل کے بارہ قبائل میں سے صرف دو قبیلے "یہودا" اور "بن یامین" اپنے ملک میں واپس آئے اور دس قبائل ان کے کلم مشرق میں رہے (۱۱)

کشمیر میں بنو اسرائیل

یہ افغان مورخ صرف تاریخی واقعات بیان کرنے پر اکتفا نہیں کرتا بلکہ ازروئے عقل بھی استدلال کرتا ہے کہ افغان یا پٹھان بنی اسرائیل کی نسل سے ہیں اور اس پر اصرار کرتا ہے۔ چنانچہ آگے چل کر لکھتا ہے کہ:-

"پھر جب ہم اس قصے کو چھوڑ کر افغانوں کے سوانح پر نظر کرتے ہیں کہ وہ اپنے باپ دادا سے قدیم سے یہ سنتے آئے ہیں کہ دراصل وہ اسرائیلی ہیں تو اس امر میں کچھ شک و شبہ نہیں رہتا کہ یہ لوگ انہی جلاوطن دس قبائل میں سے ہیں جو مشرق میں (ان) کی ناپید نشانی بتلائے جاتے ہیں اور انہی اسرائیلیوں میں سے کشمیری بھی ہیں جو اپنی شکل اور پیرایے میں افغانوں سے بہت کچھ ملتے ہیں" (۱۲)

گویا یہ فاضل پٹھان مورخ صرف افغانوں، پٹھانوں یا پختونوں ہی کو بنی اسرائیل کی نسل سے ثابت نہیں کرتا بلکہ اس کا دعویٰ ہے کہ کشمیری بھی بنی اسرائیل کے انہی دس قبائل کی اولاد ہیں جو فلسطین سے جلاوطنی پر مجبور ہو گئے اور کشمیر میں جا آباد ہوئے۔

اس فاضل مورخ کے بیان کی مزید تائید ایک اور پٹھان بلکہ پختون مورخ کی تحقیق سے ہوتی ہے جو نہ صرف پختونوں کی تاریخ کا عالم تھا بلکہ ان کے جغرافیہ پر بھی گہری نظر رکھتا تھا۔ یہ فاضل مورخ لکھتا ہے کہ:-

"ایک اسرائیلی پیغمبر باجوڑ (افغانستان) کے جنوب میں "رنگ برنگ" کے مقام پر دفن ہیں جو غازی پیغمبر کے نام سے مشہور ہیں۔ اسی طرح دو اسرائیلی پیغمبروں کی قبریں علاقہ بونیر میں ہیں، ایک

"باج کٹہ" میں اور دوسری "لیگانڑی" کے مقام پر ہیں۔ "توما" رسول جو حضرت عیسیٰؑ کا حواری تھا خراسان (یعنی موجودہ افغانستان اور اس کے مضافات) میں ایک مدت تک تبلیغ کرتا رہا بعد میں مدراس چلا گیا اور وہاں شہید ہو کر میلہ پور (مدراس) میں دفن ہوا جس کی آخری آرام گاہ وہاں موجود ہے اور اس پر بڑا گرجا بنا ہوا ہے۔ کہتے ہیں کہ بعض حواری کشمیر میں بھی جلاوطن اسرائیلیوں کے پاس پہنچے تھے۔ کشمیر شہر سری نگر علاقہ خانیار میں حضرت یوز آصف نبی کا مزار ہے۔ کشمیر کے تمام مسلمان بالاتفاق کہتے ہیں کہ یہ بنی اسرائیلی نبی ہیں اور شام کے "شہزادہ نبی" کے نام سے یاد کئے جاتے ہیں۔" (۱۲۔ الف)

گویا عہد جدید کے پختون مورخ جدید تحقیق کی روشنی میں اب اس نتیجے پر پہنچ گئے ہیں کہ گذشتہ مورخین اور محققین نے جن گم شدہ اسرائیلی قبائل کو افغانستان، صوبہ سرحد اور کشمیر میں تلاش کر لیا تھا ان کی رائے درست تھی کیونکہ باجوڑ، بنیر اور کشمیر میں اسرائیلی پیغمبروں کی آمد، ان کا وہاں قیام اور انہی علاقوں میں وفات پا جانا اس امر کا واضح اور بین ثبوت ہے کہ ان علاقوں میں بنی اسرائیل کے وہ گم شدہ قبائل آباد تھے جن کی تلاش میں اور جنہیں تبلیغ کرنے کی غرض سے حضرت مسیحؑ واقعہء صلیب کے بعد روانہ ہوئے تھے اور آپؑ کے حواری بھی انہی کی تلاش میں ان علاقوں کی طرف آئے تھے۔

ایک اور فاضل پٹھان مورخ جس کی تحریر کا قبل ازیں حوالہ دیا جا چکا ہے پٹھانوں اور کشمیر میں آباد بعض قبائل کے اسرائیلی ہونے کا ثبوت دیتے ہوئے ایک نہایت وزنی دلیل پیش کرتا ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ:۔

"(جب) ایک قوم (افغان) پشت بہ پشت اپنے خاندان اور نسب کی نسبت کو تسلیم کرتی چلی آئی ہو (تو) یہ بالکل نامناسب بات ہے کہ ہم چند بیہودہ قصوں کو ہاتھ میں لے کر ان کے مسلمات کو رد کر دیں۔ اگر ایسا کیا جائے تو میں سمجھتا ہوں کہ کوئی قوم بھی اپنی صحت قومیت کو ثابت نہیں کر سکتی پھر جبکہ افغاناں اپنے تئیں اسرائیلی ظاہر کرتے ہیں تو سخت بیوقوفی ہو گی کہ خواہ مخواہ ان کے مسلمات قدیمہ سے انکار کیا جائے۔" (۱۳)

ان دو فاضل پختون مورخوں کے علاوہ جن کا تعلق زمانہ حال سے ہے زمانہ قدیم کے درجنوں پختون مورخ تاریخی شواہد کی رو سے دعویٰ کرتے چلے آرہے ہیں کہ پختون، پٹھان یا افغان بنی اسرائیل کی اولاد ہیں چنانچہ ایک ممتاز روحانی بزرگ شیخ عبدالواحد افغان اپنی کتاب "سبع سنابل"

میں اپنا شجرۂ طریقت بیان کرتے ہوئے خود کو بنی اسرائیلی قرار دیتے ہیں۔ یہ امر پیش نظر رہے کہ اس کتاب کا سال تصنیف ۹۶۹ھ ہے یعنی آج سے قریباً ساڑھے چار سو سال قبل کے یہ پٹھان بزرگ جن کا تعلق ہندوستان کے شہر بلگرام سے تھا دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ بنی اسرائیل سے تعلق رکھتے ہیں انہوں نے اپنا جو شجرۂ نسب درج کیا ہے وہ یہ ہے:۔

عبدالواحد بن ابراہیم افغان بلگرامی از مخدوم شیخ حسین (افغان بنی) اسرائیلی از شیخ عبدالصمد المعروف بہ شیخ صفی (۱۴)

ایک اور بہت نامور روحانی شخصیت حضرت میاں محمد عمرؒ کی ہے جو علاقہ چمکنی مضافات پشاور کے باشندے تھے اور صاحب کشت و کرامت بزرگ تھے۔ ۱۱۵۸ھ میں آپ نے ایک کتاب "المعالی شرح امالی" تالیف کی اس کے دیباچے میں حضرت میاں محمد عمر چمکنیؒ اپنے خاندانی حالات بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:۔

"پس یہ فقیر محمد عمر ابن محمد ابراہیم، محمدی مشرب ہے اور جہت نسب سے مشہور افغان سے ہے اور واقعات اور حقیقت میں افغان ہونے کے علاوہ اپنی طرف سے کسی دوسرے قسم کی نسبت کا دعویٰ نہیں کرتا چونکہ اپنے نسب سے انکار کرنے پر وعید یعنی سزا کا حکم وارد ہے اس وجہ سے جو بات کہ نفس الامر میں سچی ہے لکھی جاتی ہے۔ میرے والد ماجد جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا ان کا نام ابراہیم، نسب افغان ہے۔ افغان مذکور ملک طالوت کی اولاد ہیں اور ملک طالوت بنی اسرائیل میں سے تھے۔" (۱۵)

یہ غور کرنے کا مقام ہے کہ ایک مرد خدا رسیدہ جو جانتا بھی ہے اور اپنے قارئین کو بتاتا بھی ہے کہ اپنے شجرۂ نسب میں تغیر و تبدل کرنا گناہ ہے جس کی اللہ تعالیٰ نے سزا مقرر فرمائی ہے آخر ایک غلط بات کیسے بیان کرے گا اور اپنی قوم کو ایک غیر قوم سے کس طرح منسلک کرے گا۔ یہ مرد باخدا دعویٰ کرتا ہے اور اعلان کرتا ہے کہ وہ افغان ہے پھر صراحت کرتا ہے کہ اس کا تعلق ملک طالوت سے ہے اور ملک طالوت اسرائیلی تھے۔ اس طرح وہ خود کو بنی اسرائیل کی اولاد بتا کر ثابت کرتا ہے کہ افغان بنی اسرائیل کی اولاد ہیں۔

زمانہ حال کے ایک پختون محقق خان روشن خاں نے اپنی فاضلانہ کتاب "تذکرہ" میں پٹھانوں کی اصل پر تحقیق کرنے کے بعد اپنی محققانہ رائے ان الفاظ میں بیان کی ہے کہ:۔

"میں خود بھی انتہائی تحقیق و جستجو کے بعد اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ بلاشک و شبہ پختون، پشتون،

روہیلہ، سلیمانی، پٹھان اور افغان سب ایک ہی قوم کے مختلف نام ہیں۔ یہ ان گم شدہ اسرائیلیوں کی اولاد ہیں جنہیں اشوریوں اور بابل والوں نے باری باری شام کے علاقوں سے مشرق کی طرف جلا وطن کیا۔ ان کا ذکر کتاب مقدس (بائبل) اور دیگر کئی مشہور تاریخی کتابوں میں آتا ہے (۱۵۔الف)

آگے چل کر خان موصوف ایک ممتاز مورخ احسان اللہ عباسی کی کتاب کا ایک حوالہ درج کرتے ہیں کہ "یہاں (صوبہ سرحد و افغانستان) کے لوگ اپنے آپ کو بنی اسرائیل کہتے ہیں اور کوئی وجہ نہیں کہ ان کے قول کو ترجیح نہ دی جائے۔ یہود مدینہ ان افغانوں سے برابر خط و کتابت رکھتے تھے اور جب وہ لوگ مدینہ میں مسلمان ہوئے تو اپنا ایک شخص یہاں بھی (یعنی افغانستان کے علاقے میں) دعوت اسلام کے لئے بھیجا۔" (۱۵۔ب)

ہم نے اس بحث کو صرف افغان مورخوں تک محدود رکھا ہے کیونکہ کسی شخص یا اشخاص کا وہ دعویٰ زیادہ قابل قبول، معقول اور مستند ہو گا جو وہ خود اپنے نسب کے بارے میں پیش کریں گے۔ پٹھان یا افغان مورخوں میں سے بھی ہم نے صرف چند ناموں پر اکتفا کیا ہے تاکہ مضمون طویل نہ ہو جائے ورنہ افغان مورخوں کی ایک لمبی فہرست ہے جو پٹھانوں کو بنی اسرائیل کی اولاد قرار دیتے ہیں ان میں شیخ سعد اللہ شرہ بنی، حضرت اخوان سالاک، حضرت اخوند درویزہ، نعمت اللہ ہروی (صاحب "مخزن افغانی") عبداللہ خوشتیکی، اخون محمد خاں محمد زئی، حافظ رحمت خاں روہیلہ، افضل خاں خٹک، زرداد خاں ناغر (صاحب "صولت افغانی") قاضی عطاءاللہ جان، اللہ بخش یوسفی اور شہرہ آفاق کتاب ("تاریخ خورشید جہاں") کے فاضل مصنف شیر محمد خاں گنڈاپور کے اسمائے گرامی خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔ ان کی کتابیں لائبریریوں میں بآسانی دستیاب ہیں۔

ان کے علاوہ غیر پٹھان اور یورپی مورخین و محققین نے بھی اپنی کتابوں میں یہی نظریہ پیش کیا ہے کہ افغان بلکہ بہت سے کشمیری بھی بنی اسرائیل کے انہی قبائل کی اولاد ہیں جو ترک وطن کر کے افغانستان اور اس سے ملحقہ علاقوں میں آباد ہو گئے تھے۔ چنانچہ "مراۃ العالم" کا مولف بختاور خاں "تاریخ کشمیر" (فارسی) کا مولف ملا قادری "وقائع کشمیر" (فارسی) کا مولف ملا احمد "حشمت کشمیر" (فارسی) کا مولف عبدالقادر بن واصل خاں، قاضی القضاۃ، ان سب کی تحقیق کے مطابق افغان اور بعض کشمیری قبائل بنی اسرائیل کی اولاد ہیں۔ یورپی مورخوں میں جارج مور، سرولیم جیمز، سرجان میلکم، جی۔ٹی ویگن، ایل پی فریئر، چیمبرلین اور راورٹی نے بھی یہی نظریہ پیش کیا ہے کہ بنی اسرائیل کے دس قبائل اپنے جدی وطن (فلسطین) سے نقل مکانی کر کے افغانستان اور اس

کے مضافات میں آباد ہو گئے تھے۔ جارج مور کی کتاب "دی لوسٹ ٹرائبز" میں اس موضوع پر نہایت فاضلانہ بحث کی گئی ہے۔ یہاں ہم صرف دو مغربی مورخوں کی آراء درج کرنے پر اکتفا کرتے ہیں۔

"اے پرسنل نیریٹو آف اے وزٹ ٹو غزنی" کے فاضل مصنف اور نامور محقق مسٹر جی ٹی ویگن نے ایک نہایت مستند کتاب "مجمع الانساب" کے حوالے سے حضرت یعقوبؑ سے لے کر بنی اسرائیلی سردار "افغان" تک ایک شجرہ مرتب کیا ہے جس کی رو سے:۔

"یعقوب" سے "یہودا"، یہودا سے "اسرک"، اسرک سے "اکنور"، اکنور سے "معالب"، معالب سے "فرلائی"، فرلائی سے "قیس"، قیس سے "طالوت"، طالوت سے "ارمیاہ" اور ارمیاہ سے "افغان" پیدا ہوا۔ "افغان" کا سب سے بڑا بیٹا "سلم" تھا جو شام سے ترک وطن کر کے ہرات کے مضافاتی مقام "غور مشکوہ" میں آباد ہو گیا۔ اس سے افغانستان میں بنی اسرائیل کی نسل پھیلی۔" (۱۶)

خوشحال خاں خٹک کا دعویٰ

ان ناموں پر ایک سرسری نظر ڈالنے سے بھی اندازہ ہو جاتا ہے کہ یعقوب، یہودا، اسرک، اکنور، قیس، طالوت، ارمیاہ یہ سب عبرانی زبان کے الفاظ اور اسرائیلی نام ہیں جن سے ثابت ہو جاتا ہے کہ یہ افغانوں یا پٹھانوں کا تعلق حضرت یعقوبؑ سے ہے جنہیں اللہ تعالیٰ نے "اسرائیل" کا

میں خیال کیا جاتا ہے کہ یہ بنی اسرائیل کے گم شدہ قبائل سے ہے۔ "افغان" سلطنت اسرائیل کے (پہلے) بادشاہ ملک طالوت (ساؤل) کا پوتا تھا جو "افغانہ" کے نام سے موسوم ہوتا ہے اور اسی "افغانہ" سے منسوب ہونے کی وجہ سے یہ لوگ خود کو افغان کہتے ہیں۔" (۱۸۔ب)

گویا مسٹر راورٹی کی تحقیق کے مطابق افغان لوگ "افغانہ" کی اولاد ہیں جو حضرت طالوت کا پوتا تھا یہ وہی طالوت ہیں جنہیں قرآن کریم کے بقول اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کا پہلا بادشاہ مقرر فرمایا تھا اور جنہوں نے دشمنوں کو شکست فاش دے کر دنیا کی تاریخ میں پہلی بار اسرائیلی سلطنت قائم کی تھی۔ حضرت طالوت کے انتقال کے بعد حضرت داؤدؑ کو اللہ تعالیٰ نے اسرائیل کا بادشاہ مقرر فرمایا جو جلیل القدر نبی بھی تھے۔

اس ساری بحث سے جسے ہم نے دانستہ طول نہیں دیا بخوبی ثابت ہو جاتا ہے کہ بنی اسرائیل

"جب نادر شاہ (ایرانی) ہندوستان پر حملہ آور ہونے کی غرض سے پشاور میں داخل ہوا تو سرداران پشاور نے جو یوسف زئی قبیلے سے تعلق رکھتے تھے نادر شاہ کو بائبل کا ایک نسخہ پیش کیا جو عبرانی زبان میں لکھا ہوا تھا۔ اس کے علاوہ کچھ اور اشیاء بھی اس کی نذر کیں جو ان کے قدیم اسرائیلی مذہب کی رسوم ادا کرنے کے لئے استعمال ہوا کرتی تھیں اور بطور یادگار ان کے پاس محفوظ تھیں۔ نادر شاہ نے اپنی فوج کے یہودی سپاہیوں کو یہ اشیاء دکھائیں۔ انہوں نے انہیں شناخت کیا اور تصدیق کی کہ یہ ان کی مذہبی کتابیں اور اشیاء ہیں۔" (۱۸)

عطا اللہ جان کی تصدیق

اس واقعے کی تصدیق مشہور پختون مورخ قاضی عطا اللہ جان نے اپنی تحقیقی و عالمانہ کتاب "دپښتنو تاریخ" میں بھی کی ہے۔ ان کی تحقیق کا خلاصہ یہ ہے کہ:-

"جب نادر شاہ (بادشاہ ایران) دہلی پر حملہ کرنے کے لئے پشاور میں مقیم تھا تو یوسف زئی قوم نے جرگہ لے کر اس سے ملاقات کی اور "تورات" کا ایک قلمی نسخہ جو عبرانی زبان میں تھا اسے پیش کیا جسے دیکھ کر نادر شاہ اور اس کی فوج کے یہودی افسر بہت خوش ہوئے۔" (۱۸-الف)

یہاں بجا طور پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ سرداران پشاور جو پٹھان تھے اگر بنی اسرائیل سے تعلق نہیں رکھتے تھے تو بائبل کا عبرانی نسخہ اور یہودی مذہب سے تعلق رکھنے والی اشیاء ان کے پاس کیوں رہتی تھیں اور انہوں نے یہ اشیاء بطور یادگار کیوں محفوظ رکھی تھیں۔ اس سے صاف طور پر ثابت [illegible]

خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔ ان کی کتابیں لائبریریوں میں بآسانی دستیاب ہیں۔

ان کے علاوہ غیر پٹھان اور یورپی مورخین و محققین نے بھی اپنی کتابوں میں یہی نظریہ پیش کیا ہے کہ افغان بلکہ بہت سے کشمیری بھی بنی اسرائیل کے انہی قبائل کی اولاد ہیں جو ترک وطن کر کے افغانستان اور اس سے ملحقہ علاقوں میں آباد ہو گئے تھے۔ چنانچہ "مراۃ العالم" کا مولف بختاور خاں "تاریخ کشمیر" (فارسی) کا مولف ملا قادری "" وقائع کشمیر" (فارسی) کا مولف ملا احمد "" حشمت کشمیر" (فارسی) کا مولف عبدالقادر بن واصل خاں، قاضی القضاۃ، ان سب کی تحقیق کے مطابق افغان اور بعض کشمیری قبائل بنی اسرائیل کی اولاد ہیں۔ یورپی مورخوں میں جارج مور، سر ولیم جیمز، سر جان میلکم، جی۔ ٹی ویگن، ایل پی فریئر، چیمبرلین اور راورٹی نے بھی یہی نظریہ پیش کیا ہے کہ بنی اسرائیل کے دس قبائل اپنے جدی وطن (فلسطین) سے نقل مکانی کر کے افغانستان اور اس

دکھائیں اور ان سے ان چیزوں کے اصلی ہونے کی تصدیق چاہی پھر انہوں نے تصدیق بھی کر دی۔ اس سے قدیم مورخین اور خود ہمارے اس موقف کی تائید ہوتی ہے کہ ایران میں اس وقت بھی یہودی آباد تھے اور اپنی شجاعت اور جنگجویانہ اوصاف کی وجہ سے نادر شاہ کی نگاہوں میں اس قابل ٹھہرے تھے کہ ہندوستان جیسے بڑے ملک میں جنگی کارروائیاں کرنے کے لئے ان کی خدمات حاصل کی جائیں۔ بلاشبہ یہ وہی یہودی تھے جو بخت نصر اور اس کے بعد کے زمانے میں فلسطین و شام سے ترک وطن کر کے ایران میں آباد ہوئے تھے۔

تیسرا غور طلب نکتہ یہ ہے کہ آخر سرداران پشاور کو کیا ضرورت تھی کہ وہ نادر شاہ کو عبرانی زبان کی انجیل اور یہودی مذہب سے تعلق رکھنے والی اشیاء پیش کرتے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ خود نادر شاہ بھی نسلاً بنی اسرائیلی تھا ورنہ وہ ان چیزوں میں کبھی اتنی دلچسپی نہ لیتا اور نہ یہودی سپاہیوں اور ان کے یہودی افسروں کو یہ اشیاء دکھا کر ان کے اصلی ہونے کی تصدیق کرواتا۔

مسٹر راورٹی کی تحقیق

مغربی محققین اور اہل علم میں راورٹی کا نام بہت معتبر و مستند ہے۔ یہ محقق پشتو زبان کا بہت بڑا ماہر تھا۔ اس نے انگریزی زبان میں پشتو کی ایک لغت بھی لکھی تھی۔ اس لغت میں وہ اپنی تحقیق بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ:-

"افغان ایک طاقتور قوم کا نام ہے جو افغانستان میں بود و باش رکھتی ہے اور جس کے بارے میں خیال کیا جاتا ہے کہ یہ بنی اسرائیل کے گم شدہ قبائل سے ہے۔ "افغان" سلطنت اسرائیل کے (پہلے) بادشاہ ملک طالوت (ساؤل) کا پوتا تھا جو "افغانہ" کے نام سے موسوم ہوتا ہے اور اسی "افغانہ" سے منسوب ہونے کی وجہ سے یہ لوگ خود کو افغان کہتے ہیں۔" (۱۸-ب)

گویا مسٹر راورٹی کی تحقیق کے مطابق افغان لوگ "افغانہ" کی اولاد ہیں جو حضرت طالوتؑ کا پوتا تھا یہ وہی طالوت ہیں جنہیں قرآن کریم کے بقول اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کا پہلا بادشاہ مقرر فرمایا تھا اور جنہوں نے دشمنوں کو شکست فاش دے کر دنیا کی تاریخ میں پہلی بار اسرائیلی سلطنت قائم کی تھی۔ حضرت طالوت کے انتقال کے بعد حضرت داؤدؑ کو اللہ تعالیٰ نے اسرائیل کا بادشاہ مقرر فرمایا جو جلیل القدر نبی بھی تھے۔

اس ساری بحث سے جسے ہم نے دانستہ طول نہیں دیا بخوبی ثابت ہو جاتا ہے کہ بنی اسرائیل

حضرت سلیمانؑ کی وفات کے بعد اپنی نافرمانیوں، اللہ تعالیٰ سے سرکشی اور اپنی بدکرداریوں کی وجہ سے قہرِ الٰہی کا نشانہ بنے ان پر جابر اور ظالم حاکم مسلط کردیئے گئے جنہوں نے انہیں طرح طرح کی اذیتیں دے دے کر فلسطین سے نکال دیا۔ یہ سلسلہ حضرت مسیحؑ کی ولادت سے قریباً پونے آٹھ سو سال قبل شروع ہوا اور قریب قریب پونے دو سو سال جاری رہا۔ اس پونے دو سو سال کی مدت میں لاکھوں بنی اسرائیلی فلسطین سے نکالے گئے جو ترک وطن کر کے ایران، افغانستان، سمرقند، بخارا اور ہندوستان کے شمال مشرق میں آباد ہو گئے۔ افغانستان، صوبہ سرحد، اس کے نواح میں آباد آزاد قبائل اور کشمیر کی بہت سی اقوام بنی اسرائیل کے انہی دس قبائل کی نسل سے ہیں جو فلسطین سے نکالے گئے اور پھر اپنے وطن واپس نہ جا سکے جنہیں تاریخ میں بنی اسرائیل کے گم شدہ قبائل کہا جاتا ہے۔

حضرت مسیحؑ ناصری بار بار فرماتے ہیں کہ میں بنی اسرائیل کے علاوہ اور کسی کی طرف نہیں بھیجا گیا۔ پھر فرماتے ہیں کہ ضرور ہے کہ میں بنی اسرائیل کی گم شدہ بھیڑوں کے پاس جاؤں اگر حضرت مسیحؑ واقعہء صلیب سے قبل فلسطین کے علاقے سے باہر نہیں جا سکے اور آپؑ واقعہء صلیب سے قبل آسمان پر اٹھا لئے گئے تو اس سے ثابت ہو گا کہ آپؑ اپنی گمشدہ بھیڑوں (گم شدہ اسرائیلی قبائل) کے پاس نہیں جا سکے کیونکہ آپؑ کی گم شدہ بھیڑیں تو فلسطین سے باہر آباد تھیں۔ آپؑ کا اپنی گم شدہ بھیڑوں کے پاس جانا اسی صورت میں ثابت ہو گا جب تک اس حقیقت کو تسلیم نہ کر لیا جائے کہ آپؑ واقعہء صلیب کے بعد زندہ رہے اور مزید کچھ مدت فلسطین میں فریضہء تبلیغ ادا فرمانے کے بعد بنی اسرائیل کی گم شدہ بھیڑوں (قبائل) کی تلاش اور ان میں تبلیغ و اصلاح کی غرض سے روانہ ہو گئے۔

یہاں ایک اعتراض پیدا ہوتا ہے اور معترض کہہ سکتا ہے کہ بلاشبہ حضرت مسیحؑ نے یہ ضرور فرمایا تھا کہ "میں بنی اسرائیل کے گھرانوں کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کی طرف بھیجا گیا ہوں" مگر اس سے یہ کب لازم آتا ہے کہ ان کے لئے امکانی حد تک بنی اسرائیل کے ایک ایک قبیلے تک پہنچنا ضروری تھا؟ یقیناً یہ اعتراض بہت وزنی ہوتا بشرطیکہ اگر حضرت مسیحؑ نے خود اپنے مشن اور دائرۂ تبلیغ کی وضاحت نہ فرما دی ہوتی۔ چنانچہ آپؑ فرماتے ہیں کہ:-

"تم کیا سمجھتے ہو؟ اگر کسی آدمی کی سو بھیڑیں ہوں اور ان میں سے ایک بھٹک جائے تو کیا وہ ننانوے کو چھوڑ کر اور پہاڑوں پر جا کر اس (ایک۔ ناقل) بھٹکی ہوئی کو نہ ڈھونڈے گا؟" ○ (۱۹)

حضرت مسیحؑ کے اس ارشاد کی رو سے ان کا خدائی مشن اس وقت تک مکمل نہیں ہو سکتا تھا جب تک آپؑ امکانی حد تک بنو اسرائیل کے ایک ایک قبیلے تک نہ پہنچ جاتے اور فلسطین سے ہجرت فرما کر بنی اسرائیل کے گم شدہ قبائل کی تلاش میں سفر پر نہ نکلتے۔ پس عقل کا فیصلہ یہی ہے اور تاریخ اس کی تائید کرتی ہے کہ حضرت مسیحؑ صلیب سے زندہ اتر آئے اور اپنے وطن سے ہجرت فرما کر ان ممالک کے سفر پر روانہ ہو گئے جہاں بنو اسرائیل کے قبائل آباد تھے جن میں افغانستان اور ہندوستان کے شمال مغربی علاقے بھی شامل تھے۔ اگر ایسا نہیں ہے اور وہ صلیب پر فوت ہو گئے جس کے بعد انہیں آسمان پر اٹھا لیا گیا تو وہ بنی اسرائیل کی گم شدہ کسی ایک بھیڑ کو بھی تلاش نہ کر سکے کیونکہ گم شدہ بنی اسرائیل تو فلسطین کے باہر آباد تھے۔ گم شدہ وہی ہوتا ہے جو اپنے گھر اور وطن سے نکل جائے۔ گھر یا وطن میں آباد شخص یا خاندان کو گم شدہ نہیں کہا جا سکتا۔

حوالہ جات

(۱) کرنتھیوں کے نام پولوس رسول کا پہلا خط۔ باب نمبر۵۔ آیت (۱ تا ۲)

(۲) کرنتھیوں کے نام پولوس رسول کا پہلا خط۔ باب نمبر۶۔ آیت (۷ تا ۹)

(۳) کرنتھیوں کے نام پولوس رسول کا دوسرا خط۔ باب نمبر۱۲۔ آیت (۲۰ تا ۲۱)

(۴) یعقوب کا عام خط۔ باب نمبر۴۔ آیت (۱ تا ۴)

(۵) یعقوب کا عام خط۔ باب نمبر۵۔ آیت (۱ تا ۶)

(۵۔ الف) یوحنا کی انجیل۔ باب نمبر۸۔ آیت (۲)

(۶) رومیوں کے نام پولوس رسول کا خط۔ باب نمبر۱۔ آیت (۲۹ تا ۳۲)

(۷) رومیوں کے نام پولوس رسول کا خط۔ باب نمبر۱۔ آیت ۱

(۸) متی کی انجیل۔ باب نمبر۱۵۔ آیت (۲۴ تا ۲۵)

۔ب) تورات (باب سلاطین ۱۷ر۲۵)

ہوئے۔ قرآن حکیم کا مذاہب عالم پر سب سے بڑا احسان یہ ہے کہ اس نے ان مذاہب اور ان کے مقدس بانیوں کی صداقت پر مہر تصدیق ثبت کی ورنہ ہمارے پاس ان کی تصدیق کا کوئی ذریعہ نہ تھا۔

(۹) یوسف زئی قوم کی سرگزشت صفحہ ۱۲ مولفہ خان روشن خان (مرحوم)

(۱۰) یوسف زئی قوم کی سرگذشت صفحہ ۱۴

(۱۰۔الف) صولت افغانی (فارسی) صفحہ نمبر۲۰ مولفہ زرداد خاں ناغر

(۱۱) اخبار الصنادید۔ جلد اول صفحہ ۳۶ مولفہ مولانا حکیم نجم الغنی خاں۔ مطبوعہ منشی نول کشور لکھنؤ (۱۹۱۸ء)

(۱۲) اخبار الصنادید۔ جلد اول صفحہ ۳۶

(۱۲۔الف) "کیا پٹھان بنی اسرائیل ہیں" تحریر خان روشن خان۔ مطبوعہ پندرہ روزہ تقاضے لاہور صفحہ ۲۵ جلد نمبر۴ شمارہ ۲۲، یکم اکتوبر ۱۹۸۴ء ماخوذ از تذکرہ مولفہ خان روشن خان

(۱۳) اخبار الصنادید۔ جلد اول صفحہ ۳۹

(۱۴) افغانوں کی نسلی تاریخ صفحہ ۵۸ مولفہ خان روشن خان

(۱۵) یوسف زئی افغان۔ صفحہ ۴۶۱ طبع چہارم

(۱۵۔الف) پندرہ روزہ "تقاضے" لاہور جلد نمبر۴ شمارہ نمبر۲۲ یکم اکتوبر ۱۹۸۴ء

(۱۵۔ب) تاریخ اسلام صفحہ ۴۶۵ مولفہ احسان اللہ عباسی۔ مطبوعہ الوقت پریس۔ گورکھپور

(۱۶) "اے پرسنل نیریٹو آف اے وزٹ ٹو غزنی" صفحہ ۱۶۶ مولفہ جی۔ٹی۔ وگین

(۱۷) "تذکرہ" صفحہ ۴۱۴ مولفہ خان روشن خان۔ ناشرین۔ روشن خان اینڈ کمپنی پھول چوک جونا مارکیٹ کراچی نمبر۲

(۱۸) ہسٹری آف دی افغانز۔ صفحہ ۴ مولفہ ایل پی فریئر (اصل کتاب فرانسیسی زبان میں ہے اس کا انگریزی میں ترجمہ کیپٹن ولیم جے سی نے کیا ہے)

(۱۸۔الف) یوسف زئی قوم کی سرگزشت صفحہ ۲۵۷)

(۱۸۔ب) Dictionary of The Pukhto' Pushto. P-39
By Captain H.G. Raverty. Longman London (1901)

(۱۹) متی کی انجیل۔ باب نمبر۱۸ آیت (۱۲ تا ۱۳)

سے یہ کب لازم آتا ہے کہ ان کے لئے امکانی حد تک بنی اسرائیل کے ایک ایک قبیلے تک پہنچنا

مسیحؑ قرآن کی روشنی میں

قرآن حکیم دنیا کی وہ واحد کتاب ہے جس میں کائنات کے آغاز سے لے کر اس کے اختتام تک رونما ہونے والے ان تمام واقعات و مسائل کا نہایت صحت کے ساتھ احاطہ کیا گیا ہے جن کا بنی نوع انسان کی روحانی اور مادی زندگی سے گہرا تعلق ہے۔ قرآن حکیم قصے کہانیوں کی کتاب نہیں اس میں ازمنۂ گذشتہ کے جو واقعات بیان کئے گئے ہیں ان کا مقصد درس حکمت و عبرت ہے اور تاریخ نویس کے لئے صحیح بنیاد فراہم کرنا۔ اس میں دنیا کے دوسرے انبیاء کی طرح حضرت مسیح ناصری علیہ السلام اور آپؑ کی والدہ ماجدہ کے واقعات زندگی کو بھی موضوع گفتگو بنایا گیا ہے اور پہلی بار ان دونوں بزرگ و محترم شخصیتوں کے بارے میں مستند حالات و واقعات اس کلام مقدس کے ذریعے ہی منظر عام پر آئے۔ چونکہ قرآن حکیم کو لاتعداد واقعات و مسائل کا احاطہ کرنا تھا اس لئے اس نے ہر جگہ تفصیل سے کام نہیں لیا۔ اس نے بلیغ اشارے کر دیئے جن میں معنی کا ایک سمندر بند ہے، ہاں جہاں ضرورت تھی وہاں تفصیل سے بھی کام لیا تاکہ بات تشنہ نہ رہ جائے۔

حضرت مسیحؑ اور آپؑ کی والدہ ماجدہ کے بارے میں بھی قرآن حکیم کا اسلوب جہاں بلیغانہ ہے وہاں وہ اس پس منظر کی طرف بھی اپنے قاری کی رہنمائی کرتا ہے جس میں یہ واقعات رونما ہوئے۔ قرآن حکیم کا مذاہب عالم پر سب سے بڑا احسان یہ ہے کہ اس نے ان مذاہب اور ان کے مقدس بانیوں کی صداقت پر مہر تصدیق ثبت کی ورنہ ہمارے پاس ان کی تصدیق کا کوئی ذریعہ نہ تھا۔ قرآن حکیم نے انبیاء میں سے بعض پر ان کے دشمنوں کی طرف سے عائد کئے جانے والے الزامات کی تردید بھی کی اور ان الزامات سے ان کی براءت ثابت کی۔ حضرت مسیحؑ اور آپؑ کی والدہ ماجدہ کے حالات زندگی بھی قرآن حکیم نے اساطیر الاولین یا گذشتہ داستانوں کے طور پر بیان نہیں کئے بلکہ

اصل مقصد و مدعا ان مقدس شخصیتوں کی حقیقی تعلیم کو منظر عام پر لانا اور ان کے منکروں کے ناپاک الزامات سے ان مقدس شخصیتوں کے دامن پاک کرنا تھا' یا ان غلط فہمیوں کا ازالہ کرنا جو ان کے دشمنوں نے تعصب اور عداوت کی وجہ سے اور ان کے "دوستوں" نے اپنی سادہ لوحی اور حد سے بڑھی ہوئی عقیدت کی بناء پر ان کے بارے میں پیدا کر دی تھیں۔

حضرت مسیحؑ پر آپؑ کے دشمنوں (یہود) نے دو نہایت ناپاک الزام لگائے۔ ایک یہ کہ آپؑ کی پیدائش (نعوذ باللہ) ناجائز طریقے سے ہوئی اور ثبوت یہ دیا کہ آپؑ کا باپ نہیں تھا۔ یہود کا دوسرا الزام یہ تھا کہ آپؑ (نعوذ باللہ) جھوٹے نبی تھے۔ اس دوسرے الزام کے ثبوت کے طور پر انہوں نے یہ دلیل دی کہ یسوع کو ہم نے قتل کر دیا' اسے صلیب دے کر مار دیا اور تورات کی رو سے جو شخص پھانسی پائے' قتل ہو یا صلیب پر مارا جائے وہ لعنتی ہوتا ہے اس لئے حضرت مسیحؑ سچے نبی نہیں تھے کیونکہ اگر وہ نبی ہوتے تو قتل یا مصلوب ہو کر نعوذ باللہ لعنتی موت نہ مرتے۔ یہود تو حضرت مسیحؑ کے دشمن تھے ہی افسوس تو بعد کے نصاریٰ پر ہے کہ انہوں نے بھی غلطی سے یہ سمجھ لیا کہ حضرت مسیحؑ صلیب پر فوت ہو گئے اس لئے نصاریٰ نے بھی نادانستہ طور پر یہودیوں کے اس الزام کی تصدیق کر دی۔ اگرچہ انہوں نے اس کے لئے یہ جواز پیش کیا کہ یسوع مصلوب ضرور ہوا مگر وہ اپنی امت کی خاطر مصلوب ہوا اور امت کے گناہوں کا بوجھ خود اٹھا لیا تاکہ وہ گناہوں سے پاک ہو جائے مگر اس کے باوجود یہودیوں کا یہ اعتراض تو قائم رہا کہ قتل کیا جانے والا یا صلیب پر مارا جانے والا از رائے تورات لعنتی ہوتا ہے۔ قرآن نے پہلی بار حضرت مسیحؑ اور آپؑ کی والدہ ماجدہ دونوں کو یہود کے الزامات سے پاک کیا اور خود مسیحیوں کی غلط فہمیوں کا بھی ازالہ کیا۔

مریمؑ صدیقہ تھیں

سب سے پہلے قرآن حکیم نے حضرت مسیحؑ کی ولادت کے بارے میں یہود کے ناپاک الزام کی نہایت حکیمانہ طریقہ سے تردید کی اور فرمایا:۔

وَالَّتِیٓ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيْهَا مِنْ رُّوْحِنَا وَجَعَلْنٰهَا وَابْنَهَآ اٰيَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ

(سورہ الانبیاء آیت ۹۲)

(اور اس عورت مریم کا معاملہ بھی (قابل غور ہے) جس نے اپنی ناموس کی حفاظت کی اور ہم نے اس میں اپنی روح پھونکی اور اس کو اور اس کے بیٹے کو جہانوں کے لئے نشان بنایا)

اس آیت میں قرآن کریم نے حضرت مریمؑ کو تین شرف عطا فرمائے۔ اول:۔ وہ آخر وقت تک عصمت مآب رہیں (کیونکہ انہوں نے بقول قرآن اپنے ناموس کی حفاظت کی) دوسرا شرف یہ کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر روح (روح القدس) نازل فرمایا۔ تیسرا شرف یہ کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت مریمؑ اور ان کے بیٹے (حضرت مسیحؑ) کو تمام زمانوں (عالمین) کے لئے نشان بنایا۔ اس طرح قرآن حکیم نے حضرت مسیحؑ اور آپؑ کی والدہ ماجدہ پر اعتراض کرنے والوں کے منہ ہمیشہ کے لئے بند کر دیئے کیونکہ جو خاتون (۱) اپنے ناموس کی حفاظت کرے (۲) جس پر روح القدس نازل ہو (۳) جسے اللہ تعالیٰ تمام زمانوں کے لئے آیت (بزرگ نشان) قرار دے وہ عورت فاجرہ اور بدکار ہرگز نہیں ہو سکتی بلکہ یہ تو پاکبازی اور تقدس کا انتہائی مقام ہے جو قرآن حکیم نے دنیا کی چند خواتین ہی کو دیا' ان میں سے ایک مریمؑ بھی تھیں۔ ظاہر ہے کہ ایسی پاکباز اور عصمت مآب خاتون کے بطن سے ناجائز بیٹا پیدا ہو سکتا ہی نہیں بلکہ وہ بھی تقدس اور بزرگی کے اعلیٰ مقام کا حامل ہو گا۔

ایک دوسرے مقام پر بھی حضرت مریمؑ کی پاکبازی کی تصدیق کی اور فرمایا:۔

مَا الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ وَاُمُّهٗ صِدِّيْقَةٌ ط

(مسیحؑ ابن مریمؑ سوائے اس کے (اور کچھ نہیں کہ) اللہ کے رسول تھے جن سے پہلے (بھی) رسول مبعوث ہوئے جو گذر گئے ان کی ماں نہایت راستباز تھیں) سورہ المائدہ آیت نمبر ۷۶

اس آیت شریفہ میں قرآن حکیم نے دونوں اعتراضات کو رد کر دیا۔ اول یہ کہ حضرت مسیحؑ خدا کے نبی نہیں تھے۔ قرآن کہتا ہے کہ مسیحؑ واقعی خدا کے رسول تھے ساتھ ہی مسیحیوں کے اس غلط عقیدے کی بھی تردید کر دی کہ وہ خدا کے بیٹے یا خدا کی خدائی میں شریک تھے یا تین میں سے ایک تھے بلکہ فرمایا کہ وہ سوائے اس کے اور کچھ نہیں کہ اللہ کے رسول تھے' اسی طرح کے رسول جس طرح کے رسول ان سے پہلے گذر کر فوت ہو گئے۔ گویا حضرت مسیحؑ کے تین مقام متعین فرمائے (۱) حضرت مسیحؑ صرف نبی و رسول تھے اس سے زیادہ اور کچھ نہیں تھے (۲) اس طرح کے رسول آپؑ سے پہلے بھی گذر چکے ہیں۔ اگر حضرت مسیحؑ رسول کے علاوہ کچھ اور بھی تھے یعنی خدا یا خدا کے بیٹے یا خدائی میں شریک تو آپؑ سے پہلے رسول بھی اسی مرتبے کے حامل ثابت ہوں گے کیونکہ نفس نبوت میں حضرت مسیحؑ اور آپؑ سے پیشتر گذرنے والے رسول یکساں اور برابر ہیں (۳) "قد خلت من قبلہ الرسل" حضرت مسیحؑ سے قبل مبعوث ہونے والے رسول (گذر گئے) فوت ہو گئے پس اسی طرح حضرت مسیحؑ بھی فوت ہو گئے کیونکہ نفس نبوت میں حضرت مسیحؑ اپنے

پیش رو رسولوں کی طرح تھے اور ان کے برابر تھے ان سے برتر نہیں تھے نہ ان میں کوئی خدائی صفت تھی جس سے ان کا خدا کے دائیں طرف جلوہ افروز رہنا ثابت ہوتا ہو۔ اگر ایسا ہے تو آپؑ سے پہلے کے رسولوں کے لئے بھی یہی مقام و مرتبہ تجویز کرنا ہوگا اور ثابت ہوگا کہ وہ سب اللہ تعالیٰ کے دائیں طرف آسمان پر بیٹھے ہیں کیونکہ نفس نبوت میں حضرت مسیحؑ اور آپؑ سے پیشتر مبعوث ہونے والے رسول یکساں و برابر تھے۔ اس کے بعد حضرت مریمؑ کے تقدس کی اور راستبازی کی یہ کہہ کر گواہی دی کہ " وامہ صدیقہ " کہ ان کی والدہ راستباز تھیں بلکہ نہایت راستباز تھیں۔ اس طرح قرآن حکیم نے نہایت حکیمانہ طریقے سے یہ نکتہ یہودیوں کے ذہن نشین کیا کہ جب اللہ تعالیٰ فرماتا ہے مریمؑ راستباز تھیں یعنی ہمیشہ سچ ہی بولتی تھیں تو ان کی بات پر یقین کرو، ان کے قول یا دعوے کی تردید مت کرو۔ جب وہ کہتی ہیں یہ (مسیحؑ) میرا جائز بیٹا ہے اور اس حالت میں پیدا ہوا کہ کسی مرد نے مجھے ہاتھ تک نہیں لگایا تو اس پر اعتبار کرو اور تسلیم کرلو کہ وہ محض خدا کی قدرت سے بغیر باپ کے پیدا ہوا ہے کیونکہ مریمؑ راستباز تھیں وہ جھوٹ نہیں بولتی تھیں۔ پس قرآن حکیم نے ان دو آیات میں ایک طرف تو حضرت مسیحؑ اور آپؑ کی والدہ ماجدہ پر وارد ہونے والے اعتراضات رد کردیئے دوسری طرف مسیحیوں کے عقائد کی اصلاح فرما کر حضرت مسیحؑ کی الوہیت کی نفی کردی۔

قتل مسیحؑ کی حقیقت؟

حضرت مسیحؑ کی والدہ ماجدہ کی راستبازی اور عصمت کی تصدیق کرنے کے بعد قرآن حکیم اس مسئلے کے دوسرے پہلو کی طرف آتا ہے یہود کا دعوی تھا کہ:۔

اِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيْحَ عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُوْلَ اللّٰهِ (سورہ النساء آیت نمبر ۱۵۸)

(یعنی) ہم نے یقیناً اس مسیحؑ کو جس کا نام عیسیٰؑ ابن مریمؑ تھا اور جو خود کو اللہ کا رسول کہتا تھا قتل کر دیا)

یہاں اس امر کی وضاحت ضروری ہے کہ یہودیوں میں سے ایک گروہ کا دعوی تھا کہ "ہم نے پہلے عیسیٰؑ ابن مریمؑ کو قتل کیا پھر اسے صلیب پر لٹکا دیا۔ چنانچہ خود انجیل میں نہ صرف یہودیوں کے اس دعوے کی تائید کی گئی ہے بلکہ انہیں اس جرم میں ملوث قرار دیکر تنبیہہ بھی کی گئی ہے اگرچہ انجیل کے اردو ایڈیشنوں سے بعض مصلحتوں کے تحت یہ عبارت نکال دی گئی ہے جدید انگریزی نسخوں سے بھی اسے حذف کردیا گیا ہے مگر بعض انگریزی نسخوں میں یہ عبارت آج تک موجود ہے

چنانچہ لکھا ہے YE SLEW AND HANGED ON A TREE.(1)

(تم نے (اسے) قتل کیا اور پھر ایک درخت پر لٹکا دیا)

اس طرح عیسائیوں کا قرآن شریف پر سے یہ اعتراض ہمیشہ کے لئے دور ہو گیا کہ اس نے ایک خلاف واقعہ بات کہی۔ خود انجیل نویس تسلیم کرتے ہیں کہ یہودیوں کا دعوئ تھا کہ ہم نے مسیحؑ کو قتل کیا اور پھر اس کی تذلیل کرنے کے لئے اسے پھانسی پر لٹکا دیا حالانکہ وہ ایک غلط دعوئ کر رہے تھے اس لئے قرآن حکیم نے پہلے ان کا دعوئ نقل کیا اور پھر اس کی تردید کردی۔ دوسری طرف مسیحی کہتے ہیں کہ یسوع صلیب پر ہلاک ضرور ہوا۔ لیکن اس نے صلیبی موت امت کو گناہوں سے پاک کرنے کے لئے قبول کی۔

قرآن حکیم ان دونوں گروہوں کے دعووں کی تردید کرتا ہے اور فرماتا ہے کہ:۔

وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ ۭ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ ۭ مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ اِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ ۚ وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا ۙ (النساء آیت ۱۵۸)

(اور حالانکہ نہ انہوں نے اسے (مسیحؑ کو) قتل کیا نہ صلیب پر مارا بلکہ وہ اس کی بابت شبہ میں پڑ گئے اور جن لوگوں نے اس بارے میں اختلاف کیا وہ (دراصل) شک کی حالت میں ہیں۔ انہیں اس بارے میں یقینی علم حاصل نہیں وہ وہم کے پیچھے چل رہے ہیں اور انہوں نے اسے (مسیحؑ کو) ہرگز قتل نہیں کیا۔)

ان آیات میں قرآن کریم نے نہایت وضاحت سے یہود کے دونوں گروہوں کے دعووں کی تردید کردی کہ نہ تو حضرت مسیحؑ کو قتل کیا گیا اور نہ آپؑ کو صلیب دے کر مارا گیا۔ آگے چل کر فرمایا کہ اس معاملے کی حقیقت ان پر مشتبہ ہو گئی یعنی جن لوگوں نے آپؑ کو زندہ حالت میں صلیب پر چڑھایا تھا صلیب سے اتارنے کے بعد وہ سمجھے کہ یہ مر گیا لیکن بعد کے واقعات نے انہیں شک میں ڈال دیا کہ وہ آپؑ کو مارنے میں کامیاب بھی ہوسکے یا نہیں؟ یعنی جب حضرت مسیحؑ کو صلیب سے اتارا گیا تھا اس وقت ان کی موت واقع ہو چکی تھی یا وہ غشی کی حالت میں تھے اور یہودیوں نے آپؑ کو مردہ سمجھ لیا تھا۔

قابل غور نکتہ

یہاں ایک نقطہ خاص طور سے قابل لحاظ ہے اور یہ بہت غور کرنے کا مقام ہے اس جگہ تین

گروہوں کا ذکر ہو رہا ہے (۱) ایک وہ جن کا دعویٰ تھا کہ ہم نے مسیحؑ کو پہلے قتل کیا پھر پھانسی پر لٹکا دیا (۲) دوسرا وہ گروہ جو دعویٰ کرتا تھا کہ اس نے حضرت مسیحؑ کو صلیب پر ہلاک کر دیا اور (۳) تیسرا گروہ مسیحیوں کا جس کا دعویٰ تھا کہ مسیحؑ صلیب پر مر ضرور گئے تھے لیکن بعد میں وہ دوبارہ جی اٹھے اور پھر آسمانوں پر اٹھا لئے گئے۔ ان میں سے پہلا گروہ تو صریحاً جھوٹ بول رہا تھا یہ گروہ صرف حضرت مسیحؑ اور مسیحیوں کو بدنام کرنے اور جلانے کے لئے یہ قصہ گھڑ کر مشہور کر رہا تھا اس لئے اس کا کسی شک میں پڑنا خارج از بحث ہے کیونکہ وہ خوب جانتا تھا کہ جو کچھ وہ کہہ رہا ہے خلاف واقعہ ہے اس نے ہرگز حضرت مسیحؑ کو قتل نہیں کیا۔ جب قتل کا ارتکاب کیا ہی نہیں گیا تو اس کے بارے میں کسی شک کا پیدا ہونا خلاف عقل ہے۔

اب سوال صرف یہ باقی رہ جاتا ہے کہ وہ کون لوگ ہیں جن کے بارے میں قرآن حکیم فرماتا ہے کہ "جن لوگوں نے اس بارے میں اختلاف کیا وہ شک میں پڑے ہوئے ہیں" ظاہر ہے یہ وہی دو گروہ ہو سکتے ہیں جن میں سے ایک کہتا ہے کہ "ہم نے عیسیٰؑ ابن مریمؑ کو صلیب دے کر ہلاک کر دیا" دوسرا وہ گروہ جو کہتا ہے کہ مسیحؑ صلیب پر ہلاک ضرور ہو گئے لیکن تیسرے دن جی اٹھے اور پھر آسمان پر چلے گئے۔ انہی دو گروہوں کے بارے میں قرآن حکیم کا فیصلہ ہے کہ دونوں ظن اور وہم کی پیروی کر رہے ہیں یعنی ان کے پاس اس واقعے کا کوئی قطعی ثبوت نہیں۔ دونوں اپنے اپنے مفروضات اور توہمات کے پیچھے چل رہے ہیں یعنی نہ ان میں سے پہلا گروہ حضرت مسیحؑ کو صلیب پر ہلاک کرنے میں کامیاب ہو سکا نہ دوسرے گروہ کا دعویٰ صحیح ہے کہ حضرت مسیحؑ آسمانوں پر چلے گئے۔ اگر آپؑ آسمانوں پر اٹھائے گئے ہوتے تو اس دوسرے گروہ کو قرآن حکیم کبھی شبہ میں مبتلا قرار نہ دیتا پس ثابت ہوا کہ قرآن کی رو سے حضرت مسیحؑ کی موت نہ صلیب پر واقع ہوئی نہ آپؑ آسمان پر اٹھائے گئے، تو آخر کہاں گئے؟ اس کا جواب قرآن نے دے دیا ہے کہ **ولکن شبہ لھم** یعنی ان (مسیحؑ) کی کیفیت و حالت یہودیوں اور مسیحیوں دونوں پر مشتبہ ہو گئی۔ ان کی حالت موت کی حالت کے مشابہ ہو گئی۔ گویا یہودیوں نے ان کی ظاہری حالت دیکھ کر جو غشی کی تھی یہ سمجھ لیا کہ آپؑ فوت ہو گئے ہیں۔

مولانا ابو کلام کا نظریہ

یہ ہماری تاویل نہیں ممتاز عالم دین اور مفسر قرآن مولانا ابوالکلام آزاد بھی اپنی تفسیر میں اسی

خیال کا اظہار کرتے ہیں چنانچہ مولانا فرماتے ہیں کہ "آیت میں جس اشتباہ کا ذکر ہے اس کے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ حضرت مسیحؑ کی شخصیت مشتبہ ہو گئی اور ان کی جگہ دوسرے آدمی کو سولی پر چڑھا دیا گیا اور یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ حضرت مسیحؑ کی موت مشتبہ ہو گئی وہ زندہ تھے مگر انہیں مردہ سمجھ لیا گیا۔(۲)

مولانا ابوالکلام آزاد نے اپنی تفسیر میں اس واقعے کی دونوں صورتیں بیان کر دیں!

(۱) یا تو حضرت مسیحؑ کی بجائے کسی اور کو صلیب پر چڑھا دیا گیا (۲) یا حضرت مسیحؑ کو صلیب پر تو چڑھا دیا گیا مگر یہودی اس اشتباہ میں مبتلا ہو گئے کہ آپؑ فوت ہو گئے ہیں حالانکہ جب آپؑ کو صلیب سے اتارا گیا تو آپؑ زندہ تھے لیکن اپنی ظاہری حالت اور سخت قسم کی غشی یا سکتے کی وجہ سے آپؑ یہودیوں کو مردہ نظر آئے۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بعد میں غور و فکر کرنے یا کسی کے توجہ دلانے سے مولانا کے ذہن میں بجا طور پر سوال پیدا ہوا کہ قرآن حکیم تو ایک فیصلہ کن کتاب ہے اور خاص طور پر یہود و نصاریٰ کے درمیان متنازعہ امور کے بارے میں تو وہ حکم و عدل کی حیثیت رکھتی ہے اور ان کے اختلافات کا واضح فیصلہ کرتی ہے۔ قرآن حکیم تو شبہات کا ازالہ کرتا ہے مزید شبہات پیدا نہیں کرتا اس لئے دو باتوں میں سے ایک درست ہو سکتی ہے یا تو حضرت مسیحؑ کی جگہ کسی اور کو صلیب دی گئی اور یہودیوں کے نزدیک حضرت مسیحؑ کی شخصیت مشتبہ ہو گئی یا حضرت مسیحؑ ہی صلیب پر چڑھائے گر سخت غشی یا سکتے کی حالت آپؑ پر طاری ہو گئی جسے یہودیوں نے آپؑ کی موت سمجھ لیا اور آپؑ کو اسی حالت میں صلیب پر سے اتار لیا گیا۔ بعد میں اپنی طبعی عمر پوری کر کے آپؑ کسی علاقے میں فوت ہو گئے۔ آخر مولانا آزاد اسی نتیجے پر پہنچے کہ یہی دوسری صورت درست ہے اور یہودیوں نے حضرت مسیحؑ کو مردہ سمجھ کر صلیب سے اتار لیا حالانکہ آپؑ زندہ تھے اس رائے کو مولانا نے ایک بزدل انسان کی طرح سینے میں پوشیدہ نہیں رکھا بلکہ اس کا اظہار بھی فرما دیا چنانچہ مولانا کے ایک عقیدت مند ڈاکٹر انعام اللہ صاحب نے ۶ اپریل ۱۹۵۶ء کو بلوچستان سے ان کی خدمت میں ایک خط لکھا جس میں بعض امور کے بارے میں مولانا کی رائے دریافت کی تھی اور درخواست کی تھی کہ آپ فیصلہ کن کتاب لکھ دیں اور یہ بھی درج فرما دیں کہ اس کے ذریعے تمام پرانی تحریریں منسوخ ہیں اور پرانے خیالات بھی تاکہ پرانی باتوں کے ذکر کی گنجائش نہ رہے۔

ڈاکٹر انعام صاحب نے جن امور کے بارے میں مولانا ابوالکلام آزاد کی رائے دریافت کی تھی

ان میں ایک امر یہ بھی تھا کہ ایک مخصوص فرقے کے لوگ:۔

"کہتے ہیں کہ مولانا وفات مسیحؑ کے قائل ہیں" (یعنی حضرت مسیحؑ فوت ہو چکے ہیں ناقل)

اس کے جواب میں مولانا آزاد فرماتے ہیں:۔

"جواب۔ وفات مسیحؑ کا ذکر خود قرآن میں ہے"(۳)

مقام غور ہے کہ حضرت مسیحؑ کو آسمان پر بجسم عنصری زندہ تسلیم کرنے کی بجائے ان کے وفات پا جانے کا عقیدہ رکھنا اگر کفر یا ضلالت ہے تو اتنے بڑے عالم دین اور مفسر قرآن کو کس زمرے میں شمار کیا جائے گا؟

مولانا عبید اللہ سندھی کی رائے

عالم اسلام کے ایک اور ممتاز مفکر، علوم اسلامی کے جید عالم اور مفسر قرآن مولانا عبید اللہ سندھیؒ بھی قرآن حکیم کے گہرے مطالعے اور اس پر تدبر و تفکر کرنے کے بعد اس نتیجے پر پہنچے کہ حضرت عیسیٰ علیہ اسلام کی حیات آسمانی کا عقیدہ اسلامی تعلیمات کے صریحاً خلاف اور افسانہ محض ہے۔ چنانچہ مولانا سندھی لکھتے ہیں کہ:۔

"یہ بات کسی سے پوشیدہ نہیں ہوگی کہ علوم اسلامیہ کا مرکز و مرجع قرآن عظیم ہے اور اس میں ایسی ایک آیت بھی نہیں ملتی جس سے اس امر کی وضاحت ہوتی ہو کہ حضرت عیسیٰؑ (ابھی تک) فوت نہیں ہوئے اور (بدستور) زندہ ہیں اور (مستقبل قریب یا بعید میں) نازل ہوں گے البتہ بعض تفاسیر سے یہ استدلال کیا گیا ہے اور یہ آراء ایسی ہیں کہ جنہیں شک و شبہ سے مبرا قرار نہیں دیا جا سکتا نہ انہیں عقیدہ اسلامی کی بنیاد بنایا جا سکتا ہے۔"(۴)

مولانا عبید اللہ سندھی کی رائے کا لب لباب بھی یہی ہے کہ حضرت مسیحؑ کو نہ قتل کیا گیا ہے، نہ آپؑ کی موت صلیب پر واقع ہوئی اور نہ آپؑ کو آسمان پر اٹھایا گیا بلکہ صلیب سے زندہ بچ جانے کے بعد طبعی عمر پا کر آپؑ فوت ہو گئے۔ یہ دو ممتاز علماء کی آراء ہیں جو ہم نے اپنے موقف کی تائید میں پیش کی ہیں کیونکہ مضمون کو طول دینا مقصود نہیں ہے ورنہ قرن اولیٰ سے لے کر زمانہ حال تک کے مفکرین اسلام اور مفسرین قرآن کی آراء کا انبار ہے جو " وماقتلوہ وماصلبوہ " کی یہی تفسیر کرتے ہیں کہ " حضرت مسیحؑ کو نہ قتل کیا گیا نہ صلیب پر ہلاک کیا گیا اور نہ آسمان پر اٹھایا گیا بلکہ آپؑ کی قریب المرگ حالت دیکھ کر یہودیوں نے خیال کر لیا کہ آپؑ فوت ہو گئے ہیں " اس کے بعد

آپؑ کا جسم حواریوں کے سپرد کر دیا گیا، انہوں نے علاج کیا، آپؑ کے زخم اچھے ہو گئے اس کے بعد سفر پر روانہ ہو گئے اور پھر اپنی عمر طبعی کو پہنچ کر فوت ہو گئے۔

حضرت مسیحؑ کا رفع

عجیب بات ہے قرآن حکیم نے " وماقتلوہ وماصلبوہ " کے بعد تشریح بھی فرما دی کہ یہ سب ظن اور شک و شبہ کی باتیں ہیں جن سے ہر عقل مند اور دانا انسان کو دامن بچانا چاہیئے بلکہ فرمایا کہ حقیقت یہ ہے کہ:۔ بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ ط

(بلکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں (حضرت مسیحؑ کو) اپنی طرف بلا لیا)

یعنی حضرت مسیحؑ کے بارے میں یہودیوں کا یہ دعویٰ بھی غلط ہے کہ انہوں نے حضرت مسیحؑ کو قتل کر دیا یا صلیب پر مار دیا اور مسیحیوں کا یہ دعویٰ بھی غلط ہے کہ اللہ نے انہیں آسمان پر اٹھا لیا یہ سب ظن، وہم اور شبہات کی باتیں ہیں فرمایا "بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے پاس بلا لیا

ہر شخص جانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے "پاس" جانے یا اس کی "طرف" جانے کا کیا مطلب ہے" یعنی وفات دیدینا۔ جب بھی کوئی شخص فوت ہوتا ہے تو اس کی خبر وفات سننے والا یہی کہتا ہے کہ " انا للہ و انا الیہ راجعون ط " ہم سب اللہ کے ہیں اور ہم سب کو اسی کی طرف واپس جانا ہے " یہاں بھی " الیہ " کا لفظ ہے اور حضرت عیسیٰؑ کے ساتھ بھی " الیہ " کا لفظ ہے۔ حیرت ہے کہ دنیا کے ہر انسان کے مرنے پر جب لفظ الیہ بولا جاتا ہے تو اس کے معنی تو یہ کئے جاتے ہیں کہ اللہ کی طرف واپس چلا گیا۔ مگر یہی لفظ جب حضرت مسیحؑ کے بارے میں استعمال کیا گیا تو اس کے معنی کر لئے گئے کہ آپؑ مع جسم آسمان پر چلے گئے۔ دنیا میں جتنے لوگ فوت ہوئے ہیں کیا ان کے جسم بھی روح کے ساتھ ہی آسمان پر چلے جاتے ہیں؟ اگر ہر مرنے والے کا جسم اس کی روح کے ساتھ آسمان پر چلا جاتا ہے پھر تو یقیناً حضرت عیسیٰؑ کا جسم بھی روح کے ساتھ آسمان پر چلا گیا اور اگر " الیہ " کے یہ معنی ہیں کہ مرنے کے بعد جسم اس دنیا میں رہ جاتا ہے اور صرف روح اللہ تعالیٰ کے پاس جاتی ہے تو پھر ماننا پڑے گا کہ حضرت مسیحؑ کا جسم بھی اس دنیا میں رہ گیا صرف روح اللہ تعالیٰ کے پاس گئی۔

دراصل یہ ساری غلط فہمی " رفع " کے معنی غلط سمجھنے کے وجہ سے پیدا ہوئی۔ رفع کے معنی ہمارے بعض مفسرین نے اٹھا لینے " کے بیان کئے چونکہ حضرت مسیحؑ کے بارے میں مسیحی علماء نے چھ سو سال تک یہ عقیدہ اختیار کئے رکھا کہ آپؑ کو آسمان پر اٹھا لیا گیا۔ چھ سو سال گذرنے کے بعد جب اسلام نازل ہوا اور بہت سے عیسائی علماء دائرہ اسلام میں داخل ہوئے تو انہوں نے اس خیال

سے کہ قرآن حکیم تورات اور انجیل کی تصدیق کرتا ہے اور انجیل میں یہ عقیدہ داخل کر دیا گیا تھا کہ حضرت مسیحؑ کو آسمان پر اٹھا لیا گیا اس لئے ان نو مسلم مسیحی علماء نے بھی ایسی روایات بیان کرنی شروع کر دیں جن سے حضرت مسیحؑ کی حیات آسمانی ثابت ہوتی تھی۔ ہمارے بعض مفسرین نے کسی بد دیانتی سے نہیں بلکہ غلط فہمی کی بناء پر اپنی تفسیروں میں یہ عقیدہ شامل کر لیا جس کی حضرت عبید اللہ سندھی، مولانا ابوالکلام آزاد اور بہت سے دوسرے علماء نے تردید کی بلکہ سب سے پہلے خود رسول اقدس صلی اللہ و آلہ وسلم اور آپؐ کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ نے جماعت صحابہ کی موجودگی میں تردید کر دی تھی جسے ہم انشاء اللہ اس کے مقام پر بیان کریں گے۔

"رفع" کے معنی

قرآن کریم کے تمام مفسرین نے تفسیر کا ایک زریں اصول مقرر کیا ہے کہ کلام الٰہی کی سب سے بہتر تفسیر وہ ہے جو خود کلام الٰہی سے ہوتی ہے یعنی قرآن کریم کی آیات کی تفسیر کے لئے ہمیں خود قرآن کریم کی طرف رجوع کرنا چاہئے اگر وہاں سے رہنمائی حاصل نہ ہو تو دوسری طرف رجوع کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں جب ہم لفظ "رفع" کے معنی اور اس کی تفسیر کے لئے قرآن کریم کی طرف رجوع کرتے ہیں تو ہمیں متعدد مقامات پر یہ لفظ ملتا ہے اور اس کے ایک ہی معنی ملتے ہیں وہ ہیں "بلند کرنا" نہ کہ زمین سے اٹھا لینا۔ مثال کے طور پر اللہ تعالیٰ رسول خدا صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو مخاطب کر کے فرماتا ہے:-

وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ (سورہ الم نشرح آیت ۔ ۴)

(اور ہم نے تیرے ذکر کو بلند کیا)

جب یہاں "ورفعنا" میں "رفع" کے معنی کئے جاتے ہیں تو اس سے یہ مراد لی جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور اقدسؐ کے ذکر کو بلند شان عطا کی۔ ہمارے ان مفسرین کے قاعدے کی رو سے اس کے یہ معنی ہونے چاہئیں کہ اے رسول ہم نے تیرے ذکر کو زمین سے اٹھا لیا گویا نعوذ باللہ اب زمین پر کوئی تیرا نام نہیں لے گا کیونکہ زمین سے تیرا ذکر اٹھا لیا گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون ط حالانکہ حضورؐ کا ذکر تو ہر لحظہ بلند ہو رہا ہے ہر درود کے ساتھ بلند ہو رہا ہے اور قیامت تک بلند ہوتا چلا جائے گا۔ پس ثابت ہوا کہ لفظ "رفع" کے اصل معنی یہی ہیں کہ بلند کرنا، درجات میں ترقی دینا۔

پھر ایک مقام پر فرمایا:-

وَرَفَعْنَا فَوْقَهُمُ الطُّورَ (سورہ النسآء آیت نمبر ۱۳۴)

(اور ہم نے طور کو ان پر بلند کیا)

یہاں ذکر حضرت موسیٰؑ اور آپؑ کے ساتھیوں کا ہو رہا ہے کہ جب انہیں کوہ طور کے دامن میں لے جایا گیا تو انہوں نے دیکھا کہ کوہ طور بہت بلند پہاڑ ہے یعنی انہیں اس کی بلندی کے قریب پہنچا دیا گیا۔ حضرت مسیحؑ کے ذکر میں بھی یہی لفظ "رفع" آیا ہے وہاں تو اس سے یہ معنی کئے جاتے ہیں کہ ہم نے اسے اپنی طرف مع جسم اٹھا لیا۔ یہی معنی اگر یہاں بھی لئے جائیں تو مطلب یہ نکلے گا کہ حضرت موسیٰؑ اور آپؑ کے ساتھیوں کو طور کے دامن میں لے جا کر پھر کوہ طور کو اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف اٹھا لیا۔ کیا ایسے مضحکہ خیز معنی قابل قبول ہوں گے۔

پھر ایک اور مقام پر فرمایا

نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَآءُ ط (سورہ الانعام آیت نمبر ۸۴)

(ہم جس کے درجات چاہتے ہیں بلند کر دیتے ہیں)

ذکر حضرت ابراہیمؑ کا ہو رہا ہے اس سے متصل مضمون یہ ہے کہ "یہ ایک دلیل تھی جو ہم نے ابراہیمؑ کو عطاء کی" پھر فرمایا کہ "ہم جس کے درجات چاہتے ہیں بلند کر دیتے ہیں" یہاں بھی "نرفع" میں لفظ "رفع" موجود ہے۔ حضرت مسیحؑ کے ساتھ بھی لفظ "رفع" موجود ہے وہاں اس کے یہ معنی کئے جاتے ہیں کہ حضرت مسیحؑ کو آسمان پر اٹھا لیا۔ یہاں نرفع کے معنی کرتے وقت یہ مراد لی گئی کہ ہم جس کے درجات چاہتے ہیں بلند کر دیتے ہیں حالانکہ یہاں بھی یہی معنی کرنے چاہئیں کہ ہم جسے چاہتے ہیں آسمان پر اٹھا لیتے ہیں پس ہم نے ابراہیمؑ کو بھی مع جسم آسمان پر اٹھا لیا مگر کوئی مفسر یہ معنی نہیں کرتا ایسے معنی عقلاً اور واقعتہً غلط ہیں کیونکہ حضرت ابراہیمؑ کو آسمان پر نہیں اٹھا گیا بلکہ آپؑ کے درجات بلند کئے گئے ہیں۔

پھر ایک اور مقام پر فرمایا کہ:-

وَلَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنٰهُ بِهَا وَلٰكِنَّهٗٓ اَخْلَدَ اِلَى الْاَرْضِ الخ (سورہ الاعراف آیت نمبر ۱۷۷)

(اور اگر ہم چاہتے تو اسے ان (نشانات) کے ذریعے بلند کر دیتے لیکن وہ زمین کی طرف جا گرا)

یہاں ذکر "بلعم باعور" کا ہو رہا ہے اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم اس کے درجات بلند کرنا چاہتے تھے مگر وہ بدبخت پستی کی طرف چلا گیا۔ یہاں بھی لرفعنہ میں لفظ "رفع" استعمال ہوا ہے یہی لفظ حضرت مسیحؑ کے بارے میں استعمال ہوا وہاں اس کے معنی یہ لئے جاتے ہیں

کہ آپؑ کو مع جسم آسمان پر اٹھالیا۔ اس اصول کے تحت "بلعم باعور" کے واقعے میں یہ معنی کرنے چاہئیں کہ ہم اسے مع جسم آسمان پر اٹھانا چاہتے تھے مگروہ بد بخت زمین کی پستی کی طرف جھک گیا۔ کیا اللہ تعالیٰ حضرت مسیحؑ کی طرح "بلعم باعور" کو بھی آسمان پر مع جسم اٹھانا چاہتا تھا؟ ظاہر ہے ایسا نہیں تھا بلکہ اس کی کثرت عبادت اور شبانہ روز دعاؤں کے پیش نظر اللہ تعالیٰ اس کے درجات بلند کرنا چاہتا تھا مگر اس نے ٹھوکر کھائی اور دنیا کی طرف جھک گیا۔ آخر یہاں بلعم باعور کے معاملے میں رفع کے معنی بلندئ درجات کیوں کئے جاتے ہیں اس کا ایک ہی جواب ہے کہ جب بھی کوئی انسان نیکی، تقویٰ اور پرہیز گاری میں ترقی کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے روحانی مراتب کو بلند کرتا جاتا ہے اس کا جسم آسمان پر نہیں اٹھاتا نہ ہزاروں سال کے لئے اپنے پاس بٹھالیتا ہے۔

یہ چند مثالیں ہیں ورنہ قرآن کریم ایسی مثالوں سے بھرپڑا ہے اور "رفع" کے یہی معنی ہر جگہ مراد لئے گئے ہیں کہ درجات کو بلند کرنا۔ پس اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیحؑ کے بارے میں بھی فرمایا کہ نہ انہیں قتل کیا گیا، نہ انہیں صلیب پر مارا گیا بلکہ ہم نے ان کے روحانی مراتب بلند کئے ان کے درجات کو ترقی دی، اپنے حضور میں انہیں ارفع و اعلیٰ مقام عطا کیا۔

اس باب کے آغاز میں عرض کیا گیا تھا کہ قرآن حکیم قصوں کہانیوں کی کتاب نہیں ہے بلکہ اس میں جو واقعات بیان کئے گئے ہیں ان کا مقصد درس حکمت و عبرت ہے اور انبیاء کے بارے میں پیدا ہو جانے والی غلط فہمیوں کا ازالہ مقصود ہے۔ قرآن حکیم کو اسی تناظر میں پڑھنا اور اس پر غور کرنا چاہئے۔ یہود دعویٰ کرتے تھے کہ ہم نے مسیحؑ عیسیٰؑ ابن مریمؑ کو صلیب پر مار دیا اور تورات کی رو سے جسے صلیب پر مارا جائے یا پھانسی دی جائے وہ لعنتی ہوتا ہے اس طرح یہ بد بخت اللہ کے ایک مقدس نبی کو نعوذ باللہ لعنتی ثابت کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے نہایت حکیمانہ طریقہ سے حضرت مسیحؑ کو اس الزام سے پاک قرار دیا اور فرمایا کہ ہم نے تو مسیحؑ ابن مریمؑ کے درجات بلند کئے، اپنے حضور میں اسے اعلیٰ مقام دیا جیسے کہ دوسرے انبیاء کو عطا فرمایا۔ اگر وہ (نعوذ باللہ) لعنتی ہوتا تو ہم اس کا رفع کبھی نہ کرتے۔ پس اے یہودیو! تمہارا یہ دعویٰ غلط ہے کہ تم نے اسے صلیب پر قتل کر دیا اور اے مسیحیو! تم بھی غلطی پر ہو جو کہتے ہو کہ مسیحؑ اپنی امت کے لئے مصلوب ہوا وہ ہرگز صلیب پر نہیں مرا اگر ایسا ہوتا تو اس کے درجات کبھی بلند نہ کیے جاتے "کیونکہ تم خود تورات پر ایمان رکھتے ہو اور تورات میں صاف لکھا ہے کہ صلیب پر مرنے والا لعنتی ہوتا ہے۔ یہ وہ سر اور راز تھا جسے کم فہم لوگ نہ سمجھ سکے اور اللہ کے ایک نبی کے بارے میں طرح طرح

کے افسانے گھڑ کر اور انہیں درست تسلیم کر کے اس مقدس وجود کو تماشہ بنا دیا انا للہ و انا الیہ راجعون ط ○

کیا خدا آسمان میں مقید ہے

"رفع" کے غلط معنی کرنے کے نتیجے میں اس خیال کے لوگوں کو ایک اور مصیبت سے دوچار ہونا پڑا۔ گویا ایک مصیبت دوسری کو دعوت دیتی ہے چونکہ رفع کے معنی آسمان پر اٹھانے کے سمجھ لئے گئے اس لئے الیہ کے معنی بھی غلط کرنے پڑے۔ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیحؑ کے بارے میں فرمایا کہ بل رفعہ اللہ الیہ (بلکہ ہم نے اسے اپنی طرف بلا لیا) تو اس سے یہ مراد لیا گیا کہ اسے مع جسم آسمان پر اٹھالیا۔ حالانکہ یہاں آسمان کا لفظ سرے سے موجود ہی نہیں۔ ہاں اگر اللہ تعالیٰ یوں فرماتا کہ بل رافعہ اللہ الی السماء (بلکہ ہم نے اسے آسمان پر اٹھالیا) پھر تو یہ معنی کئے جا سکتے تھے کہ نہ اسے قتل کیا گیا نہ صلیب پر مارا گیا بلکہ اللہ تعالیٰ نے اسے آسمان پر اٹھالیا۔ مگر آپ سارا قرآن پڑھ لیجئے حضرت مسیحؑ کے بارے میں تو کیا، خدا نے کسی بھی نبی کے بارے میں کسی ایک مقام پر آسمان کا لفظ استعمال نہیں فرمایا حالانکہ اگر اس نے آپؑ کو آسمان پر اٹھایا ہوتا تو وضاحت فرما دیتا کہ "ہم نے مسیحؑ کو آسمان پر اٹھالیا" مگر اس نے ایسا نہیں فرمایا۔ کیا یہ حیرت بلکہ انتہائی دکھ کی بات نہیں اور قرآن کریم میں صریح معنوی تحریف نہیں کہ لوگ اس میں اپنی طرف سے وہ بات داخل کر دیں جو اللہ نے نہیں فرمائی۔

اگر تھوڑی دیر کے لئے یہ فرض بھی کر لیا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیحؑ کو مع جسم اٹھالیا اور وہ آسمان پر چلے گئے تو اس سے لازم آئے گا کہ اللہ تعالیٰ آسمان کے کسی خاص مقام پر مقید و محدود ہے، وہیں اس نے حضرت مسیحؑ کو اٹھا کر بٹھالیا، لیکن ایسا عقیدہ رکھنا صریحاً کفر ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ تو لامکاں ہے اس کا جسم نہیں کہ اسے کسی خاص جگہ یا مقام پر محدود رہنے کی مجبوری ہو۔ وہ تو ہر جگہ ہے، پھر ماننا پڑے گا کہ حضرت مسیحؑ بھی ہر جگہ خدا کے ساتھ ساتھ ہیں۔ خدا بھی ہر جگہ حاضر و ناظر ہے اور اس کے ساتھ ساتھ حضرت مسیحؑ بھی ہر جگہ حاضر و ناظر ہیں، انا للہ و انا الیہ راجعون ط ○ ایک غلط عقیدہ اختیار کر لینے کے نتیجے میں اسلامی عقائد کی دنیا میں کیسے کیسے فساد برپا ہوں گے؟ اس کا احساس و اندازہ کرنا چاہئے۔

پس درست، مطابق عقل اور مطابق اسلام یہی عقیدہ ہے کہ حضرت مسیحؑ کو نہ قتل کیا گیا نہ صلیب پر مارا گیا نہ بقول علمائے نصاریٰ آسمان پر اٹھایا گیا بلکہ یہودیوں کے اعتراضات کو رد کرتے

ہوئے خود اللہ تعالیٰ نے صراحت فرما دی کہ انہیں طبعی طور پر وفات دی گئی، ان کے درجات و مراتب کو بلند کیا اور انہیں اپنا قرب روحانی عطا فرمایا جیسے کہ اس نے اپنے دوسرے مقدس انبیاء کے مراتب بلند کئے۔ چنانچہ ایک اور نبی حضرت ادریس علیہ السلام کے بارے میں بھی اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِدْرِيْسَ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا وَّرَفَعْنٰهُ مَكَانًا عَلِيًّا ۝

(سورہ مریم آیت نمبر ۵۸)

یہاں بھی حضرت ادریس کے ساتھ "رفع" کا لفظ موجود ہے (و رفعنہ) کیا یہاں بھی اس کے یہی معنی کیے جائیں گے کہ "ہم نے ادریس کو بھی آسمان پر اٹھالیا؟" یہاں ہر مفسر اس کے یہی معنی کرتا ہے کہ "ہم نے ادریس کو بلند اور اعلیٰ و ارفع مقام عطا کیا کیونکہ وہ راستباز نبی تھا"۔ معلوم ہوا کہ تمام راستباز نبیوں کو اللہ تعالیٰ اعلیٰ و ارفع مقام عطا فرماتا ہے آسمان پر نہیں اٹھاتا۔ یہ صرف حضرت مسیح ناصری علیہ السلام کے لئے مخصوص نہیں، اس کی یہ سنت تمام انبیاء کے لئے ہے۔ قرآن اور احادیث صحیحہ اس کی شہادت دیتے ہیں اور تمام بالغ نظر مفسرین کا بھی یہی عقیدہ تھا اس میں کسی فرقے یا مسلک کی کوئی قید نہیں۔

ممتاز شیعہ مفسر کا نقطۂ نگاہ

اہل سنت و الجماعت کے بعد شیعہ فرقہ مسلمانوں کا دوسرا بڑا فرقہ ہے اس فرقے کے علماء کا مدت دراز تک یہی عقیدہ رہا کہ حضرت مسیحؑ کا آسمان پر اٹھایا جانا خلاف واقعہ اور خلاف قرآن ہے چنانچہ اس فرقے کے ممتاز عالم اور مفسر قرآن علامہ الشیخ فضل بن الحسن فضل الطبرسی المشہدی نے اپنی مشہور عالم تفسیر "مجمع البیان" میں یہی نقطہ نگاہ اختیار فرمایا کہ جناب مسیح ابن مریمؑ وفات پا چکے ہیں۔

یہ ممتاز شیعہ مفسر چھٹی صدی ہجری کے عالم تھے اور ۵۴۸ھ میں فوت ہوئے اب ان کا عقیدہ اور نقطۂ نظر ملاحظہ فرمایئے:-

قال الجبائی و فی ھٰذہٖ الاٰیۃ دلالۃ علیٰ انہٗ اماتَ عیسیٰ وتوفّٰہ ثُمّ رفعہٗ الیہ لانہٗ بیّن انہٗ کان شھیدًا علیھم مادام فیھم فلما توفاہ اللّٰہ کان ھو الشھید علیھم لانّ التوفی لا یستفاد من الطلاقہ الا الموت (۵)

(جبائی بیان کرتے ہیں کہ یہ آیت اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ عیسیٰؑ کو وفات دے کر اللہ

تعالیٰ نے ان کی روح قبض کرلی اس کے بعد ان کا اپنی طرف رفع فرمایا کیونکہ جناب عیسیٰؑ نے اللہ تعالیٰ کے حضور میں بیان کیا کہ میں تو اپنی امت پر اس وقت تک شاہد (گواہ) تھا جب تک ان کے درمیان موجود رہا مگر جب تو نے مجھے موت دے دی، میری روح قبض کرلی اس کے بعد تو ہی ان پر شاہد (گواہ) تھا اس لئے کہ اگر لفظ توفی مطلق آئے تو اس کے معنی صرف اور صرف موت ہوتے ہیں علامہ شیخ فضل بن الحسن نے اپنے فرقے کا عقیدہ اور نقطۂ نظر پوری وضاحت سے بیان کر دیا کہ قرآن شریف کی آیت "فلما توفیتنی" میں اللہ تعالیٰ نے صاف طور پر بیان فرما دیا ہے کہ اس نے حضرت مسیح ابن مریمؑ کو وفات دے دی، پھر انہیں اپنے پاس بلا کر بلند درجے پر فائز کیا۔ یہ نقطہ نظر آٹھ سو سال تک پیش کیا جاتا رہا اور اس کی کسی بڑے سے بڑے شیعہ عالم نے تردید نہیں کی لیکن افسوس کہ ان کی وفات کے قریباً آٹھ سو سال کے بعد ان کی تفسیر میں تحریف کی گئی اور ان کی روح کو اذیت پہنچائی گئی چنانچہ ۱۳۸۰ھ میں بیروت سے "کتب الحیات" کے زیر اہتمام علامہ فضل بن الحسن کی تفسیر "مجمع البیان" کا جو ایڈیشن شائع کیا گیا اس میں آخری لفظ "الموت" سے قبل ایک تو لفظ "الا" حذف کر دیا گیا دوسرے لان التوفی کے الفاظ کے ساتھ ایک نوٹ حاشیے میں لکھ دیا گیا کہ "یہ ضعیف ہے"۔

سوال یہ ہے کہ ممتاز شیعہ عالم علامہ جبائی (محمد بن عبد الوہاب الجبائی البصری) جو دوسری صدی کے جید عالم اور مفسر قرآن تھے انہیں اس روایت کے ضعف کا علم نہیں ہو سکا؟ اور پھر علامہ شیخ فضل الطبرسی نے بھی اس روایت کو ضعیف قرار نہیں دیا قریباً آٹھ سو سال تک سارے علماء اثنا عشری اس سے اتفاق کرتے رہے آخر ان کی وفات کے آٹھ سو سال بعد یہ انکشاف کیوں ہوا؟ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ سیاسی مصلحتیں مذہب میں بھی در آئیں۔ بہرحال اس تحریف اور تبدیلی کے باوجود علامہ فضل الطبرسی کے اصل نسخے سے جو ۱۸۶۸ء میں ایران سے شائع ہوا تھا علامہ مرحوم کا عقیدہ تو نہیں مٹایا جا سکتا اور یہ نسخہ پکار پکار کر کہہ رہا ہے کہ فرقہ اثنا عشری کا بہت بڑا مفسر قرآن اسی عقیدے کا قائل تھا کہ جناب مسیح ناصریؑ فوت ہو کر اپنے اللہ کے حضور حاضر ہو گئے۔ انہیں آسمان پر اٹھانے کا عقیدہ قطعاً "غیر اسلامی اور خلاف قرآن ہے۔ ان کے اس عقیدے کو شیعہ علماء میں آٹھ سو سال تک مقبولیت حاصل رہی۔ ان کی وفات کے بعد ان کی تفسیر کے ساتھ کیا سلوک کیا گیا؟ اس سے وہ بری ہیں اور نہ اس سے ان کا نقطۂ نگاہ مجروح و متاثر ہوتا ہے انہیں جو کچھ کہنا تھا لکھ گئے جو سند ہے۔

رسول اقدسؐ کا قول فیصل

اس باب کے آخر میں روئے زمین کی سب سے بڑی ہستی اور قرآن مجسم، رسول اقدسؐ کا فیصلہ؟ جو قول فیصل کی حیثیت رکھتا ہے:۔

تاریخ اسلام کا ادنیٰ طالب علم بھی جانتا ہے کہ نجران کے عیسائی علماء و اکابر کا ایک وفد حضورؐ اقدس کی خدمت میں اسلام کی حقانیت پر تبادلہ خیال کرنے کی غرض سے حاضر ہوا تھا۔ اس وفد سے حضورؐ کی تفصیلی گفتگو ہوئی۔ یہ وہی وفد ہے جسے حضور اقدسؐ نے مسجد نبویؐ میں عیسائی طریقے کے مطابق عبادت کرنے کی اجازت عطا فرمائی تھی۔ اس وفد کو حضور اقدسؐ نے دعوت مباہلہ دی تھی جس کا قرآن حکیم میں بھی ذکر ہے۔ مباہلے کی دعوت سے قبل حضورؐ نے ارکان وفد کو تبلیغ فرمائی اور ان کے غلط عقائد کی تردید کی۔ آپؐ نے ان کے جن غلط عقائد کی تردید فرمائی ان میں یہ مشہور مسیحی عقیدہ بھی شامل تھا کہ جناب مسیحؑ جسم خاکی کے ساتھ آسمان پر تشریف فرما ہیں۔ چنانچہ عالم اسلام کے بہت بڑے عالم اور مفسر قرآن حضرت علامہ ابی الحسن نیشا پوری اپنی تفسیر "اسباب النزول" میں سورہ آل عمران کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

"نجران کے عیسائی وفد سے حضورؐ نے استفسار فرمایا کہ کیا تمہیں معلوم نہیں کہ ہمارا رب ہمیشہ سے زندہ ہے اور ہمیشہ زندہ رہے گا، اس پر موت نہیں جبکہ:۔

وأن عیسیٰ اتی علیہ الفنا

(عیسیٰؑ پر فنا آچکی، (وہ فوت ہو گئے)

اس واضح ترین اور دو ٹوک فیصلے کے بعد اس امر میں کسی قسم کے شک و شبہ کی گنجائش باقی نہیں رہی کہ جناب مسیحؑ ہرگز آسمان پر نہیں گئے بلکہ ان پر فنا آچکی وہ فوت ہو گئے یہ حضور اقدسؐ کا فیصلہ ہے مگر افسوس کہ حضرت مسیحؑ کو آسمان پر زندہ ثابت کرنے کے لئے حضور اقدسؐ کے فیصلے میں بھی شرمناک تحریف کی گئی اور "اتی" جو ماضی کا صیغہ ہے اسے "یاتی" سے بدل کر جو مستقبل کا صیغہ ہے یہ معنی پیدا کرنے کی کوشش کی گئی کہ عیسیٰؑ پر فنا آئے گی۔ جن لوگوں کو علم ادب وانشا سے تھوڑا سا بھی حصہ عطا ہوا ہے وہ اس نکتے کو ضرور سمجھیں گے کہ اصول فصاحت کے لحاظ سے بھی یہ بات بڑی عجیب ہے کہ حضور اقدسؐ عیسائی علماء و اکابر کے سامنے مسیحؑ کی خدائی کی تردید کرتے ہوئے پہلے تو یہ عقیدہ بیان فرماتے ہیں کہ:۔

ہمارا رب تو ہمیشہ سے زندہ ہے اور ہمیشہ زندہ رہے گا اس پر کبھی فنا نہیں آئے گی اور پھر ساتھ

ہی یہ بھی فرماتے ہیں کہ عیسیٰ (بھی) زندہ ہے اس پر فنا نہیں آئی (البتہ) عیسیٰ پر فنا آئے گی (مستقبل میں کسی وقت آئے گی)

اس طرح تو دونوں میں مشارکت پیدا ہو گئی یعنی ہمارا رب بھی زندہ ہے اور عیسیٰؑ بھی زندہ ہے اس سے تو مسیحی عقیدے کو تقویت ملے گی، حضرت مسیحؑ کی خدائی کو تقویت ملے گی کہ اللہ تعالیٰ بھی زندہ ہے اور مسیح بھی زندہ ہے اس پر فنا آئے گی ضرور مگر کب آئے گی؟ کسے خبر؟ ابھی تو زندہ ہے اور صدیاں گذر گئیں کہ زندہ ہے۔ پھر غور کیجئے کہ ان دونوں باتوں میں کیا جوڑ ہے کہ ہمارا رب ہمیشہ سے زندہ ہے اور ہمیشہ زندہ رہے گا اس پر فنا نہیں (اور عیسیٰؑ پر بھی فنا نہیں آئی) کبھی آئے گی

کیا حضور اقدسؐ جیسی فصیح ترین ہستی سے اس قسم کے اہمل اور بے جوڑ الفاظ کے صدور کی توقع کی جا سکتی ہے جو اصول فصاحت کے بھی خلاف ہوں۔ فصاحت تو جب پیدا ہو سکتی ہے اور دونوں باتوں میں ربط تو اسی وقت قائم ہو سکتا ہے جب یوں کہا جائے کہ:۔

"ہمارا رب ہمیشہ سے زندہ ہے اور ہمیشہ زندہ رہے گا، اس پر فنا نہیں جبکہ عیسیٰؑ پر فنا آچکی، وہ فوت ہو گیا۔"

اور بلاشبہ حضورؐ نے فرمایا بھی یہی تھا کہ:۔

"تعلمون ان ربنا حیٌّ لا یموت وان عیسیٰ اتٰی علیہ الفنا"

(کیا تمہیں نہیں معلوم کہ ہمارا رب ہمیشہ سے زندہ ہے، ہمیشہ زندہ رہے گا اس پر فنا نہیں آئے گی جبکہ عیسیٰؑ پر فنا آگئی یعنی وہ فوت ہو گیا)

قطع نظر اس بحث سے اصل مسئلہ یہ ہے کہ حضورؐ نے واقعتاً کیا فرمایا؟ سو علامہ ابن الحسن ابی الحسن علی بن احمد الواحدی نیشا پوری کی کتاب "اسباب النزل" لائبریریوں میں موجود ہے جس کا وہ ایڈیشن جو مصر سے ۱۳۸۷ھ میں شائع ہوا ہے دیکھا جا سکتا ہے اس میں یہ عبارت اسی طرح موجود ہے جس کا ترجمہ یہ ہے کہ "عیسیٰؑ پر فنا آگئی" وہ فوت ہو گئے۔ پس حضورؐ کے اس ارشاد مقدس نے اس نزاع کا ہمیشہ کے لئے فیصلہ کر دیا کہ جناب مسیحؑ ابن مریمؑ فوت ہو کر اپنے رب کے حضور حاضر ہو گئے اور دیگر تمام انبیاء کی طرح اپنا جسم خاکی اسی زمین پر چھوڑ گئے۔ خود نجران کے عیسائیوں کو بھی اس صداقت کا انکار کرنے کی جرات نہیں ہو سکی اور جب حضورؐ نے انہیں مباہلے کی دعوت دی تو انہوں نے راہ فرار اختیار کرنے میں ہی عافیت سمجھی کیونکہ حضور اقدسؐ سے گفتگو کرنے کے بعد انہیں یقین ہو گیا تھا کہ وہ غلط عقیدے پر قائم ہیں۔

حوالہ جات

(۱) The Acts P-84 (ہولی بائبل) کنگ جیمز ورشن نیویارک (دوسرا نسخہ "دی ہولی بائبل" مطبوعہ برٹش اینڈ فارن بائبل سوسائٹی ۱۴۶ کوئین وکٹوریہ سٹریٹ لندن)

(۲) ترجمان القرآن۔ جلد اول صفحہ نمبر ۴۳۱ از مولانا ابوالکلام آزاد شائع کردہ مکتبہ سعیدیہ ناظم آباد نمبر ۴ کراچی۔

(۳) "ملفوظات آزاد" جلد اول (دہلی) نمبر ۱ صفحہ ۱۲۰ مرتبہ محمد اجمل خان پرائیویٹ سیکرٹری مولانا آزاد) شائع کردہ حالی پبلشنگ ہاؤس دہلی

(۴) الهام الرحمٰن فی تفسیر القرآن الجزالثانی صفحہ نمبر ۴۹ از مولانا عبیداللہ سندھی

(۵) تفسیر مجمع البیان "زیر آیت فلما توفیتنی" (سورہ المائدہ) مطبوعہ ایران (۱۸۶۸ء)

(٦) "اسباب النزل" مولفہ ابی الحسن علی بن احمد الواحدی نیشاپوری صفحہ ۵۳ شائع کردہ مکتبہ و مطبع مصطفٰی البابی الحلبی، مصر طبع الثانیہ ۱۳۸۷ھ = ۱۹۶۸ء

مسیحؑ سے چار وعدے

قرآن حکیم کا ایک اسلوب یہ بھی ہے کہ وہ جس واقعے کو بنی نوع انسان کے لئے زیادہ اہم سمجھتا ہے اس کا بار بار اور تواتر سے ذکر کرتا ہے، اس کے مختلف پہلوؤں کی نشاندہی فرماتا ہے اور ان کی تصریح و وضاحت کرتا ہے حضرت مسیحؑ کے واقعۂ صلیب سے پیدا ہونے والی غلط فہمیوں پر بھی اس نے متعدد مقامات پر بحث کی اور ہر وہ پیرائیہ بیان اختیار کیا جس سے ان غلط فہمیوں کا ازالہ ہو سکے چنانچہ ایسا ہی ایک مقام وہ ہے جب اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰؑ کی زندگی میں آپؑ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:۔

إِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيسَىٰ إِنِّي مُتَوَفِّيكَ وَرَافِعُكَ إِلَيَّ وَمُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِينَ كَفَرُوا وَجَاعِلُ الَّذِينَ اتَّبَعُوكَ فَوْقَ الَّذِينَ كَفَرُوا إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ ۚ (سورہ آل عمران آیت نمبر ۵٦)

(یاد کرو) جب کہا اللہ تعالیٰ نے کہ اے عیسیٰ میں تجھے وفات دینے والا ہوں اور پھر تجھے اپنی طرف اٹھانے والا ہوں اور کافروں کے (الزامات سے) پاک کرنے والا ہوں اور تیری پیروی کرنے والوں کو تیرے منکروں پر قیامت تک کے لئے غالب کرنے والا ہوں)

یہاں اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیحؑ سے ان کی زندگی میں چار وعدے فرمائے (۱) میں تجھے وفات دوں گا (۲) پھر تجھے اپنے حضور بلند شان مرتبہ دوں گا (۳) تجھے ان الزامات سے پاک کروں گا جو تیرے منکر تجھ پر عائد کرتے ہیں (۴) تیری پیروی کرنے والوں کو تیرے منکروں پر قیامت تک غالب رکھوں گا۔

ہم اس سے پہلے بھی عرض کر چکے ہیں کہ اللہ تعالیٰ قرآن حکیم کے ذریعے حضرت مسیحؑ کی بابت ان غلط فہمیوں کا ازالہ کرنا چاہتا ہے جو آپؑ کے بارے میں پیدا کر دی گئیں

- ان چاروں وعدوں کی صورت میں حضرت مسیحؑ کی عظمت و رفعت بیان کی جارہی ہے اور آپؑ پر سے یہودیوں کے بہتانوں کو دور کیا جارہا ہے "انی متوفیک" (میں تجھے وفات دوں گا) کہہ کر مسیحیوں کی اس غلط فہمی کا ازالہ فرمایا کہ مسیحؑ ابن اللہ ہیں یا فوت ہوکر دوبارہ زندہ ہوں گے۔ فرمایا کہ "تجھ پر موت آئے گی" جبکہ اللہ تعالیٰ اس نقص سے پاک ہے پس معلوم ہوا کہ حضرت عیسیٰؑ میں الٰہی صفات موجود نہیں نہ وہ تین میں سے ایک ہے بلکہ وہ انسان ہے اور اسے بھی انسان کی طرح زندگی اور موت دونوں مراحل سے گزرنا ہوگا۔ دوسرا وعدہ یہ فرمایا کہ وفات دینے کے بعد میں تجھے اپنے حضور بلند مقام عطا کروں گا (رافعک الی) میں اسی طرف اشارہ ہے یعنی جس طرح میں نے اپنے دوسرے مقبول بندوں اور دیگر مقدس انبیاء کو وفات دے کر ان کا رفع کیا یعنی انھیں اپنے حضور بلند مراتب عطا فرمائے یہی سلوک تیرے ساتھ بھی کروں گا۔ اس طرح یہود کے اس الزام کی تردید فرما دی کہ حضرت مسیحؑ صلیب پر مارے گئے اس لیے وہ نعوذ باللہ لعنتی تھے کیونکہ تورات کی رو سے صلیب پر مارا جانے والا لعنتی ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس وعدے کے ذریعے یہود کے اس ناپاک خیال کی بھی تردید فرما دی۔

وفات کے بعد رفع الی اللہ

اس وعدے میں ایک بلیغ نکتہ ان مسلمانوں کے لیۓ ہے جنھوں نے مسیحی علماء سے متاثر ہوکر یہ غیر اسلامی عقیدہ اختیار کرلیا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیحؑ کو آسمان پر اٹھا لیا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہرگز ایسا نہیں۔ اے عیسیٰؑ ابن مریمؑ میں پہلے تجھے وفات دوں گا اس کے بعد تجھے اپنی طرف بلا کر بلند شان مرتبہ عطا کروں گا۔ گویا پہلے وفات کا واقعہ پیش آئے گا اس کے بعد اللہ تعالیٰ کے پاس جاکر اعلیٰ وارفع درجات حاصل کرنے کا۔ اگر یہ عقیدہ اختیار کیا جائے کہ حضرت مسیحؑ پہلے آسمان پر جائیں گے یا چلے گئے اس کے بعد آپؑ کی وفات ہوگی تو یہ ترتیب قرآن کے خلاف ہے کیونکہ قرآن فرماتا ہے کہ (۱) یٰعیسیٰ انی متوفیک (۲) ورافعک الی۔ اس میں دو وعدے ہیں اور دونوں ترتیب وار بیان کئے گئے ہیں (۱) پہلا وعدہ یہ کہ میں تجھے وفات دوں گا ... کہ پھر تجھے اپنی طرف بلاؤں گا۔ مگر ہمیں یہ سکھایا اور پڑھایا جاتا ہے کہ نہیں! پہلے حضرت مسیحؑ آسمان پر گئے ہیں اس کے بعد

واپس آکر فوت ہوں گے گویا یہ لوگ ترتیب قرآنی کو بدل دیتے ہیں جس کا اختیار کسی شخص تو کیا اس مقدس ترین ہستی کو بھی حاصل نہیں تھا جس پر قرآن نازل ہوا کیونکہ حضورؐ تو قرآن حکیم کی سب سے اول پیروی کرنے والے اور کلام الٰہی کو اسی حالت میں لوگوں تک پہنچانے کے ذمہ دار تھے جس طرح اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا تھا۔ پس بہت بد بخت ہے وہ شخص جو رسولؐ خدا کی پیش کردہ ترتیب قرآن کو بدل دے اور خود نئی ترتیب قائم کرے

پس اس طرح اللہ رب العزت نے مسلمانوں کے اس غلط خیال کا ازالہ فرما دیا کہ حضرت مسیحؑ آسمان پر بیٹھے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فیصلہ فرما دیا کہ نہیں، وہ فوت ہوگئے اور ہمارے حضور میں حاضر ہوکر بلند درجات پر فائز ہوگئے۔

"توفی" کا تنازعہ

دراصل ایک بنیادی غلطی کرنے سے اس پر غلطیوں کی پوری عمارت تعمیر ہو جاتی ہے چونکہ ہمارے بعض مفسرین سے ایک بنیادی غلطی ہوگئی کہ انہوں نے حضرت عیسیٰؑ کے بارے میں یہ نظریہ قبول کرلیا کہ وہ آسمان پر اٹھا لیۓ گئے۔ اس غلطی کو قائم رکھنے کے لیۓ دوسری غلطی یہ کرنی پڑی کہ رفع کے معنیٰ مع جسم اٹھانے کے کیۓ گئے تیسری غلطی یہ کرنی پڑی کہ انی متوفیک کو جو پہلے ہے معنی کے لحاظ سے اسے بعد میں کرنا پڑا اور "ورافعک الی" جو بعد میں ہے اسے پہلے لانا پڑا تاکہ خود ساختہ معنی پیدا کیۓ جا سکیں۔ اس تیسری غلطی کے بعد چوتھی غلطی یہ کرنا پڑی کہ "متوفی" اور "توفی" کے معنی میں تحریف کی گئی اور ان الفاظ کو ایسے معنی پہنائے گئے جن کا یہ لفظ متحمل نہیں ہوسکتا بلکہ ان معانی کے لیے بہ لحاظ موقع و محل بتایا ہی نہیں گیا۔ یہ موقف اختیار کیا گیا کہ "توفی" کے معنی "پورا پورا لے لینا" ہیں۔ بلا شبہ ہم اس لفظ کے ان معانی کا انکار نہیں کرسکتے یقیناً "توفی" کے ایک معنی پورا پورا لینے کے بھی ہیں لیکن غور طلب بات یہ ہے کہ یہ معنی کس موقع اور محل پر استعمال ہوتے ہیں؟ اس نکتے کو نہ سمجھنے کی وجہ سے بڑی پیچیدگیاں پیدا ہوئیں اور سارا معاملہ چیستاں بن کر رہ گیا مگر انہی کے لیے جنھوں نے "توفی" کے معنی ہر جگہ پورا پورا لینے کے کیے تھے۔ ہمارا موقف یہ ہے جس کی قرآن حکیم تائید کرتا ہے کہ یہاں لفظ توفی کے معنی روح کو قبض کرلینے کے ہیں مع جسم اٹھا لینے کے ہرگز نہیں

قرآن حکیم سے ایک ہی مثال پیش کر دی جائے کہ اللہ تعالیٰ نے کسی انسان کیلئے یہ لفظ استعمال کیا ہو اور اس کے معنی روح اور جسم دونوں کو آسمان پر اٹھا لینے کے مراد لیۓ ہوں اگر اس کی ایک مثال بھی پیش کر دی جائے تو اس لفظ کا استعمال ہم حضرت مسیحؑ کے لیۓ درست تسلیم کر لیں گے۔

ایک مولانا کے بیان کردہ معنی

زمانہء حال کے ایک ممتاز عالم نے جو مدت ہوئی فوت ہو چکے ہیں اپنی کتاب میں یہی موقف اختیار کیا ہے کہ "توفی" کے معنی پورا پورا لے لینے کے ہیں یعنی جسم اور روح دونوں کو اٹھا لینے کے ہیں۔ موصوف نے "یٰعیسیٰ انی متوفیک" کے یہی معنی بیان فرمائے ہیں کہ "اے عیسیٰ" میں تجھے پورا پورا لینے والا ہوں" یعنی جسم اور روح کے ساتھ تجھے اٹھانے والا ہوں۔ مولانا کو اصرار ہے کہ اس موقعے پر "توفی" کے صرف یہی معنی ہیں۔ اپنے دعوے کی دلیل کے طور پر حضرت مولوی صاحب نے چند آیات پیش کی ہیں جن میں سے دو یہ ہیں:۔

ثُمَّ تُوَفّٰی کُلُّ نَفْسٍ مَّا کَسَبَتْ (سورہ بقرہ آیت نمبر ۲۸۱)

(مولانا صاحب کا بیان کردہ ترجمہ) "پھر پورا دیا جائے گا ہر ایک نفس کو جو اس نے کمایا"

وَتُوَفّٰی کُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ (سورہ النمل آیت نمبر ۱۱۲)

(مولانا صاحب کا بیان کردہ ترجمہ) "اور پورا دیا جائے گا ہر ایک نفس کو جو اس نے کمایا"

مقام غور ہے کہ سوال کیا ہے اور جواب کیا ہے؟ مسئلہ زیر بحث یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جب کسی شخص کی روح قبض کرنے کا ذکر کرتا ہے تو اس کے لئے "توفی" کا لفظ استعمال فرماتا ہے یا "مات" ----- اور جب یہ دو یا ان میں سے کوئی ایک لفظ خصوصاً" توفی کا لفظ استعمال فرماتا ہے تو سوائے قبض روح اور کوئی معنی نہیں ہوتے۔ اس دعوے کو

(نوٹ) چونکہ کسی عالم دین کا نام لے کر اس کی تنقیص مقصود نہیں تاکہ اس کے عقید تمندوں کی دل آزاری نہ ہو اس لئے کتاب اور اس کے مصنف کا نام درج نہیں کیا گیا۔ جن اصحاب نے کتاب پڑھی ہے وہ سمجھ جائیں گے۔ (مولف)

رد کرنے کے لیۓ دلیل ایسی دینی چاہیۓ تھی جس میں کسی شخص کی وفات کا ذکر ہوتا جسے اللہ تعالیٰ نے روح اور جسم کے ساتھ اٹھا لیا ہوتا! اور لفظ "توفی" استعمال کیا ہوتا تو دلیل ناقابل شکست ہوتی مگر حضرت مولانا نے اپنے دعوے کے ثبوت کے طور پر جو آیات پیش کی ہیں ان میں سے کسی ایک میں بھی کسی انسان کو مع جسم وفات دینے کے معنی میں اس لفظ کا استعمال ثابت نہیں کر سکے نہ پورا پورا لینے کے معنی میں ثابت ہو سکا بلکہ اس کے برعکس دونوں جگہ "پورا دیا جائے گا" کے معنی کیۓ گئے ہیں اور یہ معنی بھی خود مولانا صاحب نے کیۓ ہیں۔ کہاں "پورا لینا" اور کہاں "پورا دینا"۔ دونوں معنی ایک دوسرے کے برعکس اور ایک دوسرے کی ضد۔۔

پھر بحث تو یہ تھی کہ یہ لفظ یعنی "توفی" روح اور جسم دونوں کو پورا پورا لینے کے معنی میں ثابت کیجیۓ۔ لطیفہ یہ ہے کہ حضرت مولانا ثابت کر رہے ہیں "اعمال" کے معنی میں "کمائی" کے معنی میں۔ پھر پڑھ لیجیۓ "ثم توفی" (ترجمہ:۔ اور پورا دیا جائے گا ہر ایک نفس کو جو اس نے کمایا)

"وتوفی" ترجمہ:۔ اور پورا دیا جائے گا ہر نفس کو جو اس نے کمایا)

اب بزرگوں سے کون پوچھنے کی جسارت کر سکتا ہے کہ حضرت! ذکر تو ہو رہا ہے انسان کو پورا پورا لے لینے کا اور آپ اس لفظ کے معنی یہ ثابت کر رہے ہیں کہ "اعمال کا بدلہ پورا پورا" دیا جائے گا۔ آخر بات کیا ہوئی؟ بات تو نہیں بنی۔ آپ کا دعویٰ تو بے دلیل رہا۔ ثابت کیجیۓ کہ "توفی" کے معنی قرآن کی فلاں فلاں آیت میں روح اور جسم دونوں کو اٹھا لینا (پورا پورا لے لینا) بیان کئے گئے ہیں وہ تو ثابت نہیں ہو سکا تو پھر اتنی ضخیم کتاب لکھنے کی کیا ضرورت تھی۔

"توفی" کے استعمال کی مضحکہ خیز مثالیں

اب ہم اس لفظ کے استعمال کی مثالیں پیش کرتے ہیں مگر پہلے خود حضرت مولانا کی پیش کردہ دو اور مثالیں خود مولانا صاحب کے الفاظ میں ملاحظہ ہوں فرماتے ہیں:۔

اَللّٰہُ یَتَوَفَّی الْاَنْفُسَ حِیْنَ مَوْتِہَا وَالَّتِیْ لَمْ تَمُتْ فِیْ مَنَامِہَا

ترجمہ بھی خود ہی فرماتے ہیں "اللہ پورا لیتا ہے جانوں کو ان کی موت کے وقت اور جن

جانوں کو ابھی موت نہیں آئی (انھیں) پورا پورا لے لیتا ہے نیند میں" (کتاب کا صفحہ نمبر ۱۱۳ طبع کراچی)

حضرت مولانا کے ترجمے کی رو سے جو لوگ فوت ہو جاتے ہیں اللہ تعالیٰ انہیں پورا پورا لے لیتا ہے یعنی جسم اور روح دونوں کو آسمان پر اٹھا لیتا ہے اور جن پر موت کا حکم جاری نہیں ہوتا صرف نیند کی حالت میں ہوتے ہیں انھیں بھی پورا پورا لے لیتا ہے یعنی انہیں بھی جسم اور روح دونوں کے ساتھ آسمان پر اٹھا لیتا ہے۔ فرمایئے! دنیا والوں کے لیے باقی کیا بچا۔ جو سوتے میں فوت ہوگئے وہ بھی مع روح اور جسم آسمان پر اٹھا لیئے گئے اور جو غریب ابھی نیند میں تھے جن کی موت کا وقت نہیں آیا تھا وہ بھی آسمان پر چلے گئے انھیں بھی پورا پورا لے لیا گیا۔ عجیب بات یہ ہے کہ وہ سیر آسمانی کرکے واپس بھی آگئے انا للہ وانا الیہ راجعون ط گویا اگلی شب یہی عمل پھر شروع۔ ایک اور مثال حضرت مولانا کی فرماتے ہیں۔

حَتّٰىٓ اِذَا جَآءَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا (انعام)

خود ہی ترجمہ فرماتے ہیں ("یہاں تک کہ جب آتی ہے تم میں سے ایک کسی کو موت، قبض کر لیتے ہیں اس کو ہمارے بھیجے ہوئے (فرشتے)" کتاب کا صفحہ نمبر ۱۱۴)

حضرت مولانا کے ترجمے کی رو سے جب کسی شخص کی موت کا وقت آجاتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے فرشتے اس کو پورا پورا لے لیتے ہیں یعنی اس کا جسم اور روح دونوں کو اٹھا کر آسمان پر چڑھ جاتے ہیں۔ گویا ہر شخص مرنے کے ساتھ ہی مع روح اور جسم آسمان پر چلا جاتا ہے۔ معلوم نہیں پھر یہ جنازے کس کے پڑھے جاتے ہیں اور قبروں میں کون لوگ دفن ہوتے ہیں؟ یہ پوچھنے کی کون جسارت کر سکتا تھا حضرت مولانا سے؟

یہ دو مثالیں ہیں ورنہ ساری کتاب اسی قسم کے عجائب و غرائب سے بھری پڑی ہے یہ کوئی نئی یا عجیب بات نہیں جب کوئی شخص الٰہی صداقت کا مقابلہ کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے فرمودات میں معنوی تحریف کی کوشش کرتا ہے تو اس کا انجام یہی ہوتا ہے۔ حالانکہ دونوں آیات شریفہ کے سیدھے سادے اور مطابق قرآن معنی یہ ہیں کہ :- اللہ یتوفی الانفس (الزمر) جن لوگوں کے لیئے حالت نیند میں موت کا وقت آجاتا ہے ان کی روحیں

قبض کر لی جاتی ہیں یعنی وہ فوت ہو جاتے ہیں اور جن کی موت کا وقت نہیں آتا ان کی روحیں ان کے جسموں میں واپس چلی آتی ہیں یعنی وہ نیند سے بیدار ہو جاتے ہیں۔

اس طرح دوسری آیت "حتی ازا جا احد کم الموت" کے بھی سیدھے اور صاف معنی یہ ہیں کہ جب تم میں سے کسی کی موت کا وقت آجاتا ہے تو ہمارے فرشتے اس کی روح قبض کر لیتے ہیں اور وہ فوت ہو جاتا ہے۔

اگر عین مطابق قرآن یہ معنی لیئے جاتے تو وہ مضحکہ خیز صورت کبھی پیدا نہ ہوتی جو حضرت مولانا کے معنی سے پیدا ہوئی مگر چونکہ وہ "توفی" کے معنی موت اور قبض روح کرنے سے گریزاں تھے اور اس لفظ کے معنی "پورا پورا لینا" تجویز فرما چکے تھے اس لیئے موصوف کو یہ پاپڑ بیلنے پڑے اور حضرت عیسیٰؑ کو پورا لیتے لیتے ساری دنیا کے انسانوں کو پورا پورا لے کر نسل انسانی کی تعطیل کروا دی اور زمین انسانوں کے بوجھ سے کچھ مدت کے لیے فارغ ہوگئی۔

لفظ "توفی" کے قرآنی معنی

اب ہم اس لفظ کے وہ معنی بیان کرتے ہیں جو قرآن نے مراد لیے ہیں۔ اگر اس لفظ کے ان معانی کے سوائے کوئی اور معنی ہوں تو ہمیں بتائے جائیں بشرط صحت ہم قبول کرلیں گے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

اَلَّذِيْنَ تَتَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِىْٓ اَنْفُسِهِمْ (سورہ النحل آیت ۲۸)

یعنی ان کافروں پر عذاب آنے والا ہے جن کی روحیں فرشتے عین اس وقت قبض کرتے ہیں جب وہ اپنی جانوں پر ظلم کر رہے ہوتے ہیں) (سورہ النحل آیت ۲۸)

یہاں "تتوفٰھم" استعمال ہوا ہے یعنی فرشتے ان کی روحیں نکالتے ہیں اور ان کی وفات ہو جاتی ہی۔ یہ معنی تو مراد نہیں لیئے جا سکتے کہ فرشتے ان کافروں کو روح اور جسم کے ساتھ آسمان پر اٹھا لے جاتے ہیں۔

پھر فرمایا :-

اَلَّذِيْنَ تَتَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ طَيِّبِيْنَ (سورہ النحل آیت ۳۱)

(یعنی وہ متقی اور پاک لوگ جن کی روحیں فرشتے قبض کرتے ہیں) (سورہ النحل آیت ۳۱)

یہاں بھی " تتوفھم " کا لفظ استعمال کیا ہے اور معنی یہی مراد لیۓ جائیں گے کہ "جب نیک لوگوں کی روحیں فرشتے قبض کرتے ہیں"۔ یہ معنی تو کوئی مراد نہیں لے گا کہ نیک لوگوں کو پورا پورا لے لیا جائے گا یعنی جب بھی کوئی نیک اور پاک شخص فوت ہوتا ہے تو فرشتے اس کی روح اور جسم دونوں کو لے کر آسمان پر جا بٹھاتے ہیں۔ ایسے معنی تو بالبداہت غلط ہیں۔

پھر ارشاد ہوا:۔ وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا (سورہ البقرہ آیت ۲۳۴)

اور تم میں سے جن لوگوں کو موت آجاتی ہے (جن کی روح قبض کرلی جاتی ہے) اور وہ اپنے پیچھے بیویاں چھوڑ جاتے ہیں) (سورہ البقرہ آیت نمبر ۲۳۴)

یہاں بھی صاف اور واضح معنی ہیں اور بالکل واضح آیت ہے کہ "جو لوگ فوت ہو جاتے ہیں اور اپنی بیویاں چھوڑ جاتے ہیں"۔ ان کے بارے میں ذکر ہورہا ہے کہ انھیں چاہیے کہ وہ عدت کی مدت جو چار ماہ دس دن ہے پوری کریں۔ کیا جو لوگ بیویاں چھوڑ کر مرجاتے ہیں انہیں پورا پورا لے لیا جاتا ہے یعنی آسمان پر مع جسم اٹھالیا جاتا ہے خیال رہے کہ " یہاں بھی " توفی " کا لفظ استعمال ہوا ہے:۔

پھر فرمایا کہ:۔

اَعْبُدُ اللّٰهَ الَّذِيْ يَتَوَفّٰكُمْ (سورہ یونس آیت نمبر ۱۰۴)

(میں اللہ کی عبادت کرتا ہوں جو تم کو وفات دے گا)

یہاں رسول اقدس صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو مخاطب کر کے اللہ تعالٰی فرما رہا ہے کہ "آپ ان (کافروں) سے کہہ دیجئے کہ اگر تم لوگ میرے دین کے بارے میں کسی شک و شبہ میں مبتلا ہو تو اچھی طرح سن لو کہ تم اللہ تعالٰی کے سوائے جن معبودوں کی پرستش کرتے ہو میں ان کی پرستش نہیں کرتا بلکہ میں تو اس اللہ تعالٰی کی عبادت کرتا ہوں جو تمھیں وفات دے گا"۔

یہاں بھی لفظ " توفی " استعمال ہوا ہے۔ کیا یہاں کوئی شخص اس لفظ کے یہ معنی کرے گا کہ میں تو اس اللہ تعالٰی کی عبادت کرتا ہوں جو اے کافرو! موت کے وقت تمھیں

مع جسم آسمان پر اٹھا لے گا (پورا پورا لے لے گا)

ایک اور مقام پر فرمایا کہ:۔

حتی اذا جاء احد کم الموت توفته رسلنا (سورہ الانعام آیت نمبر ۶۱)

(یہاں تک کہ جب تم میں سے کسی پر موت کا وقت آجاتا ہے تو ہمارے بھیجے ہوئے ملائکہ اس کو وفات دے دیتے ہیں یعنی اس کی روح قبض کرلیتے ہیں۔)

ایسا کون سا نادان شخص ہے جو یہاں " توفی " کے یہ معنی مراد لے گا کہ جب تم میں سے کسی کی موت کا وقت آجاتا ہے تو ہمارے فرشتے اسے پورا پورا لے لیتے ہیں یعنی جسم سمیت اسے آسمان پر اٹھا لیتے ہیں۔ اگر یہ معنی مراد لئے جائیں تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ہر شخص موت کے فوراً بعد مع جسم کے آسمان پر چلا جاتا ہے اور اس کی چارپائی خالی رہ جاتی ہے۔

" توفی " پر تکرار کا اعتراض

اسی عالم دین نے جن کا ذکر ہم اس سے پہلے بھی کر چکے ہیں اپنی کتاب میں یہی آیت پیش کی ہے اور یہ موقف اختیار کیا ہے کہ یہاں موت اور "توفته" دو لفظ استعمال ہوئے ہیں اگر ان دو الفاظ میں سے لفظ " توفته " کے معنی بھی وفات مراد لیں اور پورا پورا مراد نہ لیں تو تکرار لازم آئے گی چنانچہ مولانا موصوف فرماتے ہیں:۔

" ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے میں موت ہی کا ذکر ہورہا ہے لیکن پھر بھی " توفته " میں موت ہی کے معنی نہیں بن سکتے ورنہ بے فائدہ تکرار لازم آئے گی یعنی احد کم الموت میں جب لفظ " موت کا ذکر آچکا تو اب توفته " میں بھی اگر " توفی " کے معنی موت ہی کے لیے جائیں تو ترجمہ یہ ہوگا۔" یہاں تک کہ جب آتی ہے تم میں سے ایک سے کسی کو موت، موت لے آتے ہیں ہمارے بھیجے ہوئے (فرشتے) اور ظاہر ہے کہ اس صورت میں دوبارہ لفظ موت کا ذکر بے فائدہ ہے اور کلام فصیح و بلیغ اور معجز تو کیا روز مرہ کے محاورہ اور عام بول چال کے لحاظ سے بھی اور پست اور لا طائل ہو جاتا ہے البتہ اگر " توفی " کے حقیقی معنی کسی شئے پر قبضہ کرنا یا اسے کو " پورا پورا لے لینا " مراد لیۓ جائیں تو قرآن عزیز کا مقصد ٹھیک ٹھیک ادا ہوگا اور کلام بھی اپنے حد اعجاز پر قائم رہیگا " (کتاب کا صفحہ نمبر ۱۴۱ مطبوعہ

کراچی)

حضرت مولانا کا اعتراض یہ ہے کہ اس آیت شریفہ میں موت اور توفتہ ' دو لفظ ایک ہی معنی میں استعمال ہوئے ہیں اگر دونوں کے ایک ہی معنی ہیں یعنی موت دیدینا ' وفات دیدینا تو ان میں سے ایک لفظ زائد ہے جو قرآن حکیم کے کلام معجز نما پر داغ ہے۔ اس سے لازم آتا ہے کہ ان میں سے ایک کے معنی موت یا وفات دینا کرنے پڑیں گے اور دوسرے کے معنی پورا پورا لے لینا"۔

ہمارا موقف یہ ہے کہ مولانا کا یہ اعتراض قلت تدبر اور پہلے سے ایک مفروضہ قائم کر لینے کے نتیجے میں پیدا ہوا۔ درحقیقت یہاں موت اور توفتہ دونوں لفظ دو الگ الگ معنی میں استعمال ہوئے ہیں۔ ایک ہی معنی میں خود حضرت مولانا نے اپنے ذہنی تحفظ کے وجہ سے انہیں محدود و محصور کر دیا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ "حتی اذا جاء احدکم الموت" تو یہاں معنی یہ ہیں کہ "جب تم میں سے کسی ایک کے لیے یا کسی ایک پر موت کا وقت آجاتا ہے' اس کی مدت عمر پوری ہو جاتی ہے تو "توفتہ رسلنا" ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے اس پر موت وارد کر دیتے ہیں اس کی روح قبض کر لیتے ہیں۔ اس سے متصل یہ الفاظ ہیں وھم لا یفطرون ○ یعنی وہ (فرشتے) ہمارے حکم کی تعمیل میں دیر نہیں لگاتے' کمی یا کوتاہی نہیں کرتے۔ گویا لفظ موت میں وقت موت کی طرف اشارہ ہے کہ جب موت کی گھڑی آجاتی ہے تو اس میں ایک لمحے کی تاخیر نہیں ہوتی اور موت کے فرشتے اسی لمحے اس شخص کی روح قبض کر لیتے ہیں' اس پر موت وارد کر دیتے ہیں' اس کا جسم بے جان و بے روح ہو جاتا ہے۔

ہمیں بتایا جائے کہ اس میں کس لفظ کی تکرار ہے اور کہاں تکرار ہے؟ اگر موت کا لفظ اللہ تعالیٰ نے دوبارہ استعمال کیا ہوتا تو اعتراض وارد ہوتا اس نے تو موت اور "توفتہ" دو الگ الگ الفاظ استعمال فرمائے اور دونوں الگ الگ معنی میں۔ ایک "وقت موت" کے معنی میں دوسرا موت وارد کرنے کے فعل کے معنی میں اور آخری الفاظ وھم لا یفطرون فرما کر تشریح مزید کر دی کہ جب موت کے فعل پر عمل درآمد کرنے کا وقت آجائے تو ہمارے فرشتے اس میں ذرا سی بھی کوتاہی نہیں کرتے۔ اگر حضرت مولانا کے

مفروضہ معنی کیئے جائیں تو مطلب یہ نکلے گا کہ جب بھی کسی شخص کی موت کا وقت آجاتا ہے تو فرشتے اسے پورا پورا لے لیتے ہیں یعنی روح کو جسم سمیت لے کر جلدی سے نکل بھاگتے ہیں کہ کہیں میت کے رشتے دار ان سے جسم کو چھین نہ لیں اور سارا کام ہی بگڑ جائے ' فرشتے صرف روح کو ہاتھوں میں پکڑے بارگاہ رب العزت میں حاضر ہو جائیں اور میت کا جسم چارپائی یا فرش زمین پر پڑا رہ جائے۔ اس صورت میں انھیں جواب دہی کی مصیبت سے دوچار ہونا پڑے۔

کیا اس قسم کے مضحکہ خیز معنی کسی معقول آدمی کے لئے قابل قبول ہوں گے؟ آپ نے دیکھا کہ "توفی" کے معنی "پورا پورا لینا" سے کیسی کیسی قباحتیں پیدا ہوں گی اور اعتقادات کی دنیا میں کیسے کیسے زلزلے آئیں گے۔ اگر کسی کو توفی کے معنی پورا پورا لینے ہی کے کرنے ہیں تو ضرور کرے ہم اسے نہیں روکتے مگر وہیں جہاں اس کا موقع اور محل ہو یہ اس کا محل نہیں ورنہ سخت غتربود پیدا ہوگا جس کی دنیا متحمل نہیں ہو سکے گی اور سارا کارخانہء ہست و بود برباد ہو جائے گا۔

"توفی" کے استعمال کی پانچ مثالیں ہم نے قرآن حکیم سے پیش کر دی ہیں ورنہ کلام الٰہی ان سے بھرا پڑا ہے اور جگہ جگہ اور ہر آیت مبارکہ میں لفظ توفی کے ایک ہی معنی ہیں کہ روح کو قبض کر لینا۔ قرآن حکیم میں کسی ایک جگہ بھی توفی کا لفظ روح کے ساتھ جسم کو بھی قبض کر لینے یا موت کے وقت روح اور جسم دونوں کو آسمان پر اٹھا لینے کے معنی میں ہرگز استعمال نہیں کیا گیا۔ پس ثابت ہوا کہ جب اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں فرمایا کہ "یٰعیسٰی انی متوفیک" (اے عیسیٰ میں تجھے وفات دوں گا) تو اس کے معنی صرف اور صرف ایک ہی تھے کہ اے عیسیٰ میں تیری روح قبض کروں گا اور ابتدائے آفرینش سے آج تک موت کے وقت یہی ہوتا ہے کہ مرنے والے کی روح قبض کرلی جاتی ہے' جسم یہیں اور اسی دنیا میں چھوڑدیا جاتا ہے۔ یہی سنت الٰہی حضرت مسیحؑ کے ساتھ بھی روا رکھی گئی۔

ایک عظیم الشان پیش گوئی

اس باب کے آغاز میں ہم نے عرض کیا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیحؑ سے چار

وعدے کئے تھے (۱) اے عیسیٰ میں تجھے (طبعی طور پر) وفات دوں گا۔ سو اس نے وفات
دے کر یہ وعدہ پورا کر دیا (۲) دوسرا وعدہ یہ تھا کہ میں تجھے اپنے حضور میں بلند شان مرتبہ
عطا کروں گا (جیسا کہ میں نے اپنے دوسرے مقدس بندوں کو عطا کیا) سو اس نے یہ وعدہ
بھی پورا کر دیا اور آج سارا عالم اسلام اور دنیائے مسیحیت حضرت مسیحؑ کی روحانی عظمت
کی معترف ہے، ان پر سلام بھیجتی ہے اور آسمان پر فرشتے بھی ان پر سلام بھیجتے ہیں (۳)
تیسرا وعدہ اس کا حضرت مسیحؑ سے یہ تھا کہ:۔
"مطہرک من الذین کفروا" (میں تجھے تیرے منکروں کے (الزامات سے) پاک کروں گا۔
یعنی یہود تجھ پر جو ناپاک الزام لگاتے ہیں انھیں میں تجھ پر سے دور کردوں گا۔ تجھے
ان الزامات سے پاک کر دوں گا۔ افسوس کہ یہاں بھی ہمارے ان مولانا نے جن کا بار بار
ذکر کرنا پڑتا ہے درست معنی کرنے کی بجائے وہ معنی بیان فرمائے جن کے یہ الفاظ متحمل
نہیں ہو سکتے۔ مولانا چونکہ حضرت مسیحؑ کو آسمان پر چڑھا چکے تھے اس لئے انھیں یہ
مجبوری پیش آئی کہ حضرت مسیحؑ سے متعلق قرآن حکیم کی ہر آیت کے وہ معنی کریں جن
کی رو سے آپؑ کا "پورا پورا" لیا جانا ثابت ہوتا ہو یعنی جسم سمیت آسمان پر اٹھا لیا جانا
یہاں بھی اگر وہ معنی کئے جائیں جو اس آیت کے حقیقی معنی ہیں تو مولانا موصوف کے مقصد
کو ضعف پہنچتا ہے اس لئے انھوں نے اپنے تجویز کردہ معنی یہ بیان فرمائے کہ:۔
"دشمن اپنے ناپاک ہاتھ تجھ کو نہیں لگا سکیں گے اور میں ان کافروں کے ہاتھ سے تجھ کو
پاک رکھوں گا" (کتاب کا صفحہ نمبر ۱۱۰، نمبر ۱۱۱)
آگے چل کر کتاب کے صفحہ نمبر ۱۱۲ پر فرمایا کہ ------- ان تسلیوں اور وعدوں
کا کیا فائدہ ہے خصوصاً" جب کہ ان کے دشمن نے وہ سب کر لیا جو کرنا چاہتا تھا" ---
مولانا فرمانا یہ چاہتے ہیں کہ اگر اس آیت کا یہ مفہوم مراد لیا جائے کہ میں تجھے کافروں کے
الزامات سے پاک کروں گا اور اپنے حضور میں مقام بلند عطا کروں گا تو ان وعدوں کا کیا
فائدہ ہوا جب کہ آپؑ دشمنوں کے ہاتھ میں آگئے اور انھوں نے آپؑ کو سخت اذیتیں دیں
، آپ کا مضحکہ اڑایا، کوڑے مارے، صلیب پر چڑھایا اور انجیل کے بقول پسلیاں نیزے
سے چھید ڈالیں۔ مولانا کا اعتراض یہ ہے کہ اگر حضرت مسیحؑ ان تمام ابتلاؤں اور دکھوں

سے محفوظ رہتے تب جاکر ثابت ہوتا کہ اللہ تعالیٰ نے آپؑ کو کافروں سے پاک رکھا۔

انبیاء سے دشمنوں کا سلوک

افسوس کہ حضرت مولانا نے اس حقیقت کو نظر انداز کر دیا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت
مسیحؑ کو کافروں سے پاک کرنے کا وعدہ فرمایا تھا، محفوظ رکھنے کا نہیں۔ پاک کرنے اور
محفوظ رکھنے میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ دوسری غلطی مولانا سے یہ ہوئی کہ انھوں نے
ابتلاؤں اور آزمائشوں کو وعدہ الٰہی کی ناکامی قرار دیدیا، حالانکہ ابتلا اور آزمائشیں تو انبیاء کا
مقدر رہی ہیں، اسی بھٹی میں سے گزر کر تو وہ اور ان کے متبعین کندن بنتے ہیں۔ مولانا
موصوف نے اس حقیقت پر بھی غور نہیں کیا کہ کسی نبی کا دشمنوں کے ہاتھوں میں چلا جانا
اس کی ناکامی یا تخفیف منزلت کا موجب نہیں ہوتا۔ مولانا کی طرف سے اس آیت کا یہ
مفہوم بیان کیا جانا صریحاً" توہین انبیا ہے کہ:۔
"دشمن اپنے ناپاک ہاتھ تجھ کو نہیں لگا سکیں گے"۔
کیا موصوف نے نہیں پڑھا کہ حضرت مسیحؑ کے پیش رو اور مناد حضرت یحییٰؑ دشمنوں کے
ہاتھوں میں چلے گئے، آپؑ کو گرفتار کیا گیا، جیل میں ڈالا گیا پھر بڑی سفاکی سے سرکاٹ کر
شہید کر دیا گیا۔ کیا یہ سب کچھ ہاتھ لگائے بغیر ہوگیا؟ پھر ایک اور نبی حضرت زکریاؑ کو
درخت کے تنے میں رکھ کر آرے سے چیر دیا گیا۔ کیا یہ سفاکانہ عمل اس مقدس نبی کے
جسم کو ہاتھ لگائے بغیر مکمل ہوگیا؟ بنی اسرائیل کے ایک اور نبی کو دشمن نے گرفتار کیااور
پھر اندھا کر دیا۔ کیا یہ ظالمانہ فعل بھی اس نبی کو ہاتھ لگائے بغیر صادر ہوگیا۔ حضرت
ابراہیمؑ کو پکڑ کر آگ میں ڈال دیا گیا۔ کیا یہ لرزہ خیز اور انسانیت سوز فعل حضرت ابراہیمؑ
کے جسم کو ہاتھ لگائے بغیر سرانجام پا گیا؟ آخر میں سرتاج رسل، فخر انبیاء خاتم النبین
حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو کیسی کیسی ایذائیں دی گئیں۔ ابوجہل نے
حضورؐ اقدس کے رخسار مبارک پر طمانچہ مارا۔ کیا اس بدبخت کا ہاتھ حضورؐ کے جسم
مبارک کو نہ لگا؟ خانۂ کعبہ میں عین حالت سجدہ کے دوران حضورؐ انور کی پشت مبارک پر
اونٹ کا اوجھ رکھ دیا گیا۔ کیا یہ مذموم اور خبیثانہ حرکت حضورؐ کے جسم مبارک کو ہاتھ
لگائے بغیر سرزد ہوگئی؟ طائف کے سرداروں نے شہر کے آوارہ اور اوباش لڑکوں کو آپؐ

کے پیچھے لگا دیا جنھوں نے آپ ؐ پر آوازے کسے ' اور پتھر مار مار کر جسم مبارک کو لہولہان کر دیا ۔ پھر جنگ احد میں حضورؐ کے دندان مبارک شہید ہوگئے ' جسم اقدس زخمی ہوا حالانکہ اس سے قبل غار ثور میں اللہ تعالیٰ نے آپ ؐ کی حفاظت کا وعدہ فرمایا تھا ' تسلی دی تھی کہ " انا اللہ معنا " ۔ ان الفاظ میں حضورؐ اقدس کو بشارت دی گئی تھی کہ اے میرے نبی! اللہ تیرے ساتھ ہے یعنی وہ تیری حفاظت فرمائے گا اس کے باوجود آپ ؐ کو دکھ پہنچے اور زخم لگے ۔

بات وہی ہے جو ہم اس باب کے شروع میں عرض کر چکے ہیں کہ جب کوئی شخص قرآن حکیم کی کسی صداقت کو جھٹلانے کی کوشش کرتا ہے تو اس کے ذہن و فکر مفلوج ہو جاتے ہیں ۔ حضرت مولانا نے غور نہیں فرمایا کہ کسی نبی کے جسم کو ہاتھ لگانے ' اسے ایذا دینے ' اسے قید کرنے یا صلیب پر چڑھا دینے سے وعدۂ الٰہی کی شکست ثابت نہیں ہوتی ۔ حضرت مسیحؑ سے وعدہ کیا گیا تھا کہ تجھے طبعی طور پر وفات دی جائے گی یعنی تو دشمنوں کے ہاتھوں قتل یا ہلاک نہیں ہوگا سو اللہ تعالیٰ نے یہ وعدہ پورا کر دیا اور حضرت مسیحؑ صلیب سے زندہ اتر آئے ' جس طرح حضورؐ اقدس کے تحفظ کا وعدہ کیا گیا تھا ' اگرچہ دشمن آپ ؐ کو اذیتیں دیتا رہا مگر وہ آپ ؐ کو قتل کرنے میں ناکام رہا اور حضورؐ اقدس اپنا مشن مکمل فرماکر اور اپنی طبعی عمر گزار کر بارگاہ رب العزت میں حاضر ہوگئے ۔ اسی طرح حضرت مسیحؑ بھی دشمنوں کے ہاتھوں دکھ اٹھانے کے باوجود قتل ہونے سے محفوظ رہے اور فلسطین سے لے کر عراق ' ایران ' افغانستان (موجودہ) روسی ترکستان ' شمال مغربی ہندوستان اور تبت تک پیغام حق پہنچانے اور بنی اسرائیل کے قبائل کو دین حق کا پیرو بنانے کے بعد ایک کامیاب وکامراں انسان کی حیثیت سے دنیا سے دائمی طور پر رخصت ہوگئے ۔ اس طرح اللہ تعالیٰ کا وہ وعدہ کہ میں تجھے (طبعی طور پر) وفات دوں گا پوری شان سے پورا ہوگیا ۔ یہ دراصل پہلا وعدہ تھا جسے حضرت مولانا نے دوسرے وعدے سے منسلک کر دیا حالانکہ یہ دوسرا وعدہ بالکل مختلف نوعیت کا تھا ۔ اس وعدے کی رو سے اللہ تعالیٰ حضرت مسیحؑ کو بشارت دیتا ہے کہ آج تیرے دشمن تجھ پر جو الزامات لگا رہے ہیں اور تجھے تیرے مرتبے سے گرانے کو کوشش کر رہے ہیں ' اے میرے نبی ! تجھے خوشخبری ہو کہ عنقریب ہم تیرے لئے ایک

عظیم الشان روحانی انقلاب لائیں گے اور وہی لوگ جو آج تیری تکذیب کر رہے ہیں ' تجھے جھٹلا رہے ہیں ' تیرے نسب پر ناپاک الزام لگا رہے ہیں ' انہی کی اولادیں تجھے اپنا ہادی و پیشوا اور نجات دہندہ قرار دیں گی ' تیرے نام پر اپنی جانیں قربان کریں گی اور تیری وہ عزت و تکریم کریں گی کہ ماضی میں اس کی نظیر مشکل سے ملے گی ۔

اس وعدے میں ایک زبردست پیش گوئی اور بھی ہے جس تک روحانیت سے عاری اور اپنے خشک علم پر نازاں لوگوں کی نگاہ نہیں پہنچ سکتی ' وہ یہ کہ " اس واقعے پر چھ صدیاں گزرنے کے بعد تیری صداقت اور پاکیزگی کی تصدیق کرنے کی غرض سے ایک جلیل القدرؐ نبی مبعوث ہوگا ' اس پر لاثانی اور آخری آسمانی کتاب نازل ہوگی جس میں تجھے ہر اس الزام سے پاک قرار دیا جائے گا جو تیرے دشمن آج تجھ پر لگا رہے ہیں اور اس مقدس نبی ؐ آخر الزماں کو ایسے قدسی نفوس دئے جائیں گے جو براہین قاطع کے ذریعے تیری عزت و عظمت کا چار دانگ عالم میں اعلان کریں گے اور تجھے ان تمام الزامات سے پاک ثابت کریں گے جو آج تیرے دشمن تیرے بارے میں مشہور کر رہے ہیں اور ان غلط فہمیوں کا ازالہ کریں گے جو تیرے نادان " دوست " اپنی کم فہمی کی بنا پر تیرے بارے میں پھیلا رہے ہیں ---

سو جس کی آنکھیں ہیں وہ دیکھ سکتا ہے کہ یہ عظیم الشان پیش گوئی کس شان اور جلالت سے پوری ہوئی ۔

حضرت مسیحؑ سے جو چار وعدے کئے گئے تھے ان میں سے آخری وعدہ یہ تھا کہ :۔

جاعل الذین اتبعوک فوق الذین کفروآالی یوم القیٰمۃ

(میں تیری پیروی کرنے والوں کو تیرے منکروں پر قیامت تک غالب رکھوں گا)

سو حضرت مسیحؑ سے کیا ہوا اللہ تعالیٰ کا یہ وعدہ بھی پورا ہوگیا اور واقعۂ صلیب کے بعد یہودیوں پر پہلے رومی حکومت کی طرف سے ذلت و ادبار کی مار پڑی اور اس کے بعد وہ کبھی برسر اقتدار نہیں آسکے بلکہ ہمیشہ دوسری اقوام خصوصاً مسیحیوں اور مسلمانوں کے تابع فرماں رہے ۔ آج بھی اگر انھیں ایک چھوٹے سے خطۂ ارض پر اقتدار حاصل ہے تو وہ مسیحی حکومتوں کے زیر سایہ اور انہی کی امداد سے حاصل ہے ۔ یہودی آج بھی مسیحیوں کے رحم و کرم پر ہیں آج بھی وہ حقیقی معنی میں صاحب اقتدار نہیں اور کون کہہ سکتا ہے کہ یہ طفیلی اقتدار بھی کتنی قلیل مدت کے لئے ہے ۔

علامہ عنایت اللہ خاں المشرقی

" حضرت عیسیٰ کی موت بھی اسی سنت الٰہی کے مطابق واقع ہوئی تھی جس کی بابت قرآن نے کہا ہے (ترجمہ) اور تم اللہ کی سنت (طریقے) میں تبدیلی نہیں پاؤ گے "

(تذکرہ صفحہ ۱۷ شائع کردہ ادارہ اشاعت تذکرہ امرتسر)

روزِ حشر مسیحؑ سے خُدا کا مکالمہ

قرآن حکیم نے حضرت مسیحؑ کی زندگی کے ہر اس پہلو کا احاطہ کر لیا ہے جو وجہ نزاع بن سکتا تھا۔ ان میں سے ایک پہلو کا تعلق آپؑ کی مفروضہ الوہیت سے ہے۔ قرآن حکیم اس کی تردید کرتا ہے مگر اسی تردید الوہیت میں آپؑ کی آسمانی زندگی کی تردید بھی کر دی گئی ہے۔ قرآن حکیم کی بلاغت کا یہ بھی ایک کمال ہے کہ ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے وہ کئی اور سوالوں کے جواب بھی دیدیتا ہے اور ایسے لطیف پیرائے میں دیتا ہے کہ کمال بلاغت سر دھنتا رہ جاتا ہے چنانچہ ارشاد ہوتا ہے:-

وَاِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِیْ وَاُمِّیَ اِلٰهَيْنِ
مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ الخ (سورہ المائدہ آیت نمبر۱۱۶ تا ۱۱۷)

(اور یاد کرو وہ وقت) جب اللہ تعالیٰ عیسیٰؑ ابن مریم سے کہے گا کہ کیا تو نے لوگوں سے کہا تھا کہ مجھے اور میری ماں کو اللہ کے سوائے معبود بنا لینا (تو عیسیٰؑ) جواب دیں گے تو پاک ہے (تمام عیوب سے) میرے لئے کیسے ممکن تھا کہ میں وہ بات کہتا جس کا مجھے حق حاصل نہیں تھا اگر میں نے ایسا کہا تھا تو یقیناً تجھے ضرور معلوم ہو گا (کیونکہ) تو وہ سب کچھ جانتا ہے جو میرے دل میں ہے اور جو کچھ تیرے دل میں ہے (تیرے بھیدوں کو) میں نہیں جانتا بلاشبہ تو غیب کی باتوں کو خوب جانتا ہے۔ میں نے اس بات کے سوائے ان سے کچھ نہیں کہا جس کا تو نے مجھے حکم دیا تھا (وہ یہ کہ) صرف اللہ کی عبادت کرو جو میرا اور تمہارا اور سب کا رب ہے اور میں اس وقت تک کا گواہ ہوں جب تک ان کے درمیان (موجود) رہا

پھر جب تو نے مجھے وفات دے دی (میری روح قبض کر لی) تو اس کے بعد تو ہی ان پر نگہبان تھا اور تو ہر چیز پر گواہ ہے۔)

تردید الوہیت

قرآن حکیم کی ان آیات شریفہ پر غور کرتے وقت اس پس منظر کو ضرور پیش نظر رکھنا چاہئے جس کا ان آیات مبارکہ سے گہرا تعلق ہے اور جس پس منظر میں ان آیات کریمہ کا نزول ہوا۔ حضرت مسیحؑ کی وفات کی کچھ مدت بعد آپؑ کی امت میں عقائد کا اختلاف پیدا ہوا جیسا کہ قریب قریب ہر نبی کی وفات کے بعد ہوتا رہا ہے۔ ہر مسیحی فرقے کے اکابر یا اس کے بانیوں نے واقعہء صلیب کی اصل حقیقت مشتبہ ہو جانے کی وجہ سے حضرت مسیحؑ کے بارے میں مختلف عقائد اختیار کر لیئے جن کا خلاصہ یہ ہے کہ:-

(۱) مسیحؑ بذات خود خدا تھا یعنی انسانی پیکر میں خدا نمودار ہوا تھا۔

(۲) خدا، مسیحؑ اور روح القدس، ان تینوں کے مجموعے کا نام خدا ہے یعنی باپ، بیٹا، روح القدس۔

(۳) روح القدس خدا نہیں تھا وہ خدا کا سب سے معزز اور بڑا فرشتہ تھا۔ خدا تین وجودوں میں محدود ہے یعنی ایک خود خدا، دوسرا مسیحؑ اور تیسری مریمؑ۔

قرآن حکیم حضرت مسیحؑ کی زبان سے ان غلط اور صریح مشرکانہ عقائد کی تردید کرتا ہے اور فرماتا ہے کہ حضرت مسیحؑ اللہ تعالیٰ کے سامنے ان عقائد سے بیزاری کا اظہار کرتے ہوئے اپنے صحیح عقیدے کا اعلان کریں گے کہ "اے رب العزت میں نے لوگوں کو ہرگز یہ تعلیم نہیں دی کہ تم مجھے اور میری ماں کو معبود بنا کر ہم دونوں کی پرستش کرو بلکہ میں نے تو انہیں یہ تعلیم دی کہ اے لوگو صرف اللہ کی عبادت کرو جو میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی بلکہ وہ سب کا رب ہے۔" سب کا رب کہہ کر اپنے اور اپنی ماں کے علاوہ ان تمام ہستیوں کی معبودیت کی تردید کر دی جنہیں خدا کے سوائے معبود بنا لیا گیا تھا۔ اس طرح قرآن حکیم نے شرک کی جڑ کاٹ دی اور مسیحی دنیا کو بتایا کہ جو نبی تمہاری طرف مبعوث ہوا تھا اور جس کی طرف تم خود کو منسوب کرتے ہو دیکھو اور سنو! وہ تو ایسے مشرکانہ عقائد سے بیزاری کا اعلان و اظہار کر رہا ہے پھر تمہیں کس طرف گمراہ کر کے لے

جا رہا ہے ۔

حضرت مسیحؑ کی وضاحت

ان آیات کریمہ میں الٰہی حکمت و صداقت کے کچھ اور بھی موتی ہیں جن تک صاحب باطن ہی کی نگاہ پہنچ سکتی ہے ۔ اللہ تعالیٰ حضرت مسیحؑ سے یہ سوال قیامت کے روز فرمائیں گے کہ " اے مسیحؑ ابن مریم کیا تو نے لوگوں کو یہ تعلیم دی تھی کہ مجھے اور میری ماں کو معبود بنا لو ۔ " اس کے جواب میں حضرت مسیحؑ نہایت ادب سے اس الزام کا انکار کریں گے اور عرض کریں گے اے میرے رب ! میں نے تو انہیں وہی تعلیم دی جو تیری جانب سے مجھے عطا ہوئی تھی کہ صرف اللہ کی عبادت کرو جو ہم سب کا رب ہے ۔ اس کے بعد حضرت مسیحؑ عرض کریں گے کہ اے میرے رب ! جب تک میں ان کے درمیان موجود رہا ان کی نگرانی کرتا رہا یعنی میں نے انہیں اس تعلیم پر قائم رکھا "گواہ رہا" میں یہ مفہوم صاف اور واضح طور پر موجود ہے کہ میں اس حقیقت کا گواہ ہوں کہ جب تک میں ان میں موجود رہا اس وقت تک انہوں نے سوائے تیرے اور کسی کی عبادت نہیں کی ۔ اس کے بعد عرض کریں گے کہ

پھر جب تو نے مجھے وفات دے دی (فلما توفیتنی) تو پھر تو ان پر گواہ اور نگہبان تھا یعنی اس کے بعد جو واقعات پیش آئے وہ مجھے نہیں معلوم کیونکہ میں تو اس وقت تک ان کا نگران تھا جب تک ان میں موجود رہا صرف اس وقت تک کے واقعات اور اس وقت تک کا حال بیان کر سکتا ہوں وہ یہ ہے کہ میری موجودگی میں یہ لوگ صرف تیری عبادت کرتے رہے ، میں اسی بات کا گواہ ہوں ۔

یہاں ہر صاحب فہم کے ذہن میں بجا طور پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ایک طرف تو کہا جاتا ہے کہ حضرت مسیحؑ کو خدا نے صلیب سے بچا کر آسمان پر اٹھا لیا جہاں وہ اس کے پاس تشریف فرما ہیں اور آخری زمانے میں آ کر خنزیروں کو قتل کریں گے ، صلیبوں کو توڑیں گے ، کافروں کو اپنی پھونک سے ہلاک کریں گے پھر چالیس برس تک دوسری روائت کے مطابق سات برس تک دنیا میں قیام فرمائیں گے اور ساری دنیا کو مشرف بہ اسلام کر کے وفات پا جائیں گے ۔ اس چالیس سال میں وہ اپنی آنکھوں سے دیکھ چکے ہوں گے کہ ان کی

امت نے ان کے نام پر کیسی کیسی گمراہیاں پھیلائیں اور کس طرح انہیں اور ان کی والدہ کو معبود بنایا ۔ یہ سب کچھ جانتے ہوئے پھر وہ خداوند تعالیٰ کے روبرو کتمان حق کیسے کریں گے ؟ سچی گواہی کو کیسے چھپائیں گے ؟ وہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ سے کیسے کہیں گے کہ اے رب العزت ! جب تک میں ان کے درمیان موجود رہا اس وقت تک میں انہیں یہی تعلیم دیتا رہا کہ اللہ کے سوائے جو معبود حقیقی ہے اور کسی کی عبادت مت کرو پھر حضرت مسیحؑ یہ بھی عرض کریں گے کہ اے بار الٰہا ! میں شہادت دیتا ہوں کہ جب تک میں ان کے درمیان رہا وہ اسی تعلیم پر قائم تھے لیکن اس کے بعد کے واقعات جو انہوں نے آسمان سے اتر کر بچشم خود دیکھے وہ سب گول کر جائیں گے ۔ اس حقیقت کا اظہار کرنے سے صاف دامن بچا جائیں گے کہ اے رب العزت تو سچ کہتا ہے واقعی انہوں نے مجھے اور میری ماں کو معبود بنا لیا تھا لیکن یہ مجھے اس وقت معلوم ہوا جب تو نے مجھے دوبارہ دنیا میں بھیجا ورنہ جب تک پہلی بعثت میں تو نے مجھے ان کے درمیان رکھا اس وقت تک وہ میری تعلیم پر عمل پیرا رہے ، یہ سارا فساد میرے آسمان پر آنے کے بعد رونما ہوا ۔ ایک حق گو اور راستباز انسان کی حیثیت سے انہیں اللہ تعالیٰ کے حضور یہ عذر پیش کرنے چاہئیں مگر وہ ان سے قطعاً" لاعلمی ظاہر کریں گے ۔ اس سے ثابت ہو گیا کہ حضرت مسیحؑ کو آسمان پر اٹھائے جانے کا واقعہ سراسر غلط اور افسانہ محض ہے جو یہودیوں کے ہاتھوں ستائے ہوئے مسیحیوں نے اپنے دشمنوں کے طعنوں کے جواب میں گھڑ لیا اور کچھ واقعات نے انہیں غلط فہمی میں مبتلا کر دیا ورنہ یہ کیسے ممکن ہے کہ خدا کا ایک مقدس اور جلیل القدر نبی اللہ تعالیٰ کے روبرو صریحاً" غلط بیانی سے کام لے گا ۔ ہم ایک بار پھر قرآن حکیم کی فرمودہ حقیقت کو قارئین کرام کے دلوں میں جاگزیں کرنے کے لئے وہ منظر پیش کرتے ہیں جو قرآن حکیم کے ارشاد عالیہ کی روشنی میں نگاہوں کے سامنے آتا ہے ۔

قیامت کا دن ہے ، حشر کا میدان ہے ، سارے انبیاؑ اور ان کی امتیں حاضر ہیں ۔ اللہ تعالیٰ حضرت مسیحؑ کو طلب کرتا ہے اور ان سے دریافت فرماتا ہے کہ " اے عیسیٰ ابن مریم ! کیا تو نے لوگوں سے کہا تھا کہ مجھے اور میری ماں کو اللہ کے سوائے معبود بنا لینا " ۔ اس کے جواب میں حضرت مسیحؑ بصد ادب عرض کرتے ہیں کہ اے رب قدوس ! میرے

شایاں نہ تھا کہ میں وہ بات کہتا جس کا مجھے حق نہیں تھا ...... میں نے اس بات کے سوائے ان سے کچھ نہیں کہا جس کا تو نے مجھے حکم دیا (وہ یہ تھا کہ) سوائے اللہ کے جو میرا، تمہارا اور سب کا رب ہے اور کسی کی عبادت نہ کرو پھر عرض گزار ہوتے ہیں کہ اے میرے رب یہ میری اس وقت تک کی شہادت ہے جب تک میں ان کے درمیان موجود رہا

اس کے بعد ایک بہت بڑی حقیقت کا اظہار کرتے ہیں دوسرے الفاظ میں اپنی امت کے بگڑ جانے کا ایک عذر پیش کرتے ہیں کہ جب تک میں ان کے درمیان موجود رہا اس وقت تک ان کی نگرانی کرتا رہا اور وہ میری تعلیم پر قائم رہے تیرے سوائے انہوں نے کسی کو معبود نہیں بنایا اس کے بعد بارگاہ الٰہی میں عرض کرتے ہیں کہ "فلما توفیتنی" جب تو نے میری روح قبض کر لی (وفات دے دی) تو پھر تو ہی ان پر نگران تھا۔ یعنی اس کے بعد کیا واقعات پیش آئے؟ مجھے علم نہیں۔ میں ان واقعات کا شاہد نہیں ہوں بعد کے واقعات کا تو ہی شاہد ہے۔ الفاظ قرآنی یہ ہیں (کنت انت الرقیب)

اگر حضرت مسیحؑ واقعہء صلیب کے وقت آسمان پر اٹھا لئے گئے تھے اور پھر آخری زمانے میں اللہ تعالیٰ نے دوبارہ انہیں دنیا میں بھیجا تھا جہاں چالیس برس یا سات برس انہوں نے قیام فرمایا تھا، شادی بھی فرمائی ہو گی، (صاحب اولاد بھی ہوئے ہوں گے) اپنی امت کے کرتوتوں اور گمراہیوں کا بھی مشاہدہ کر چکے تھے اور مسیحیوں کو اپنی اور اپنی والدہ محترمہ کی عبادت کرتے بھی دیکھ چکے تھے پھر ان کا قتل عام بھی فرما چکے تھے اور انہیں درست کر کے اپنے رب کے حضور حاضر ہوئے تھے تو کیا حضرت مسیحؑ کی یہ ساری کارروائیاں دیکھ کر اللہ رب العزت ان سے سوال نہیں کرے گا کہ "اے عیسیٰ ابن مریم! تو کیسے کہتا ہے کہ میں اس وقت تک ان کا نگران تھا اور اس وقت تک کے واقعات جانتا ہوں جب تک ان کے درمیان رہا لیکن جب تو نے مجھے وفات دے دی تو پھر تو جانتا ہے کہ انہوں نے کیا کچھ کیا؟ حالانکہ ہم نے تجھے دوبارہ پھر دنیا میں بھیجا تو آسمان سے زمین پر اترا، تو نے اپنی آنکھوں سے مسیحیوں کو اپنی اور اپنی والدہ کی عبادت کرتے دیکھا، سوروں کا قتل عام کیا، صلیبیں توڑ توڑ کر ان کے انبار لگا دیئے، اپنی امت کی اصلاح کی پھر ہمارے حضور واپس آیا --- تو، تو ان سارے واقعات کا عینی شاہد ہے بلکہ ان کا مرکزی کردار

رہا ہے پھر کیسے کہتا ہے کہ میں تو صرف اس وقت تک کے واقعات کا گواہ ہوں جب میں ان میں موجود تھا۔ کیا اس دوسرے دور میں تو ان کے درمیان موجود نہیں تھا۔ جب تجھے آسمان سے نازل کیا گیا اور تو نے اپنی قوم کو شخصیت پرستی کرتے دیکھا اور ان کی اصلاح بھی کی" --- ہمیں بتایا جائے کہ حضرت مسیحؑ اللہ تعالیٰ کو اس کے اس سوال کا کیا جواب دیں گے۔

حضرت مسیحؑ پر دروغ گوئی کا الزام

افسوس کہ اس "پورا پورا" لینے کے قصے نے اللہ کے ایک مقدس رسول کی دستار عظمت و صداقت کو بھی تار تار کر دیا۔ ان نادانوں نے اتنا بھی نہ سمجھا کہ قرآن کریم کے ایک لفظ "توفیتنی" کے معنی اگر "پور پورا لینے" کے کئے جائیں اور حضرت مسیحؑ کو آسمان پر بٹھا دیا جائے تو ایک نبی اللہ دروغ گوئی اور حقیقت حال کو چھپانے کا نعوذ باللہ مجرم قرار پاتا ہے جس کا تصور بھی گناہ عظیم ہے۔ پس قرآن حکیم کی ان آیات مبارکہ نے فیصلہ کر دیا کہ حضرت مسیحؑ کی امت اس وقت بگڑی جب آپؑ فوت ہو گئے۔ اس کے بعد کے واقعات کا حضرت مسیحؑ کو کوئی علم نہیں۔ اگر آپؑ اپنی امت کے بگڑنے کے بعد آسمان سے واپس دنیا میں واپس تشریف لاتے اور امت کی حالت کا مشاہدہ کرتے، افراد امت کو اپنی اور اپنی ماں کی عبادت کرتے دیکھتے تو اللہ کے حضور یہ کبھی عرض نہ کرتے کہ رب العزت! جب تک میں ان کے درمیان رہا انہیں صرف تیری عبادت کی تعلیم دیتا رہا اور ان کا شاہد و نگہبان رہا لیکن جب تو نے میری روح قبض کر لی اور میں فوت ہو گیا تو مجھے کچھ نہیں معلوم کیا ہوا پھر تو، تو ہی ان کا نگہبان تھا۔ اگر حضرت مسیحؑ دوبارہ دنیا میں آئیں گے اور اپنی امت کی گمراہی دیکھ کر واپس اللہ کے پاس جائیں گے تو ان کا جواب یہ ہو گا کہ "اے رب العزت! آپ نے سچ فرمایا اگرچہ میں نے اپنی امت کو صرف تیری ہی عبادت کرنے کی تعلیم دی اور جب تک میں اس کے درمیان موجود رہا وہ تیری ہی عبادت کرتی رہی مگر جب تو نے مجھے آسمان پر اٹھا لیا تو واقعی افراد امت بگڑ گئے اور انہوں نے میری اور میری ماں کی عبادت شروع کر دی لیکن تجھے معلوم ہے کہ آسمان سے واپس جا کر میں نے ان کے ساتھ کیا کیا۔ مار مار کر انہیں فنا کر دیا باقی تائب ہو گئے اور انہوں نے صرف تیری

عبادت کو اپنا شعار بنا لیا۔"

کیا حضرت مسیحؑ یہ جواب دیں گے جو واقعات کے عین مطابق ہے اور جس کی اللہ کے ایک راستباز نبی سے توقع کرنی چاہئے ؟ قرآن حکیم کی رو سے وہ یہ جواب نہیں دیں گے پس اس سے ثابت ہو گیا کہ حضرت مسیحؑ کو قیامت کے دن اپنی امت کے بگڑنے اور مشرکانہ عقیدہ اختیار کرنے کی مطلق خبر نہیں ہو گی کیونکہ وہ دنیا میں دوبارہ واپس نہیں آئیں گے اگر واپس آتے تو انہیں ضرور ان حالات و واقعات کا علم ہوتا جو ان کے دنیا سے جانے کے بعد پیش آئے مگر قیامت کے دن وہ ان سے لاعلمی ظاہر کریں گے۔

حضورؐ اقدس کا حتمی فیصلہ

حضرت مسیح علیہ السلام کے وفات پا جانے میں اگرچہ اب کوئی شک و شبہ باقی نہیں رہا کیونکہ قرآن حکیم نے اس کی شہادت دے دی مگر شاید کسی کو گمان گزرے کہ ان آیات مبارکہ سے ہم نے وہ مفہوم نکالا ہے جو درست نہیں تو اس شبہ کے ازالے کے لئے ہم حضور اقدس صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا ارشاد مبارک پیش کرتے ہیں۔ ارشاد مبارک بھی حضرت امام بخاریؒ کی صحیح الکتب سے ماخوذ ہے:-

"عن ابن عباس انہ یجاء برجال من امتی فیوخذ بھم ذات الشمال فا قول یارب اصیحابی فیقال انک لاتدری ما احدثوا بعدک فاقول کما قال العبد الصالح و کنت علیھم شھیدا" مادمت فیھم فلما توفیتنی انت الرقیب علیھم"۔(۱)

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ (فرمایا رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے) کہ قیامت کے دن میری امت کے بعض لوگوں کو آگ کی طرف لے جایا جا رہا ہو گا تب میں کہوں گا کہ اے اللہ یہ تو میرے اصحاب (صحابی) ہیں۔ تب مجھ سے کہا جائے گا کہ (اے میرے رسولؐ) تجھے کیا معلوم کہ ان لوگوں نے تیرے بعد کیا کام کئے سو اس وقت میں وہی بات کہوں گا جو ایک عبد صالح (اللہ کے نیک بندے) یعنی حضرت مسیح (علیہ السلام) نے کہی تھی (اور وہ یہ کہ) جب تک میں ان کے درمیان موجود تھا ان پر گواہ (نگران) رہا پھر جب تو نے مجھے وفات دے دی اس وقت سے تو ہی ان کا نگران تھا۔

اس حدیث رسولؐ پر خوب غور کرنا چاہیئے کہ یہ اس مسئلے کی کلید (کنجی) اور رسولؐ اقدس صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا حتمی فیصلہ ہے۔ اس حدیث کے پانچ بنیادی نکات ہیں۔

(۱) قیامت کے دن حضورؐ کے بعض صحابیوں کو دوزخ کی طرف لے جایا جائے گا۔

(۲) انہیں اس حالت میں دیکھ کر آپؐ اللہ تعالیٰ کی خدمت میں عرض کریں گے کہ یا اللہ یہ تو میرے اصحاب ہیں۔

(۳) حضورؐ کو جواب دیا جائے گا کہ آپؐ کو نہیں معلوم کہ آپؐ کی وفات کے بعد انہوں نے کیا حرکتیں کیں۔

(۴) یہ سن کر حضورؐ وہی بات کہیں گے جو اللہ تعالیٰ کے ایک نیک بندے یعنی حضرت مسیحؑ ابن مریمؑ نے کہی تھی۔

(۵) حضرت مسیحؑ نے جو بات کہی تھی وہ یہ تھی کہ اے میرے رب کریم جب تک میں ان کے درمیان موجود رہا ان پر گواہ رہا یعنی ان کی نگرانی کرتا رہا پھر جب تو نے مجھے وفات دے دی تو اس کے بعد تو ہی ان کا نگران تھا۔

اگر ذرا سا بھی غور کیا جائے تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ اس حدیث کے پانچوں حصے رسولؐ اقدس کے واقعات سے عین مشابہت رکھتے ہیں۔ اس حدیث کی رو سے۔

(۱) حضورؐ کے بعض صحابہ آپ کے بعد راہ راست سے بھٹک گئے تھے بالکل اسی طرح حضرت مسیحؑ کے بعض حواری بھی آپؑ کی وفات کے بعد بگڑ گئے تھے۔

(۲) جس طرح حضورؐ اقدس کے بعض صحابہ کو دوزخ کی طرف لے جایا جائے گا اسی طرح حضرت مسیحؑ کے بعض حواری بھی دوزخ میں ڈالے جائیں گے کیونکہ وہ بھی بگڑ گئے تھے۔

(۳) جس طرح حضرت مسیحؑ کا اللہ تعالیٰ سے مکالمہ ہو گا اسی طرح حضورؐ اقدس کا بھی اللہ تعالیٰ سے مکالمہ ہو گا۔

۴) اپنی بریت کے سلسلے میں جو الفاظ حضرت مسیحؑ استعمال فرمائیں گے بعینہ وہی الفاظ حضورؐ اقدس بھی اپنے لئے استعمال فرمائیں گے۔

(۵) حضرت مسیحؑ سے سوال کیا جائے گا کہ کیا تو نے اپنی امت کے لوگوں کو یہ تعلیم دی

تھی کہ مجھے اور میری ماں کو معبود بنا لو؟ اس کے جواب میں حضرت مسیحؑ عرض کریں گے کہ اے رب العزت! میں نے اپنی امت کو ہرگز یہ تعلیم نہیں دی۔ میں نے تو اسے وہی تعلیم دی جس کا تو نے مجھے حکم دیا تھا کہ صرف اللہ کی عبادت کرو جو میرا تمہارا اور سب کا رب ہے۔ میں ان پر اس وقت تک گواہ اور نگراں رہا ہوں جب تک ان کے درمیان موجود رہا پھر جب تو نے مجھے وفات دے دی تو اس کے بعد تو ہی ان پر نگراں تھا یعنی بعد کے واقعات کا مجھے علم نہیں۔

حضورؐ اقدس فرماتے ہیں کہ میں بھی بعینہ یہی جواب دوں گا (جو مسیحؑ دیں گے) یعنی اے میرے رب کریم! میں نے انہیں راہ راست پر چلنے کی تعلیم دی اور جب تک میں ان کے درمیان موجود رہا ان کی نگرانی (تعلیم و تربیت) کرتا رہا اور وہ راہ راست پر گامزن رہے مگر جب تو نے مجھے وفات دے دی تو پھر تو ان کا نگران تھا یعنی اس کے بعد کے واقعات کا مجھے علم نہیں کیونکہ حدیث مبارکہ کے مطابق خود اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ اے میرے رسول تجھے نہیں معلوم کہ ان لوگوں نے تیرے بعد کیا کیا۔

یہ حدیث مبارک بتا رہی ہے کہ قیامت کے دن حضرت مسیحؑ اور رسولؐ اقدس دونوں اس وقت تک کے حالات کی شہادت دیں گے جب تک دونوں اپنی اپنی امتوں کے درمیان موجود رہے۔ ان دونوں مقدس رسولوں کے دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد جو واقعات پیش آئے دونوں ان سے لاتعلقی و لاعلمی کا اظہار کریں گے۔ اللہ تعالیٰ کا حضورؐ اقدس سے یہ فرمانا کہ اے میرے رسول تجھے نہیں معلوم کہ تیرے بعد ان لوگوں نے کیا حرکتیں کیں اور دوسری طرف حضرت مسیحؑ کا یہ عرض کرنا کہ اے رب العزت! دنیا سے رخصت ہو جانے کے بعد میری امت نے جو کچھ کیا اس کے بارے میں مجھے کچھ نہیں معلوم، میں کچھ نہیں جانتا، ثابت کرتا ہے کہ دونوں مقدس رسول اپنی وفات کے بعد کے حالات سے لاعلم ہوں گے۔

پس اس سے ثابت ہو گیا کہ جس طرح رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وفات کے بعد دنیا میں دوبارہ تشریف نہیں لائیں گے اسی طرح حضرت مسیحؑ بھی ایک بار دنیا سے جانے کے بعد دوبارہ واپس نہیں آئیں گے کیونکہ حضرت مسیحؑ اگر دنیا میں دوبارہ آ چکے

ہوں گے تو وہ کبھی ان واقعات کا انکار نہیں کریں گے جن میں ان کی امت کی گمراہی اور شخصیت پرستی شامل ہے جبکہ وہ اس کا بچشم خود مشاہدہ کر چکے ہوں گے۔ گویا حضورؐ اقدس نے یہ حدیث بیان فرما کر اپنی امت کو قبل از وقت متنبہ کر دیا تھا کہ دیکھو میرے بعد مسیحؑ کے بارے میں غلط عقیدہ اختیار نہ کر لینا، انہیں آسمان پر نہ بٹھا دینا۔ یاد رکھو وہ ہرگز آسمان پر نہیں گئے میرا اور مسیحؑ کا معاملہ ایک جیسا ہے اور اللہ رب العزت کے بقول جس طرح مجھے نہیں معلوم کہ میری وفات کے بعد میری امت کے بعض لوگوں نے کیا کام کئے اسی طرح مسیحؑ ابن مریم بھی یہی کہیں گے کہ اے رب العزت میں اپنی وفات تک اپنی امت پر نگراں اور گواہ تھا اس کے بعد (کنت انت الرقیب) تو ہی ان پر نگران تھا پھر مجھے نہیں معلوم کہ کیا واقعات پیش آئے۔ ظاہر ہے کہ یہ بات حضرت مسیحؑ اسی صورت میں کہہ سکتے ہیں جب وہ آسمان سے دنیا میں نازل نہ ہوں۔

مسیحؑ کی وفات پر اجماع صحابہ

تاریخ گواہ ہے کہ حضورؐ اقدس کی اس تنبیہہ کو آپؐ کے اکابر صحابہ اور ان کی جمعیت نے ہمیشہ پیش نظر رکھا اور ایک موقعے پر جو نہایت جذباتی تھا جب حضرت عمرؓ کے ذہن سے حضورؐ کا یہ ارشاد محو ہو گیا تو آپؐ کے رفیق اول سیدنا ابوبکرؓ صدیق نے فوراً ان کی اصلاح فرمائی چنانچہ جب حضورؐ اقدس کا وصال ہو گیا تو عاشق رسول حضرت عمرؓ فاروق جذبات سے مغلوب ہو گئے، تلوار نیام سے نکال کر مسجد نبویؐ میں کھڑے ہو گئے اور کہنے لگے کہ جو شخص یہ کہے گا کہ رسولؐ خدا فوت ہو گئے ہیں میں اس کی گردن ماروں گا۔ ایک بڑے سیرت نگار کی روایت کے مطابق حضرت عمرؓ نے کہا تھا کہ "جو شخص یہ کہے گا کہ رسولؐ اللہ فوت ہو گئے ہیں میں اس کے ہاتھ پیر کاٹ دوں گا۔" (۲)

ایک اور مستند سیرت نگار لکھتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے حضورؐ کے جسم اقدس کو بے حس و حرکت دیکھ کر کہا تھا کہ "خرابی ہو اس غشی کی، رسولؐ اللہ پر بہت سخت قسم کی غشی طاری ہو گئی ہے" یعنی آپؐ فوت نہیں ہوئے ہیں۔ اسی سیرت نگار کی روایت کے مطابق جب حضرت مغیرہؓ نے قسم کھا کر کہا کہ "یا عمر مات و اللہ رسول اللہ" یعنی اے عمر خدا کی قسم رسول اللہ فوت ہو گئے ہیں تو حضرت عمرؓ نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ "ہرگز نہیں، فوت

نہیں ہوئے وہ موسیٰؑ بن عمران کی طرح چالیس دن کے لئے اللہ تعالیٰ سے (روحانی)
ملاقات کرنے گئے ہیں (۳)

گویا حضرت عمرؓ کو رسول اقدسؐ سے جو عشق تھا وہ کسی طرح انہیں یہ باور نہیں
ہونے دیتا تھا کہ ان کا محبوب فوت ہو گیا ہے ' وہ طرح طرح سے اپنے دل کو تسلیاں دیتے
تھے یہاں تک کہ حضرت عمرؓ نے ان لوگوں کو منافق کے نام سے پکارا تھا جو یہ کہتے تھے کہ
رسولؐ اللہ فوت ہو گئے ہیں ۔ آخر حضرت ابوبکرؓ صدیق انہیں یہ باور کرانے میں کامیاب
ہو گئے کہ رسولؐ اللہ واقعی فوت ہو گئے ہیں ۔ حضرت امام بخاریؒ نے یہ واقعہ اپنی کتاب
حدیث میں بیان کیا ہے جو اس طرح شروع ہوتا ہے :-

" قال ابو سلمتہ فاخبرنی ابن عباس ان ابابکر خرج و عمر یکلم و الناس رائح " (۴)

یعنی " حضرت عبداللہ بن عباسؓ روایت کرتے ہیں کہ (جب حضورؐ اقدس کی وفات
کے دن) حضرت ابوبکرؓ باہر آئے اس وقت (مسجد نبویؐ میں حضرت) عمرؓ لوگوں سے مخاطب
تھے (اور کہہ رہے تھے کہ رسولؐ اللہ فوت نہیں ہوئے ہیں ۔ ناقل) پس حضرت ابوبکرؓ نے
انہیں مخاطب کرتے ہوئے کہا بیٹھ جاؤ ! مگر حضرت عمرؓ نہیں بیٹھے ۔ تب حضرت ابوبکرؓ نے
کلمہء شہادت پڑھا ' لوگ حضرت ابوبکرؓ کے ارد گرد جمع ہو گئے اور حضرت عمرؓ کے پاس سے
اٹھ آئے ۔ حضرت ابوبکرؓ نے انہیں مخاطب کرتے ہوئے کہا اما بعد دیکھو تم میں سے جو
شخص محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی عبادت کرتا تھا اسے معلوم ہونا چاہئے کہ آپؐ
فوت ہو چکے ہیں اور تم میں سے جو شخص اللہ کی عبادت کرتا تھا اسے معلوم ہونا چاہئے کہ
وہ ہمیشہ سے ہے ' ہمیشہ زندہ رہے گا اور اس پر کبھی موت نہیں آئے گی ۔ اس کے بعد
قرآن حکیم کی یہ آیت پڑھی ۔

وما محمد الا رسول قدخلت من قبلہ الرسل

ترجمہ محمد (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) صرف رسول تھے ان سے پہلے رسول گزر گئے
۔ (یعنی فوت ہو گئے) اگر وہ بھی طبعی موت سے فوت ہو جائیں یا قتل کر دیے جائیں تو
کیا تم ایڑیوں کے بل پھر جاؤ گے (یعنی مرتد ہو جاؤ گے) حضرت عبداللہ بن عباسؓ یہاں
تک روایت بیان کرنے کے بعد کہتے ہیں کہ " خدا کی قسم یوں محسوس ہوا جیسے لوگ اب

تک اس آیت (کے اصل مفہوم) سے بے خبر تھے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت بھی نازل
فرمائی ہے یہاں تک کہ جب حضرت ابوبکرؓ نے اس آیت کی تلاوت کی تو لوگوں نے اس
آیت کو سیکھ لیا پھر تو یہ حال تھا کہ ہر شخص یہی آیت پڑھتا تھا ۔ "

ایک اور روایت کے مطابق (یہ آیت سن کر حضرت) عمرؓ نے کہا خدا گواہ ہے کہ یہ
آیت میں نے ابوبکرؓ کی زبان سے ہی سنی اور میں یہ آیت سن کر اپنے حواس میں نہیں رہا
اور یہ سن کر کہ رسولؐ اللہ فوت ہو گئے ہیں میرا دل زخمی ہو گیا اور میرے قدم نہیں اٹھ
رہے ۔ "

تاریخ اسلام کے اس واقعے نے جو حضورؐ اقدس کے وصال کی معاً بعد پیش آیا
پوری طرح ثابت کر دیا کہ رسولؐ اقدس سے قبل مبعوث ہونے والے تمام انبیاؑ جن میں
حضرت مسیح علیہ السلام بھی شامل ہیں فوت ہو گئے اب اس مستند روایت کا تجزیہ کیجئے ۔

(۱) دنیا کی تاریخ کا وہ نازک ترین وقت ہے جب سردار انبیاؑ فخر رسول ' خاتم النبین
حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم وفات پا جاتے ہیں ۔

(۲) حضرت عمرؓ فاروق جذبات محبت سے مغلوب ہو کر یہ ماننے کے لئے تیار نہیں کہ ان کا
محبوب ان سے ہمیشہ کے لئے جدا ہو گیا ہے وہ کہتے ہیں کہ حضورؐ زندہ ہیں ۔

(۳) حضرت ابوبکرؓ موقعے کی نزاکت کو بھانپ لیتے ہیں اور محسوس فرماتے ہیں کہ اگر اس
جذباتی خیال و نظریہ کی تردید نہ کی گئی تو بعد میں بہت بڑا فتنہ پیدا ہو گا ۔

(۴) آپؓ صحابہ کی جمعیت سے خطاب کرتے ہیں اور قرآن حکیم کی وہ آیت تلاوت کرتے
ہیں جس سے ثابت ہوتا ہے کہ حضور اقدسؐ سے پہلے جتنے نبی گزرے سب وفات پا گئے
یعنی وما محمد الا رسول قدخلت من قبلہ الرسل (حضور اقدسؐ صرف اللہ کے رسول تھے اور
آپؐ سے پہلے جتنی رسول آئے گزر گئے یعنی فوت ہو گئے)

(۵) حضرت عمرؓ پر اس آیت کا اتنا اثر ہوتا ہے کہ آپؓ تلوار نیام میں ڈال لیتے ہیں اور
تسلیم کر لیتے ہیں کہ واقعی حضورؐ اقدس وفات پا گئے ہیں ۔

یہاں بنیادی نکتہ یہ ہے کہ حضرت عمرؓ کا موقف تھا کہ حضورؐ فوت نہیں ہوئے '
حضرت ابوبکرؓ ان کے اس جذباتی خیال کی تردید کرتے ہیں اور ایک دلیل دیتے ہیں ۔ دلیل

بھی قرآن کریم سے ۔ اگر حضورؐ سے قبل مبعوث ہونے والے انبیاؑ میں سے بعض یا کوئی
ایک نبی بھی آسمان پر بجسم عنصری زندہ موجود ہوتا تو عمرؓ جیسے زیرک انسان تلوار نیام میں
ڈالنے کی بجائے حضرت ابوبکرؓ کی طرف بڑھتے اور کہتے کہ " اے ابوبکر! تم کیا کہہ رہے ہو
؟ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے قبل مبعوث ہونے والے سارے نبی کہاں فوت
ہوئے ؟ تم نے جو آیت پڑھی ہے وہ بے موقع اور بے محل ہے ۔ قرآن کریم کی فلاں
آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ ان میں سے ایک نبی (حضرت مسیحؑ) بجسم عنصری آسمان پر
زندہ موجود ہیں ۔ " مگر وہ یہ موقف اختیار نہیں کرتے ۔ مسجد نبویؐ میں موجود جماعت صحابہ
میں سے بھی کوئی صحابی اس آیت کے کوئی اور معنی بیان نہیں کرتا ' کوئی ایسی آیت قرآنی
پیش نہیں کرتا جس سے ثابت ہوتا ہو کہ حضورؐ سے قبل مبعوث ہونے والے انبیاؑ میں سے
کوئی نبی آسمان پر اپنے جسم خاکی کے ساتھ زندہ موجود ہے ۔ گویا صحابہ کی پوری جماعت اس
نظریے اور عقیدے پر متفق ہو جاتی ہے کہ حضورؐ اقدس سے قبل مبعوث ہونے والے
تمام انبیاؑ فوت ہو گئے جن میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی شامل ہیں ۔

یہ امر بھی پیش نظر رکھنا چاہئے کہ خود حضرت ابوبکرؓ کو اگر اس امر میں ذرا سا بھی
شبہ ہوتا کہ انبیائے سابقین میں سے ایک نبی (حضرت مسیحؑ) آسمان پر جسم خاکی کے ساتھ
زندہ موجود ہیں تو وہ حضورؐ اقدس کی وفات ثابت کرنے کے لئے ایسی آیت کبھی پیش نہ
کرتے جس میں حیات مسیحؑ کا ذرہ برابر بھی شائبہ ہوتا ۔ اس وقت تک مسلمانوں میں کسی
قسم کی تفریق بھی پیدا نہیں ہوئی تھی اور ساری امت مسلمہ اس امر پر متفق تھی کہ صحابہء
رسول میں حضرت ابوبکرؓ صدیق سے زیادہ افضل ' زیرک ' قرآن فہمی اور منشائے رسولؐ کو
سمجھنے والا اور کوئی نہیں ۔ پس ابوبکرؓ صدیق جیسے زیرک اور قرآن فہمی میں عدیم النظیر صحابی
رسولؐ بلکہ رفیق رسولؐ ایسی آیت پیش نہیں کر سکتے تھے جو آپؓ کی دعوے کو ثابت کرنے
کی بجائے اس کی شکست و ریخت کا موجب ہوتی ۔

گویا حضورؐ کی وفات کے بعد وفات مسیحؑ کے عقیدے پر جید صحابہ کا اجماع ہو گیا اور
امت مسلمہ نے بحیثیت مجموعی اس نظریہ اور عقیدے کی تصدیق کر دی کہ حضورؐ اقدس
سے قبل مبعوث ہونے والے تمام انبیاؑ جن میں حضرت مسیحؑ بھی شامل ہیں وفات پا چکے

ہیں ۔ کیونکہ جید صحابہ کے اس اجماع میں کسی ایک صحابی نے بھی حضرت ابوبکرؓ سے اختلاف
نہیں کیا اور کوئی ایسی آیت قرآنی پیش نہیں کی جس سے ثابت ہوتا کہ حضورؐ سے قبل
مبعوث ہونے والے انبیاؑ میں سے ایک نبی (حضرت مسیحؑ) آسمان پر زندہ موجود ہیں ۔ اس
لئے عین ممکن ہے کہ حضورؐ انور بھی فوت نہ ہوئے ہوں اور تھوڑی دیر میں آسمان پر اٹھا
لئے جائیں ' نہ حضورؐ کو مع جسم آسمان پر اٹھایا گیا ۔

لفظ خلت کے معنی :-

یہاں ایک اشتباہ پیدا ہو سکتا ہے کہ " وما محمد الا رسول قد خلت من قبلہ الرسل "
میں " خلت " کا جو لفظ استعمال ہوا ہے اس کے معنی فوت ہونے کے نہیں بلکہ " گزرنے "
کے ہیں اور آیت مبارکہ کا مفہوم صرف اتنا ہے کہ محمد رسولؐ اللہ سے قبل رسول گزر چکے
ہیں لیکن اگر " خلت " کے معنی " گزرنے " کے مراد لئے جائیں تو بھی حضرت ابوبکرؓ
صدیق کے موقف پر قطعاً حرف نہیں آتا کیونکہ " گزر گیا " یا گزر گئے " کا مفہوم سوائے
اس کے اور کچھ نہیں کہ " فوت ہو گیا " یا فوت ہو گئے " ۔ آج بھی ہماری روزمرہ کی بول
چال میں یہ فقرہ استعمال ہوتا ہے کہ " فلاں کا عزیز گزر گیا " " فلاں کا بیٹا گزر گیا ' " کیا
اس کے یہ معنی ہوتے ہیں کہ وہ آسمان پر چلا گیا ؟ یا اس کے یہ معنی ہوتے ہیں کہ فوت ہو
گیا ۔ ایک عالم دین نے یہ موقف اختیار کیا ہے کہ " جب ہم کہتے ہیں کہ گاڑی گزر گئی تو
کیا اس کے یہ معنی ہوتے ہیں کہ گاڑی فوت ہو گئی ؟ " اس فاضل اجل کو غور کرنا چاہئے
تھا کہ اگر اس سے کوئی یہ جوابی سوال کر دے کہ " حضرت ! کیا اس کے یہ معنی ہیں کہ
گاڑی آسمان پر چلی گئی ؟ " تو وہ کیا جواب دے گا ۔ اصل بات یہ ہے کہ گزر جانے کا
مفہوم ہی کسی چیز کا اپنی جگہ سے منتقل ہو جانا ہے ۔ انسان جب فوت ہو جاتا ہے تو اردو
زبان میں اس کے لئے " گزر گیا " کے الفاظ اسی لئے استعمال کئے جاتے ہیں کہ وہ اپنی جگہ
(دنیا) سے رخصت ہو گیا اور کون نہیں جانتا کہ دنیا سے رخصت ہو کر لوگ جسم خاکی کے
ساتھ آسمان پر نہیں جاتے بلکہ ان کی روح قبض کر لی جاتی ہے اور بے جان جسم یہیں
زمین پر رہ جاتا ہے ۔ پس اگر " خلت " کے معنی گزر جانے کے بھی مراد لئے جائیں تو بھی
مفہوم یہی ہو گا کہ دنیا سے گزر گئے ۔

آیئے دیکھیں کہ ہمارے قدیم مفسرین نے اس لفظ "خلت" سے کیا معنی مراد لئے ہیں اور "وما محمد الا رسول قد خلت من قبلہ الرسل" کے کیا معنی سمجھے اور بیان کئے ہیں۔ تفسیر بیضاوی مشہور ترین تفسیر ہے۔ اس کے حاشیہ میں اس آیت کریمہ کی تفسیر اس طرح کی گئی ہے:-

لیس (رسول اللہ) مبراء عن الھلاک کسائر الرسل ویخلو کما خلوا (۵)

یعنی رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسی طرح موت سے مستثنیٰ نہیں جس طرح آپؐ سے قبل مبعوث ہونے والے تمام انبیاؑ دنیا سے گزر گئے (فوت ہو گئے) پس اسی طرح آپ بھی گزر جائیں گے۔ فوت ہو جائیں گے۔

ایک اور تفسیر "جامع البیان" میں اسی آیت وما محمد الا رسول کی تفسیر کرتے ہوئے اس آیت کریمہ کے یہ معنی بیان کئے گئے ہیں۔

یعنی رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے قبل جتنے نبی مبعوث ہوئے وہ یا تو (طبعی) موت کے ساتھ دنیا سے گزر گئے یا قتل کے ساتھ (ذریعے) گزر گئے۔ (۶)

ہمارے دور کے قریبی زمانے میں جو معرکۃ الآراء تفسیر لکھی گئی وہ "تفسیر مظہری" ہے اس میں اس آیت کی تفسیر اس طرح کی گئی ہے:-

مضت وماتت من قبلہ الرسل (۷)

یعنی (رسولؐ خدا سے) پہلے نبی و رسول دنیا سے گزر گئے اور ماتت مر گئے (فوت ہو گئے) ایک اور بہت مشہور تفسیر علامہ زین الدین علی المہائمی کی ہے اس تفسیر میں بھی اس آیت کے یہی معنی بیان کئے گئے ہیں۔

"قد خلت منھم من مات ومنھم من قتل" (۸)

(رسولؐ خدا سے قبل) تمام انبیاؑ دنیا سے گزر گئے ان میں سے کوئی (طبعی طور پر) فوت ہو گیا (مات) اور کوئی قتل ہو گیا۔

یعنی گذشتہ زمانوں میں جتنے نبی مبعوث ہوئے ان کے دنیا سے گزرنے کے دو ہی طریقے تھے (۱) یا تو وہ طبعی موت سے فوت ہو گئے یا (۲) انہیں قتل کر دیا گیا۔ ان کے دنیا سے گزرنے کا تیسرا طریقہ اور کوئی نہیں تھا یعنی ان میں سے کسی کو آسمان پر نہیں اٹھایا گیا

سوال یہ ہے کہ اتنے بڑے بڑے مفسر اس آیت کی تفسیر کرتے ہیں اور سب بیک زبان ایک ہی بات کہتے ہیں کہ حضورؐ اقدس سے پہلے جتنے نبی دنیا میں مبعوث ہوئے وہ سب گزر گئے اور گزرنے کے دو ہی طریقے بیان کرتے ہیں کہ (۱) یا تو وہ طبعی موت سے فوت ہو گئے (۲) یا انہیں قتل کر دیا گیا۔ ان میں سے کوئی ایک مفسر بھی دنیا سے گزرنے کا یہ طریقہ تجویز نہیں کرتا کہ ان میں سے کسی ایک کو آسمان پر اٹھا لیا گیا اگر یہ فاضل مفسرین ایسا خیال کرتے تو اپنی تفسیروں میں "الا عیسیٰؑ ابن مریم" کے لفاظ کا اضافہ کر دیتے یعنی سوائے عیسیٰؑ ابن مریمؑ کے جو دنیا سے اس طرح گزرے کہ انہیں آسمان پر اٹھا لیا گیا مگر اس آیت کی تفسیر کرتے وقت کسی مفسر نے اس طرف اشارہ تک نہیں کیا۔

پس ثابت ہو گیا کہ "خلت" کے ایک ہی معنی ہیں یعنی فوت ہو جانا اور یہی معنی حضرت ابوبکرؓ صدیق کے پیش نظر تھے جب آپؓ نے حضورؐ کی وفات پر اس آیت کی تلاوت فرمائی تھی کہ "رسول اللہ علیہ وآلہ وسلم صرف اللہ کے رسول تھے اور آپ سے پہلے جتنے رسول مبعوث ہوئے سب فوت ہو گئے۔" اکابر صحابہ کی جماعت نے ان معنی کو تسلیم کیا تھا، ان سے اتفاق کیا تھا اور کسی نے یہ اعتراض نہیں کیا تھا کہ اے ابوبکرؓ آپ نے اس آیت کی غلط تفسیر کی یا اسے غلط موقع پر چسپاں کیا، دیکھئے سب نبی فوت نہیں ہوئے، عیسیٰؑ ابن مریمؑ ابھی زندہ ہیں وہ آسمان پر تشریف فرما ہیں اور آخر زمانے میں آ کر فریضۂ تبلیغ انجام دیں گے کیونکہ وہ جانتے تھے کہ لفظ "خلت" صاف طور پر بتا رہا ہے کہ حضورؐ اقدس سے پہلے سارے رسول فوت ہو گئے جن میں مسیحؑ ابن مریم بھی شامل ہیں۔

لفظ "الا" کی حکمت؟

اس آیت شریفہ کا ایک پہلو اور ہے جس کی طرف مدعیان "حیات مسیحؑ" نے توجہ نہیں فرمائی۔ وہ یہ کہ "وما محمد الا رسول" میں اللہ تعالیٰ کو لفظ الا (سوائے) استعمال کرنے کی کیا ضرورت تھی جبکہ صرف "وما محمد رسول" کہنے سے مفہوم ادا ہو سکتا تھا یعنی محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) (اللہ کے) رسول تھے۔ "محمد" کے بعد اور رسول سے پہلے "الا" کا لفظ کیوں استعمال کیا گیا۔ اس پر غور و فکر کرنے سے اس لفظ کے استعمال کی حکمت سمجھ میں آ جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ کے سمیع و بصیر اور عالم الغیب ہونے کی ایک

روشن دلیل سامنے آتی ہی۔

اللہ کو معلوم تھا، وہ سن رہا تھا اور دیکھ رہا تھا کہ مسیحی حضرت مسیحؑ کو خدا بنا چکے اور آسمان پر چڑھا چکے ہیں یہ تو اس کے سمیع و بصیر ہونے کی طرف اشارہ ہے۔ اسے معلوم تھا کہ مستقبل میں بہت سے مسلمان بھی غلط فہمی کی بنا پر یہ عقیدہ اختیار کرلیں گے کہ حضرت مسیحؑ آسمان پر بیٹھے ہیں اور آخری زمانے میں آسمان سے نازل ہو کر مسیحیوں اور مسلمانوں دونوں کی اصلاح کریں گے، یہ اس کے عالم الغیب ہونے کی دلیل ہے۔ پس اس نے عیسائیوں اور مسلمانوں دونوں کو لفظ "الا" فرما کر ان کی غلط فہمی پر متنبہ کر دیا اور بتا دیا کہ (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) صرف رسول ہیں (الا) سوائے اس کے آپ کی اور کوئی حیثیت نہیں۔ "عبدہ و رسولہ" میں بھی اسی طرف اشارہ ہے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اللہ کے رسول ضرور ہیں مگر وہ اللہ کے بندے بھی ہیں اور اللہ کا بندہ خواہ وہ کتنا ہی بڑا رسول کیوں نہ ہو اسی زمین پر زندگی گزارتا ہے اور یہیں فوت ہو جاتا ہے، آسمان پر جا کر زندگی نہیں گزار سکتا۔ اس لئے اگر محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) فوت ہو جائیں یا قتل کر دیئے جائیں تو تم اپنی ایڑیوں کے بل مت پھر جانا اور یہ اعتراض نہ کرنا کہ اگر آپؐ رسول برحق ہوتے تو نہ فوت ہوتے، نہ قتل کئے جاتے بلکہ اللہ تعالیٰ آپؐ کو آسمان پر اٹھا لیتا جس طرح تمہارے خیال کے مطابق حضرت عیسیٰؑ کو اٹھا لیا۔ ایسا عقیدہ غیر اسلامی ہے کسی کو آسمان پر نہیں اٹھایا گیا۔ پس وما محمد الا رسول میں "الا" شامل کر کے یہ بتانا مقصود ہے کہ رسولؐ خدا اس سے زیادہ کچھ نہیں کہ رسول ہیں اس طرح آپ میں الوہیت کے شائبے کی بھی نفی کر دی گئی تا کہ حضرت مسیحؑ کی طرح آپؐ سے بھی صفات الوہیت نہ منسوب کر دی جائیں جن میں سے ایک صفت آسمان پر جا بیٹھنا بھی ہے۔

عہد صدیقی میں "حیات مسیحؑ" کا تصور

عجیب بات ہے بلکہ تاریخ اسلام میں ایک عجیب واقعہ پیش آیا جو ہماری اردو تاریخوں میں جگہ نہیں پا سکا۔ شاید اس کی وجہ یہ تھی کہ اس سے حضرت مسیحؑ کی حیات آسمانی کی نفی ہوتی تھی۔ واقعہ یہ ہے۔

حضورؐ اقدس کے وصال کے بعد جب ارتداد کی رو چلی تو بحرین کے قبائل بھی مرتد ہو گئے، ان میں ایک قبیلہ عبدالقیس نامی تھا۔ مشہور صحابی رسول حضرت جارودؓ بن معلی اسی قبیلے کے سردار تھے یہ قبیلہ بھی مرتد ہو گیا۔ حضرت جارودؓ اس واقعہ کی وجہ سے سخت دل گرفتہ تھے ایک روز انہوں نے اپنے قبیلے کے لوگوں کو جمع کیا اور ان سے اس مسئلہ پر گفتگو کی۔ دنیائے اسلام کے عظیم مفکر امام محمد بن عبدالوہابؒ نے یہ واقعہ اپنی کتاب "مختصر سیرۃ الرسول" میں اس طرح بیان کیا ہے۔

> قبیلہء عبدالقیس اس بنا پر مرتد ہو گیا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اگر خدا کے رسول ہوتے تو فوت نہ ہوتے۔ صحابی رسول جارودؓ بن معلی کھڑے ہوئے اور انہوں نے قبیلے کے لوگوں سے پوچھا کہ حضرت موسیٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ "شہدانہ رسولؐ اللہ" یعنی ہم گواہی دیتے ہیں کہ وہ دونوں اللہ کے رسول تھے۔ اس پر حضرت جارودؓ بن معلی نے کہا کہ میں بھی گواہی دیتا ہوں کہ خدا کے سوائے اور کوئی معبود نہیں اور محمد اللہ کے بندے اور رسول تھے۔ (اس کے بعد کہا کہ) جس طرح حضرت موسیٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ نے زندگی گزاری ویسے ہی رسول اللہ نے زندگی گزاری۔ جس طرح وہ دونوں (یعنی حضرت موسیٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ) فوت ہو گئے اسی طرح رسولؐ خدا بھی فوت ہو گئے۔ اصل عربی الفاظ یہ ہیں۔

"عَاشَ کَمَا عَاشُوا وَمَاتَ کَمَا مَاتُوا" (۹)

یہ کوئی معمولی واقعہ نہیں، تاریخ اسلام کا عظیم الشان واقعہ ہے جس نے ثابت کر دیا کہ رسول اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد مبارک میں بھی اور حضورؐ کے بعد عہد صدیقی میں بھی صحابہؓ ء کرام کا بھی یہی عقیدہ تھا کہ رسولؐ اللہ سے قبل جتنے نبی مبعوث ہوئے ان میں سے کوئی ایک بھی موت کا ذائقہ چکھنے سے نہیں بچا وہ سب فوت ہو گئے۔ ان میں سے کوئی زندہ نہیں حتیٰ کہ حضرت مسیحؑ ابن مریمؑ بھی فوت ہو گئے۔ اس عقیدے

کو عین اسلامی عقیدہ بھی وہ شخص قرار دے رہا ہے جو اپنے عہد کا فاضل جلیل اور امام وقت تھا اور لاکھوں مسلمانوں کا روحانی پیشوا یعنی امام محمد بن عبدالوہابؒ"۔

ایک باریک نکتہ

قرآن حکیم پر جتنا غور کیا جائے اس کے معارف اتنے ہی کھلتے چلے جاتے ہیں اور انسان پر وجد کی کیفیت طاری ہو جاتی ہی۔ کلام الٰہی کی آیات میں ایسا تسلسل نظر آتا ہے کہ ہر واقعہ اپنی تمام جزئیات کے ساتھ مکمل تصویر کھینچ کر سامنے رکھ دیتا ہے اور سب سے زیادہ قابل ذکر بات یہ ہے کہ قرآن حکیم کی ایک آیت دوسری آیت کی اس طرح تفسیر کر دیتی ہی کہ قاری کو باہر جا کر تلاش کرنے کی ضرورت ہے باقی نہیں رہتی۔

گذشتہ صفحات میں قرآن حکیم کی ایک آیت مبارکہ درج کی گئی تھی:۔

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ (سورہ آل عمران آیت نمبر ۱۴۴)

اور محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) صرف اللہ کے رسول ہیں۔ آپؐ سے پہلے رسول فوت ہو گئے۔

دوسری جگہ فرمایا:۔

مَا الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ (سورہ المائدہ آیت نمبر ۷۵)

(مسیحؑ ابن مریم صرف اللہ کے رسول تھے آپؑ سے پہلے سب رسول فوت ہو گئے)

یہ بہت غور کرنے کا مقام ہے کہ حضرت مسیحؑ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دونوں کے لئے ایک جیسے الفاظ اور ایک جیسا اسلوب اختیار کیا گیا ہے۔ پہلی آیت میں فرمایا کہ محمدؐ اس سے زیادہ کچھ نہیں کہ آپؐ اللہ کے رسول ہیں اور آپؐ سے پہلے رسول فوت ہو گئے۔ دوسری آیت میں فرمایا کہ مسیحؑ ابن مریمؑ اس سے زیادہ کچھ نہیں کہ آپؑ اللہ کے رسول ہیں اور آپؑ سے پہلے رسول فوت ہو گئے صرف دونوں انبیاؑ کے اسمائے گرامی کا فرق ہے۔ پہلی آیت میں محمدؐ اور دوسری آیت میں مسیحؑ ابن مریمؑ باقی الفاظ اور مفہوم دونوں آیتوں کا یکساں۔ آخر اس میں کیا بھید ہے؟ تھوڑی سی توجہ اور غور سے یہ نکتہء لطیف سمجھ میں آجاتا ہے۔

ان دونوں آیات میں الفاظ اور معنی کی مماثلت و مشارکت اس لئے رکھی گئی ہے کہ

ان دونوں مقدس نبیوں کے ساتھ بعض واقعات ایک جیسے پیش آئے تھے۔ حضرت مسیحؑ سے قبل بھی بعض نبیوں مثلاً حضرت ادریسؑ اور حضرت الیاسؑ (ایلیاہ) کو یہودیوں نے آسمان پر بٹھا رکھا تھا۔ اسی طرح حضورؐ اقدس سے قبل مسیحیوں نے اور حضورؐ اقدس کے بعد بہت سے مسلمانوں نے بھی حضرت مسیحؑ کو آسمان پر بٹھا دیا، اللہ تعالیٰ جو عالم الغیب ہے ان سارے واقعات کا پورا پورا علم رکھتا تھا اس لئے اس نے یہودیوں، عیسائیوں اور غلطی خوردہ مسلمانوں تینوں گروہوں کو متنبہ کر دیا انہیں اصل حقیقت سے آگاہ کر دیا کہ:۔

ما المسیح ابن مریم الا رسول قدخلت من قبلہ الرسل

"مسیحؑ ابن مریم سوائے اس کے اور کچھ نہیں کہ اللہ کے رسول ہیں اور ان سے پہلے مبعوث ہونے والے رسول فوت ہو گئے، یعنی حضرت ادریسؑ اور حضرت الیاسؑ دونوں میں سے کوئی بھی آسمان پر زندہ موجود نہیں یہ سب فوت ہو کر اللہ کے حضور حاضر ہو گئے۔

دوسری آیت میں فرمایا:۔

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ

"محمدؐ اس سے زیادہ کچھ نہیں کہ اللہ کے رسول ہیں اور آپؐ سے پہلے جتنے رسول مبعوث ہوئے وہ سب فوت ہو گئے۔" اس طرح مسیحیوں اور غلطی خوردہ مسلمانوں کو اس حقیقت سے آگاہ کر دیا کہ جس طرح مسیحؑ سے پہلے سب رسول فوت ہو گئے اسی طرح حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے قبل مبعوث ہونے والے رسول جن میں مسیحؑ بھی شامل ہیں فوت ہو گئے۔

اس طرح قرآن حکیم نے یہودیوں، مسیحیوں اور غلطی خوردہ مسلمانوں تینوں کو ان دو آیات مبارکہ کے ذریعے اس حقیقت سے مطلع کر دیا کہ حضرت ادریسؑ سے لے کر حضرت مسیحؑ اور سب سے بڑھ کر رسولؐ اقدس تک جتنے انبیاؑ مبعوث ہوئے ان میں سے کوئی بھی زندہ نہیں۔ سب دنیا میں اپنی مدت مقررہ گزار کر اللہ تعالیٰ کے حضور حاضر ہو گئے۔

ایک اور لطیف دلیل

اپنے اس دعوے کے ثبوت میں کہ حضرت ادریسؑ، حضرت الیاسؑ، حضرت مسیحؑ

یہ سب انسان تھے " الا رسول " میں اسی طرف اشارہ ہے کہ یہ سارے انبیاؑ صرف رسول
تھے۔ اس سے زیادہ اور کچھ نہیں اور رسول انسان ہوتا ہے وہ کھانے پینے کا محتاج ہوتا ہے
چنانچہ حضرت مسیحؑ اور آپ کی والدہ محترمہ حضرت مریمؑ کے بارے میں فرمایا :-

كَانَا يَاكُلٰنِ الطَّعَامَ ؕ (سورہ المائدہ آیت نمبر ۷۵)

" وہ دونوں کھانا کھایا کرتے تھے ۔ "

غور کرنا چاہیئے کہ کھانا کھانا کونسی قابل ذکر بات ہے ۔ ہر جاندار کھانے کا محتاج
ہے۔ کھانا کھائے بغیر تو کوئی بھی زندہ نہیں رہ سکتا ۔ اللہ تعالیٰ کو ایسی عبث اور بے فائدہ
بات کہنے کی کیا ضرورت تھی " مگر نہیں یہ عبث اور بے فائدہ بات نہیں یہ بڑے کام کی بات
ہے ان الفاظ سے اللہ تعالیٰ نے دو بے بنیاد اور غیر اسلامی تصورات کو پارہ پارہ کر دیا ۔

(۱) مسیحیوں نے حضرت مسیحؑ اور حضرت مریمؑ کو خدا بنا لیا تھا ۔ اللہ تعالیٰ نے یہ فرما کر کہ
" وہ دونوں کھانا کھایا کرتے تھے ' ان کی خدائی کے تصور کو باطل کر دیا اور یہ حقیقت
مسیحیوں کے ذہن نشین کردی کہ خدا کھانے پینے کا محتاج نہیں جبکہ حضرت مسیحؑ اور ان کی
والدہ حضرت مریمؑ کھانے پینے کے محتاج تھے ۔ اگر مسیحؑ اور ان کی والدہ خدا ہوتے تو وہ
کھانے پینے کے کبھی محتاج نہ ہوتے ۔ پس ثابت ہوا کہ وہ ہرگز خدا نہیں ۔

(۲) یہودیوں اور مسیحیوں نے حضرت ادریسؑ اور حضرت الیاسؑ کو اور مسیحیوں نے حضرت
مسیحؑ کو آسمان پر بٹھا رکھا تھا اور آج تک ان کی آمد کے منتظر ہیں ۔ بعض مسلمان مفسرین
نے کسی بددیانتی سے نہیں بلکہ غلط فہمی کی بنا پر ایسی روایتیں قبول کرلیں جن سے حضرت
مسیحؑ کا بھی آسمان پر اٹھا لیا جانا ظاہر ہوتا ہے پس اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیحؑ اور ان کی
والدہ دونوں کے بارے میں یہ فرما کر کہ کان یا کلن الطعام (وہ دونوں کھانا کھایا کرتے تھے)
اس غلط فہمی کو دور کر دیا کہ مسیحؑ اور ان کی والدۂ محترمہ آسمان پر بیٹھے ہیں کیونکہ وہ
دونوں تو کھانا کھانے کے محتاج تھے ' وہ دونوں جسم خاکی رکھتے تھے ' مادی جسم رکھتے تھے اور
مادی جسم مادی غذا کا محتاج ہے جو اس دنیا میں مہیا ہو سکتی ہے آسمان پر تو آسمانی غذا ملتی ہے
وہاں نہ تنور ہیں نہ گائیں بھینیس نہ سبزیاں ترکاریاں ' نہ کپڑا بننے کی ملیں نہ حجام اور
دھوبی اس لئے ہزاروں سال تک کسی انسان کا آسمان پر قیام ممکن ہی نہیں اس کی مزید

وضاحت کر دی کہ :-

وما جعلنٰھم جسداً لا یاکلون الطعام

(اور ہم نے کوئی جسم ایسا نہیں بنایا جو کھانا کھانے کا محتاج نہ ہو)

اس ارشاد الٰہی نے اس تصور کو ہمیشہ کے لئے ختم کر دیا کہ کوئی شخص اس مادی جسم
کے ساتھ آسمان پر جا کر مادی خوراک کے بغیر بھی زندہ رہ سکتا ہے ۔ اگر حضرت ادریسؑ '
حضرت الیاسؑ اور حضرت مسیحؑ مادی جسم رکھتے تھے تو ان کے زندہ رہنے کے لئے مادی
خوراک ضروری ہے جو وہ اپنے ساتھ آسمان پر لے کر نہیں گئے ۔ ہاں آسمان پر روحانی غذا
یقیناً مل سکتی ہے مگر اس کے لئے ضروری ہے کہ انسان مادی جسم اسی زمین پر چھوڑ جائے
اگر آسمان محض استعارہ ہے اور اس سے مراد وہ عالم ہے جہاں نیک انسانوں کی ارواح جاتی
ہیں تو بلاشبہ حضرت ادریسؑ ' حضرت الیاسؑ اور حضرت مسیحؑ بلکہ تمام انبیاؑ اور مقربین الٰہی
سب آسمان پر چلے گئے اور سب کو قرب الٰہی نصیب ہو گیا ۔

قانون قدرت کے خلاف نشان ؟

قرآن حکیم نازل کرنے والا خدا عالم الغیب ہے ۔ اسے معلوم تھا کہ مسیحی علماء کے
زیر اثر آکر ایک دن بہت سے مسلمان بھی یہ عقیدہ اختیار کرلیں گے کہ حضرت مسیحؑ
آسمان پر بیٹھے ہیں ۔ اس لئے اس نے قرآن حکیم میں بعض جگہ واضح اشاروں میں اور
بعض مقامات پر محض اشاروں میں نہیں بلکہ صاف صاف اور دو ٹوک الفاظ میں اس حقیقت
کا اعلان کر دیا کہ آسمان پر جانا نہ کسی نبی کی صداقت کی دلیل ہے ' نہ ایسی دلیل طلب کرنا
جائز ہے اور نہ اللہ تعالیٰ ایسے تماشے دکھاتا ہے بلکہ اس کی ذات اس قسم کے امور سے
پاک ہے چنانچہ جب کفار نے حضورؐ اقدس سے آسمان پر جانے کا معجزہ طلب کیا تو حضورؐ پر
وحی نازل ہوئی کہ ان (کافروں) کا یہ مطالبہ اللہ تعالیٰ کی شان کے خلاف ہے اس لئے یہ
پورا نہیں کیا جا سکتا اور ایسا نشان نہیں دکھایا جا سکتا ۔ ارشاد ہوتا ہے کہ :-

وقالوا لن نومن لک حتّٰی ۔۔۔ (تا) اَوْ تَرْقٰی فِی السَّمَآءِ ؕ (سورۂ بنی اسرائیل آیت نمبر ۹۰ تا ۹۳)

(انہوں نے کہا کہ ہم اس وقت تک تیری بات قبول نہیں کریں گے جب تک تو

(فلاں فلاں کام کرنے کے علاوہ) آسمان پر نہ چڑھ جائے)

کفار کے اس مطالبے کے جواب میں اللہ تعالیٰ حضور اقدس کو مخاطب کر کے فرماتا ہے کہ :-

قُلْ سُبْحَانَ رَبِّیْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا (سورہ بنی اسرائیل آئت نمبر ۹۳)

(ان سے کہہ دیجئے کہ میرا رب پاک ہے (اس قسم کے کام کرنے سے) میں صرف بشر ہوں اور رسول ہوں ۔)

غور کرنے کا مقام ہے کہ کفار کی ایک جماعت اس رسولؐ اقدس سے جو تمام انبیاؑ کے سردار اور افضل الرسل تھے ایک نشان طلب کرتی ہے اس پاک اور نبی صادق کے لئے اپنی صداقت کے اظہار اور معجزہ نمائی کا یہ بہت نادر موقع تھا اگر اس قسم کے معجزے دکھانا درست اور نبی کی شان کے مطابق ہوتا اور سنت الٰہی سے بھی متصادم نہ ہوتا تو حضورؐ اقدس یہ نشان اسی وقت دکھا دیتے ۔ اس نشان کے ظہور کے بعد کفار کے منہ بند ہو جاتے مگر اللہ تعالیٰ نہ خود یہ نشان دکھاتا ہے اور نہ حضورؐ اقدس اللہ تعالیٰ سے عرض کرتے ہے کہ " اے رب قادر و توانا تیرے نبی کے منکروں کا یہ گروہ مجھ سے یہ نشان طلب کر رہا ہے تو انہیں یہ نشان دکھا دے اور ان کے لئے زمین سے چشمہ جاری فرما کر میرے لئے کھجوروں اور انگوروں کا باغ لگا کر اور سونے کا گھر بنا کر پھر مجھے آسمان پر چڑھا دے تاکہ یہ لوگ تیرے نبی پر ایمان لے آئیں " بلکہ اس کی بجائے اللہ تعالیٰ حضورؐ سے فرماتا ہے کہ آپؐ ان سے کہہ دیں کہ :-

(۱) " سبحان ربی " میرا رب پاک ہے ۔ یعنی اس قسم کے کام کرنا اس کی شان کے خلاف ہے ۔

(۲) (یہ بھی کہہ دیں کہ **هل کنت الا بشراء رسولاء** میں اس سے زیادہ اور کچھ نہیں کہ رسول ہوں مگر بشر (بھی) ہوں ۔ یعنی اگر بشر کے لئے آسمان پر جانا ممکن ہوتا تو میں ضرور آسمان پر چلا جاتا ۔

اعتراض کیا جا سکتا ہے کہ بلاشبہ بشر کے لیے خود آسمان پر جانا ممکن نہیں مگر اللہ تعالیٰ تو اسے اٹھا سکتا ہے لیکن خود اللہ تعالیٰ حضورؐ اقدس کی زبان سے یہ الفاظ ادا کروا رہا

ہے کہ ——————— " سبحان ربی " میرا رب اس قسم کے کام کرنے سے پاک ہے وہ ایسے کام نہیں کیا کرتا ۔

کیا اب بھی اس امر میں کوئی شک و شبہ باقی رہ گیا کہ اللہ تعالیٰ کسی بڑے سے بڑے رسول کو بھی آسمان پر نہیں اٹھاتا یہ اس کی سنت اور شان دونوں کے خلاف ہے اور وہ ایسی باتوں سے پاک ہے پس ثابت ہو گیا کہ حضرت مسیحؑ کو بھی اس نے آسمان پر نہیں اٹھایا اور یہ عقیدہ قرآن کریم کے صریحاً خلاف ہے ۔

آخری فیصلہ

قرآن حکیم ایسی آیات سے بھرا پڑا ہے جو پکار پکار کر اعلان کر رہی ہیں کہ کوئی نبی یا اس کی ماں ، کوئی بزرگ ، کوئی ولی ، کوئی امام نہ آسمان پر زندہ موجود ہے نہ زمین پر ۔ ہم نے چند آیات اس دعوے کے ثبوت میں پیش کی ہیں ، مضمون کو طول دینا مقصود نہیں اور نہ ان صفحات میں اتنی گنجائش ہے کہ ان سب آیات سے استدلال کیا جا سکے کیونکہ کتاب کا حجم اس کا متحمل نہیں ہو سکتا ۔ اب آخر میں ایک ایسی آیت پیش کر کے اس مضمون کو ختم کیا جاتا ہے جس کے بعد کسی شخص کے ذہن میں ذرہ برابر بھی شک باقی نہیں رہ سکتا کہ ایسی تمام ہستیاں جنہیں اس مادی جسم کے ساتھ زندہ تسلیم کیا جاتا ہے وہ سب فوت ہو چکی ہیں چنانچہ ارشاد ہوتا ہے کہ :-

وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا يَخْلُقُوْنَ شَيْئًا وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ ط

اَمْوَاتٌ غَيْرُ اَحْيَآءٍ ج وَمَا يَشْعُرُوْنَ اَيَّانَ يُبْعَثُوْنَ (سورہ النحل آیت نمبر ۲۰ ، نمبر ۲۱)

(جنہیں اللہ کے سوائے عبادت کے لئے پکارا جاتا ہے (جن کی پرستش کی جاتی ہے) وہ کچھ بھی پیدا نہیں کر سکتے (بلکہ) وہ تو خود پیدا کئے جاتے ہیں (اپنی پیدائش کے محتاج ہیں) ان (سب) پر موت آ چکی ہے ۔ (ان میں سے کوئی) زندہ نہیں اور وہ (تو یہ بھی) نہیں جانتے کہ انہیں دوبارہ کب اٹھایا جائے گا ۔)

اس آیت کریمہ پر خوب غور کیجئے اس نے ہمیشہ کے لئے فیصلہ کر دیا کہ جن لوگوں کو زمین یا آسمان پر زندہ تسلیم کیا جاتا ہے وہ سب فوت ہو چکے ہیں ۔ اس آیت مبارکہ میں پانچ بنیادی نکات ہیں ۔

(۱) کچھ ایسی ہستیاں بھی ہیں جنہیں اللہ کے سوائے معبود بنا لیا گیا ہے۔

(۲) وہ کسی چیز کی خالق نہیں

(۳) بلکہ وہ تو مخلوق ہیں انہیں تو پیدا کیا گیا ہے۔

(۴) وہ سب فوت ہو چکی ہیں اور اب ان کا جسمانی زندگی سے کوئی تعلق نہیں۔

(۵) ان کی بے خبری کا تو یہ عالم ہے کہ انہیں اتنا بھی نہیں معلوم کہ وہ دوبارہ کب زندہ کی جائیں گے یعنی یوم حشر کب ہو گا۔

ان نکات میں ایسی تمام شخصیتوں کا احاطہ کر لیا گیا ہے جن میں کسی بھی خدائی صفت کا ذرا سا شائبہ بھی موجود ہو سکتا ہے۔ حضرت ادریسؑ، حضرت الیاہؑ، حضرت خضرؑ، حضرت مریمؑ اور حضرت مسیحؑ، یہ سب وہ لوگ ہیں جن سے کسی نہ کسی رنگ میں خدائی صفات منسوب ہوتی ہیں اور ان میں سے بعض کو تو کھلم کھلا معبود بنا لیا گیا ہے۔ اس آیت میں ان کی خدائی کے انکار کے حق میں دلیل یہ دی گئی ہے کہ وہ کسی چیز کی خالق نہیں یعنی جو شخص ایک مکھی، مچھر یا گھاس کا ایک تنکا تک پیدا نہ کر سکے وہ خدا کیسے ہو سکتا ہے اور جو خدا نہیں ہو سکتا وہ کسی خدائی صفت سے متصف بھی قرار نہیں دیا جا سکتا۔ دوسرا نکتہ یہ بیان کیا گیا ہے کہ وہ سب تو مخلوق ہیں۔ یہ ان کی عاجزی کی دلیل ہے اور اس نکتے میں یہ حقیقت بیان کی گئی ہے مخلوق پر موت آ جاتی ہے وہ ایک مدت مقررہ سے زیادہ زندہ نہیں رہ سکتیں۔

تیسرے نکتے میں صاف صاف اعلان کر دیا گیا کہ اموات غیر احیاء۔ یہ سب مر چکے ہیں ان کا جسمانی زندگی سے اب کوئی تعلق باقی نہیں رہا۔ آخری نکتے میں ان کی جسمانی موت کی یہ دلیل دی گئی ہے کہ دنیا ——— اور اس کے معاملات سے وہ کلیتہ "بے خبر ہیں۔

پس ثابت ہو گیا کہ حضرت مریمؑ اور حضرت مسیحؑ دونوں کا انتقال ہو گیا کیونکہ ان دونوں کو خدا بنا لیا گیا تھا اور قرآن نے فیصلہ فرما دیا کہ جن شخصیتوں کو خدا کے سوائے معبود کے طور پر پکارا جاتا ہے وہ سب فوت ہو گئے۔ انا للہ و انا الیہ راجعون ط

حوالہ جات

(۱) صحیح بخاری کتاب التفسیر زیر آیت "کنت علیھم شھیدا۔"

(۲) صحیح بخاری۔ کتاب الجنائز۔ باب "الدخول" علی المیت بعد الموت۔

(۳) السیرۃ النبویہ الجز الثالث صفحہ نمبر ۳۷۲ مولف علامہ ابن ہشام"

(۴) طبقات کبیر الجز الثالث صفحہ نمبر ۵۴ مولف ابن سعد"

(۵) عنایۃ القاضی و کفایۃ الراضی علی التفسیر البیضاوی جلد نمبر ۳ صفحہ نمبر ۶۸

(۶) تفسیر جامع البیان للشیخ العلامہ سید معین الدین ابن شیخ صفی الدین صفحہ نمبر ۲۱

(۷) تفسیر مظہری صفحہ نمبر ۳۸۵ زیر آیت "و ما محمد الا رسول" از حضرت علامہ قاضی ثنا اللہ پانی پتی

(۸) تبصیر الرحمان و تیسیر المعان للشیخ العلامہ علی المھائمی۔ جلد نمبر ۱ صفحہ نمبر ۱۷۷

(۹) مختصر سیرۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم صفحہ نمبر ۱۸۷، ۱۸۶۔ مولفہ شیخ الاسلام الامام مجدد القرن الثانی عشر، محمد بن عبدالوہاب"۔ دار العربیہ۔ بیروت

معجزاتِ مسیحؑ

حضرت مسیحؑ کی مفروضہ خدائی کو جن چیزوں سے سب سے زیادہ تقویت پہنچی ہے ان میں وہ محیرالعقول واقعات سرفہرست ہیں جنھیں معجزات کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے اور جو حضرت مسیحؑ سے منسوب کئے جاتے ہیں۔ ہم کرامات و معجزات کا انکار نہیں کرتے بلا شبہ اولیاءاللہ سے کرامات کا ظہور ہوا اور انبیاء نے معجزے دکھائے' ان کا انکار کفر ہے مگر کوئی ولی اور کوئی نبی خواہ وہ کتنا ہی جلیل القدر کیوں نہ ہو' خدائی صفات کا حامل نہیں ہو سکتا۔ زندہ کرنا اور مارنا' یہ خالصتہ" خدائی صفات ہیں اور اللہ تعالیٰ نے یہ قدررت کسی کو عطا نہیں فرمائی۔ اگر ایسا ہو تو سارا نظام کائنات اور اس کا وجود مشتبہ ہو جائے گا کہ حقیقتہ" خدا اس کا خالق ہے یا اس کی تخلیق میں کوئی اور بھی اس کے ساتھ شریک ہے۔

معجزات کے سلسلے میں ایک بنیادی بات ہمیشہ ذہن میں رکھنی چاہئے کہ انبیاء کی صداقت معجزات کی محتاج نہیں ہوتی۔ معجزات کمزور ایمان والوں کے لئے دکھائے جاتے ہیں۔ یہ منکرین انبیاء پر اتمام حجت کا ایک ذریعہ ہیں ورنہ قلب سلیم رکھنے والے لوگوں نے کبھی کسی نبی سے معجزہ طلب نہیں کیا۔ ہمارے رسول اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب دعویٰ نبوت فرمایا اور حضرت ابوبکرؓ صدیق کو بتایا گیا کہ اے ابوبکر! تمھارے دوست (حضورؐ انور) نے نبوت کا دعویٰ کر دیا ہے تو حضرت ابوبکرؓ حضورؐ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور صرف اتنا دریافت کیا کہ اے محمدؐ کیا آپ نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے؟ جب حضورؐ نے فرمایا کہ ہاں اے ابوبکر! خدا نے مجھے نبوت عطا فرمائی ہے ------- اتنا سننا تھا کہ حضرت ابوبکرؓ فورا" ایمان لے آئے اور صدیق کے خطاب سے نوازے گئے۔ صدیق

اکبر نے کوئی معجزہ طلب نہیں کیا۔ اسی طرح حضرت علیؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت طلحہؓ، حضرت زبیرؓ، حضرت سعدؓ بن ابی وقاص، حضرت عمارؓ بن یاسر، حضرت ابوذرؓ غفاری اور حضرت سلمان فارسیؓ ---- کہاں تک نام گنوائے جائیں، ان تمام جلیل القدر اصحاب رسولؐ نے کوئی معجزہ اور نشان طلب کئے بغیر حضورؐ اقدس کی تصدیق کی اور آپؐ پر ایمان لے آئے۔

پھر یہ حقیقت بھی پیش نظر رکھنی چاہیئے کہ قرآن حکیم نے کتنے ہی انبیاء کا ذکر فرمایا ہے ان سب کے معجزات کا ذکر اس مقدس کتاب میں نہیں ملتا۔ مثلاً حضرت آدمؑ نے جو ابوالانبیاء تھے کوئی معجزہ نہیں دکھایا، حضرت شیثؑ نے کوئی معجزہ نہیں دکھایا، حضرت نوحؑ نے کوئی معجزہ نہیں دکھایا، حضرت ابراہیمؑ نے کوئی معجزہ نہیں دکھایا، حضرت اسماعیلؑ نے کوئی معجزہ نہیں دکھایا، حضرت یعقوبؑ اور حضرت یوسفؑ نے کوئی معجزہ نہیں دکھایا۔ ان انبیائے کرام کی پاکیزہ زندگی اور اعلیٰ و ارفع تعلیم ہی ان کا سب سے بڑا معجزہ تھا۔ ہاں اللہ تعالیٰ نے حضرت نوحؑ کی دعا قبول فرمائی، ان کی نافرمان قوم کو غرق کر دیا اور حضرت نوحؑ اور آپؑ کے متبعین کو نجات دی۔ یہ حضرت نوحؑ کا معجزہ نہیں تھا بلکہ ان کی نافرمان قوم پر خدا کا عذاب تھا۔ حضرت ابراہیمؑ پر آتش نمرود کو گلزار کر دیا گیا۔ یہ حضرت ابراہیمؑ کا معجزہ نہیں تھا بلکہ خداوند تعالیٰ کی قدرت کاملہ کا نشان تھا۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے حضرت لوطؑ، حضرت صالحؑ، حضرت ہودؑ اور حضرت شعیبؑ کی نافرمان قوموں کو ہلاک کر دیا اور ان کی بستیوں کو ملبے کے ڈھیروں میں تبدیل کر دیا۔ یہ ان انبیاء کے معجزے نہیں تھے بلکہ اللہ تعالیٰ کا عذاب تھا جو ان کی نافرمان قوموں پر نازل ہوا۔

اس کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ نے اپنے بعض انبیاء کو معجزات بھی عطا فرمائے جیسے حضرت موسیٰؑ کو وہ عصا دیا جس نے فرعون کے ساحروں کے تمام ساحرانہ کرشموں کو ایک ہی ضرب سے ملیامیٹ کر دیا۔ اس عصا کو حضرت موسیٰؑ نے بحر قلزم پر مارا اور سمندر دو حصوں میں بٹ گیا، اسی عصا کو آپؑ نے ایک پتھر پر مارا، اس سے بارہ چشمے پھوٹ پڑے

حضورؐ اقدس کو سارے انبیاء سے بڑھ کر معجزات عطا ہوئے۔ آپؐ نے اپنی انگشت مبارک سے اشارہ فرمایا اور چاند کے دو ٹکڑے ہوگئے۔ یہ آپؐ کا ذاتی معجزہ تھا اور

خالصتہً آپ کے ارادے اور حکم سے رونما ہوا تھا۔ انبیاء کی ساری تاریخ کھلی ہوئی کتاب کی طرح ہمارے سامنے موجود ہے، ان کے معجزات بھی ہمارے سامنے ہیں مگر قرآن حکیم کسی نبی سے کوئی ایسا معجزہ منسوب نہیں کرتا جس سے یہ ثابت ہوتا ہو کہ اس نبی نے کسی مردے کو زندہ کر دیا ہو یا کوئی نئی مخلوق پیدا کر کے خدا کی مخلوق میں اضافہ کیا ہو۔ پس حضرت مسیحؑ سے منسوب معجزات پر غور کرتے وقت ہمیں یہ حقائق ضرور پیش نظر رکھنے چاہئیں۔

مسیحؑ کا گہوارے میں کلام؟

حضرت مسیحؑ کا سب سے پہلا معجزہ یہ بیان کیا جاتا ہے کہ آپؑ نے ان لوگوں سے گہوارے میں کلام کیا جو آپؑ کی مقدس والدہ پر ایک ناپاک تہمت لگاتے تھے۔ اس معجزے کے ثبوت میں قرآن حکیم کا یہ ارشاد پیش کیا جاتا ہے کہ:-

وَيُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ الخ (سورہ آل عمران آیت نمبر ۴۶)

(اور وہ گہوارے (یا گود) میں لوگوں سے باتیں کرے گا)

دوسری جگہ فرمایا:- قَالَ اِنِّي عَبْدُ اللّٰهِ اٰتٰنِيَ الْكِتٰبَ وَجَعَلَنِي نَبِيًّا سورہ مریم آیت نمبر ۳۰)

(مسیح نے کہا کہ میں اللہ کا بندہ ہوں، اس نے مجھے کتاب عطا فرمائی ہے اور مجھے نبی بنایا ہے)

یعنی جب حضرت مریمؑ جناب مسیحؑ کو لے کر وطن واپس آئیں تو یہودیوں نے پوچھا کہ اے مریمؑ! تو نے یہ کیا کیا؟ تیرا باپ تو برا آدمی نہیں تھا، نہ تیری ماں بدکار تھی (پھر تو نے (نعوذباللہ) یہ ناجائز بچہ کیوں پیدا کیا) اس کے جواب میں حضرت مریمؑ نے حضرت مسیحؑ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ خود اس سے پوچھ لو۔ یہودیوں نے جواب دیا کہ ہم اس سے کیا بات کریں جو گود کا بچہ ہے۔ یہ سن کر حضرت مسیحؑ نے خود انھیں مخاطب کیا اور فرمایا کہ "میں اللہ کا بندہ ہوں، اس نے مجھے کتاب عطا فرمائی ہے اور نبی بنا کر بھیجا ہے"۔

اس سارے واقعے اور مکالمے سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی جاتی ہے کہ حضرت مریمؑ جب حضرت مسیحؑ کو لے کر وطن واپس آئیں تو یہودیوں کے اعتراض کا جواب خود

حضرت مسیحؑ نے دیا اور ایسی دانشمندانہ باتیں کیں جو ایک بالغ اور پختہ عمر کا انسان ہی کر سکتا ہے جبکہ ابھی آپؑ چند روز کے تھے ۔ گویا حضرت مسیحؑ کا یہ عظیم الشان معجزہ تھا کہ آپ نے ماں کی گود یا گہوارے (جھولے) میں عالمانہ اور پیغمبرانہ گفتگو کی ۔

یہاں دو بنیادی سوال پیدا ہوتے ہیں (۱) مہد کے کیا معنی ہیں (۲) جب حضرت مسیحؑ نے یہودی معترضین سے کلام کیا اس وقت آپؑ کی عمر کتنی تھی ؟ جہاں تک پہلے سوال کا تعلق ہے مہد کے معنی یقیناً " گہوارے اور ماں کی گود کے ہیں لیکن یہ لفظ مجازی معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے ' محاورے کے طور پر بھی استعمال ہوتا ہے چنانچہ حضورؐ اقدس کا ارشاد ہے :۔ اُطلبوا العلم من المَهدِ الی اللَّحد

(علم حاصل کرو مہد سے لحد تک)

یہاں مہد سے مراد وہ عمر ہے جب بچہ اس قابل ہو جاتا ہے کہ بات کو سمجھ سکے اور لحد سے مراد وہ منزل ہے جب انسان موت کے قریب ہوتا ہے ورنہ اگر اس ارشاد نبویؐ کے لفظی معنی کئے جائیں تو یہ ہوں گے کہ ماں کی گود میں آتے ہی علم حاصل کرنا شروع کر دو اور قبر میں جانے تک یہ عمل جاری رکھو ۔ کیا ایک دن یا ایک ماہ کا بچہ آغوش مادر میں علم حاصل کر سکتا ہے ؟ علم کے حصول کے لئے شعور کی ضرورت ہوتی ہے ' الفاظ کے معنی جاننے کی ضرورت ہے ۔ ایک دن یا ایک ماہ کا بچہ تو الف بے بھی نہیں جانتا ' نہ اسے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس سے کیا کہا جارہا ہے ؟ وہ علم کیسے حاصل کرے گا ۔ اسی طرح جس شخص کو نہلا دھلا کر اور کفنا کر جنازے کی صورت میں قبرستان لے جایا جارہا ہو وہ کیسے علم حاصل کرے گا ۔ پس اس سے لازم آیا کہ حصول علم کے لئے شعور اور ہوش و حواس کی ضرورت ہوتی ہے ۔ یہ دونوں چیزیں ایک دن یا ایک ماہ کے بچے میں موجود نہیں ہوتیں اور نہ قبر کی طرف لے جائے جانے والے مردے میں ہوتی ہیں ۔ موت کے ساتھ ہی سوچنے سمجھنے کی صلاحیتیں ختم ہوجاتی ہیں ۔ پس اس ارشاد نبوی کے یہی معنی مراد لینے پڑیں گے کہ شعور کی منزل میں قدم رکھنے کے وقت سے لے کر زندگی کی آخری منزل تک علم حاصل کرتے رہو ۔

گویا حضرت مسیحؑ کے لئے مہد کا جو لفظ استعمال ہوا ہے اس کے معنی باشعور ہونے

کے ہیں اور یہ کوئی عجیب بات نہیں ' عجیب بات یہ ہے کہ چھوٹا سا بچہ عالمانہ گفتگو کر رہا ہے ۔ پھر یہ بھی دیکھنا چاہیے کہ " فی المھد " کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے ایک اور بات بھی فرمائی ہے وہ یہ ہے کہ " وکھلا " یعنی وہ (مسیحؑ) مھد اور " کھل " دونوں میں کلام کرے گا ۔ کھل کہتے ہیں ادھیڑ عمر کو ۔ چنانچہ امام راغبؒ نے " کھلا " کے معنی لکھے ہیں " ادھیڑ عمر کا شخص جس کے ابھی تھوڑے سے بال سفید ہوئے ہوں " ۔ گویا قرآن حکیم کے ارشاد کے مطابق حضرت مسیحؑ چھوٹی عمر میں بھی کلام کریں گے اور ادھیڑ عمر میں بھی ۔ سوال یہ ہے کہ کیا ادھیڑ عمر میں کلام کرنا کوئی معجزہ ہے ؟ پھر خداوند تعالیٰ کو اس کا ذکر کرنے کی کیا ضرورت تھی ۔ اس کی اصل وجہ یہ تھی تاکہ غلطی خوردہ مسیحیوں اور مسلمانوں دونوں کو معلوم ہو جائے کہ نہ تو حضرت مسیحؑ صلیب پر فوت ہوئے ' نہ آسمان پر اٹھائے گئے بلکہ طبعی عمر گذار کر فوت ہوئے اور بچپن سے لے کر بڑھاپے تک اسی دنیا میں موجود رہے اس کا ثبوت یہ ہے کہ کہولت کی عمر یعنی ادھیڑ عمر میں انھوں نے لوگوں سے کلام کیا' ان سے دانشمندانہ گفتگو کی ' روحانی ' اخلاقی اور معاشرتی امور کے بارے میں ان کی رہنمائی فرمائی ۔

اس طرح قرآن حکیم نے اس غلط خیال کی سختی سے تردید فرما دی کہ حضرت مسیحؑ صلیب پر فوت ہوگئے یا آسمان پر اٹھا لئے گئے کیونکہ روایات کے مطابق صلیب پر موت واقع ہونے یا آسمان پر اٹھائے جانے کے وقت تک تو حضرت مسیحؑ کی قریباً" عمر ۳۳ سال تھی اور ۳۳ سال کا آدمی بھرپور جوان ہوتا ہے اسے ادھیڑ عمر کا آدمی کوئی نہیں کہتا جبکہ قرآن حکیم کی رو سے حضرت مسیحؑ نے اپنی عمر کی اس منزل میں اسی دنیا کے لوگوں سے کلام کیا انھیں ہدایات دیں اور پیغمبرانہ رہنمائی فرمائی جب کہ ان کے سر کے بال سفید ہونے لگے تھے اور ادھیڑ عمر کو پہنچ چکے تھے ' اس کے باوجود حضرت مسیحؑ کا ادھیڑ عمر میں کلام کرنا کوئی معجزہ نہیں ۔ پس جس طرح ادھیڑ عمر میں کلام کرنا کوئی معجزہ نہیں اسی طرح چھوٹی عمر میں کلام کرنا بھی کوئی معجزہ نہیں ہاں یہ ایک شرف اور فضیلت کی بات ضرور ہے جو حضرت مسیحؑ کو اس عمر کے عام بچوں سے ممتاز کرتی ہے کیونکہ بچپن اور لڑکپن میں بچوں کی توجہ کھیل کود کی طرف ہوتی ہے مگر حضرت مسیحؑ خلقی طور پر اور اس ماحول کی وجہ سے جو آپؑ کو میسر آیا بچپن اور لڑکپن میں بھی دین اور روحانیت کے اسرار و رموز بیان فرماتے تھے ۔

اس حقیقت کو بھی فراموش نہیں کرنا چاہیئے کہ سن رسیدہ اور بڑی عمر کے لوگ نوجوانوں کو ہمیشہ بچہ ہی کہتے ہیں ۔ روزمرہ اور عام گفتگو میں یہ لفظ اسی طرح استعمال ہوتا ہے ۔ دس سے لے کر بارہ چودہ سال کی عمر کے لڑکوں کو تو لوگ کہتے ہی بچہ ہیں خصوصاً جب مخاطب کرنے والے لوگ معمر ہوں تو " صبیاً " کا استعمال بلا شبہ چودہ اور سولہ سال تک کی عمر کے بچوں کے لئے عام ہے ۔ " صبیاً " جو حضرت مسیحؑ ابن مریمؑ کے لئے استعمال ہوا ہے عربی زبان میں تو اس کے معنی ہی " بچہ " ہیں ۔ یہاں " فی المھد صبیاً " کے الفاظ استعمال کئے گئے ہیں یعنی ایسا بچہ جو گود یا گہوارے میں ہو ۔ پس یہاں ان الفاظ سے حقیقتہً جھولا یا گہوارہ مراد نہیں بلکہ اس مقام پر مجازی معنی مراد ہیں یعنی کل تک جو بچہ پنگوڑھے میں پڑا انگوٹھا چوستا تھا ' جو کل کا بچہ ہے ہم اس سے کیا بات کریں ۔

انجیل شہادت نہیں دیتی

اس مسئلے پر ایک اور پہلو سے بھی غور کرنا چاہیئے ۔ حضرت مریمؑ اپنے نومولود بچے کو لے کر آتی ہیں ' بچہ چند روز کا ہے ' عزیز ' رشتے دار اور ہیکل کے کاہن ان کے پاس آتے ہیں اور پوچھتے ہیں کہ " اے بی بی ! یہ تو نے کیا کیا ؟ تو' تو کنواری تھی تیرے ہاں بچہ کیسے پیدا ہوگیا ؟ حضرت مریمؑ نومولود مسیحؑ کی طرف اشارہ کرتی ہیں کہ اس سے پوچھو !اور چند روزہ بچہ نہایت فصیح و بلیغ زبان میں اپنا تعارف کرواتا ہے ' اپنا منصب بیان کرتا ہے ' اپنی تعلیمات کا خلاصہ بیان کرتا ہے ' اسے اس کے رب نے جو احکام دئے ہیں وہ سناتا ہے ---- کیا یہ واقعہ دینا کا عجیب ترین واقعہ نہیں ' اگر ایسا ہوتا تو اسی وقت سارے یروشلم میں دھوم مچ جاتی اور پھر پورے فلسطین میں اس کی صدائے بازگشت سنائی دیتی ۔ خود یہودیوں کے اکابر اور کاہن حیرت و استعجاب کا اظہار کرتے کہ جب سے دنیا پیدا ہوئی ہے ایسا واقعہ کبھی پیش نہیں آیا تھا ۔ دور و نزدیک سے لوگ جوق در جوق اس عجیب و غریب بچے کو دیکھنے آتے اور بار بار اس کی زبان سے یہ الفاظ سنتے اور اسی وقت اس پر ایمان لے آتے ۔ یہ واقعہ اناجیل میں جگہ پاتا اور انجیلوں کے اگر سب نہیں تو بعض راوی تو اس پر وہ حاشیہ آرائی کرتے کہ تنہا یہی ایک واقعہ حضرت مسیحؑ کو خدا بنانے کے لئے کافی ہوتا مگر چاروں انجیلوں میں اس واقعے کے متعلق ایک لفظ موجود نہیں ۔ حضرت مسیحؑ خود اپنی

فضیلت بیان کرتے ہیں ' بشارات دیتے ہیں ' تورات سے اپنی صداقت کے حوالے اور دلائل پیش کرتے ہیں مگر کسی جگہ ' کسی موقعے پر یہ دلیل نہیں دیتے کہ " اے کاہنو ! اے فریسیو ! اے صدوقیو ! اے وقت کے عالمو ! کیا یہ واقعہ نہیں کہ میں ابھی ماں کی گود میں تھا ' دودھ پیتا تھا اور میں نے تمھارے فلاں فلاں بزرگوں سے کلام کیا تھا ' اپنی نبوت کی بشارت اس وقت دی تھی جب دنیا کا کوئی بچہ بات تک نہیں کر سکتا کیا یہ میرے پیغمبر اور من جانب اللہ ہونے کی دلیل نہیں " ؟۔ حضرت مسیحؑ کسی ایک مجلس میں یہ واقعہ بیان نہیں کرتے ' انجیل کے راوی جنھوں نے حضرت مسیحؑ کو خدا بنا دیا اور وہ وہ معجزے آپؑ سے منسوب کئے کہ عقل دنگ رہ جاتی ہے ' وہ سب راوی حضرت مسیحؑ کا یہ معجزہ بیان نہیں کرتے کہ " خداوند یسوع مسیح نے تو اس وقت کلام کیا تھا جب آپؑ ابھی چند روز کے تھے پس اے لوگو ! یہ وہ نشان ہے جو صرف خداوند یسوع سے ظاہر ہوا ' دنیا میں کوئی ان کا ثانی نہیں ۔ " کیا یہ حیرت کی بات نہیں کہ انجیل کے تمام راوی اس بارے میں بالکل خاموش ہیں ۔ پس اس سے ثابت ہوتا ہے کہ تاریخ میں اس قسم کا کوئی واقعہ سرے سے پیش ہی نہیں آیا ۔ قرآن حکیم نے حضرت مسیحؑ کے کلام کرنے کا جو واقعہ بیان کیا ہے وہ سو فی صد درست ہے اور اس کا انکار کرنا کفر صریح ہے مگر اس کے جو معنی بیان کئے جاتے ہیں ' جو تشریح و تفسیر کی جاتی ہے وہ درست نہیں ۔ حضرت مسیحؑ کے کلام کرنے سے مراد انگوٹھا چوسنے والے بچے کا کلام کرنا مراد نہیں بلکہ چھوٹی عمر میں دانشمندانہ اور پیغمبرانہ کلام مراد ہے ۔ یہ تشریح تو " وَيُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ الخ " کی ہے ۔

کلام کرنے کے وقت مسیحؑ کی عمر؟

اس موضوع پر آغاز گفتگو کرتے ہوئے ہم نے دو بنیادی سوال قائم کئے تھے (۱) مھد میں کلام کرنے سے کیا مراد ہے (۲) دوسرا سوال یہ تھا کہ جب حضرت مسیحؑ نے کلام کیا تو آپؑ کی عمر کیا تھی ؟ سو یہ حقیقت ذہن میں رکھنی چاہیئے کہ یہاں کلام کرنے سے مراد عام بات چیت نہیں وہ تو بچہ ایک ' ڈیڑھ سال میں شروع کر دیتا ہے ۔ قرآن حکیم جس کلام کے بارے میں ارشاد فرماتا ہے وہ دوسری نوعیت کی گفتگو یا کلام ہے جو " انی عبد اللہ " سے شروع ہوتا ہے ۔ اس کلام کے بارے میں حل طلب مسئلہ یہ ہے کہ اس وقت آپؑ

کی عمر کیا تھی جب آپؑ نے قوم کی اکابر سے یہ کلام کیا۔ اس سلسلے میں انجیل اور قرآن کے مفسر چند امور کی نشاندہی کرتے ہیں۔ انجیل کی جو روایات ہمارے اکابر اور اسلاف نے قبول کیں اور جن کی صحت واقعات سے بھی ثابت ہوتی ہے ہم صرف وہی قبول کرنے کے پابند ہیں۔ چنانچہ انجیل میں آتا ہے کہ جب حضرت مسیحؑ پیدا ہوئے تو ایران سے ایک قافلہ یروشلم میں یہ دریافت کرتا ہوا آیا کہ یہاں یہودیوں کا بادشاہ پید ہوا ہے وہ کہاں ہے ہم اسے سجدہ کرنے اور نذر دینے آئے ہیں۔ جب بادشاہ ہیرو دیس کو اس واقعے کا علم ہوا تو اس نے قافلے کے لوگوں کو بلا کر حقیقت حال دریافت کی انھوں نے بیان کیا کہ ہم نے ایک ستارہ دیکھا ہے (جو اسی وقت نمودار ہونا چاہیئے جب یہودیوں کا بادشاہ پیدا ہو جائے) سو وہ پیدا ہوگیا ہے ہم اسے تلاش کر رہے ہیں۔ ہیرو دیس نے ان سے کہا کہ اچھا جاؤ اور اسے تلاش کرو جب وہ مل جائے تو مجھے بھی بتانا میں بھی اسے جاکر سجدہ کروں گا۔ اہل قافلہ اسے تلاش کرتے ہوئے بیت لحم پہنچے انہوں نے اس بچے کو حضرت مریمؑ کے پہلو میں لیٹے دیکھا، اسے سجدہ کیا اور اپنے ڈبے کھول کر سونا، لوبان اور "مر" اس کی نذر کیا۔ اسی رات کو انھیں خواب میں (فرشتہ دکھائی دیا) جس نے ہدایت کی کہ اب ہیرو دیس کے پاس واپس نہ جانا۔ چنانچہ انجیل بیان کرتی ہے کہ:۔

"جب وہ روانہ ہوگئے تو دیکھو خداوند کے فرشتے نے یوسف کو خواب میں دکھائی دے کر کہا اٹھ اور بچے اور اس کی ماں کو ساتھ لے کر مصر کو روانہ ہو جا اور جب تک تجھے میں نہ کہوں وہیں رہنا کیونکہ ہیرو دیس اس بچے کو تلاش کرنے کو ہے تاکہ اسے ہلاک کرے ○۔ پس وہ اٹھا اور رات کے وقت بچے اور اس کی ماں کو ساتھ لے کر مصر کو روانہ ہوگیا اور ہیرو دیس کے مرنے تک وہیں رہا"۔ (۱)

انجیل کی اس روایت کی تصدیق ہمارے فاضل مفسرین قرآن نے بھی کی ہے انھوں نے نہ صرف اس روایت کو قبول کیا بلکہ اس مدت کا بھی تعین کر دیا جو حضرت مریمؑ اور حضرت مسیحؑ نے مصر میں گذاری چنانچہ تاریخ اسلام کے مشہور مفکر، عالم اور مفسر قرآن حضرت علامہ عماد الدین ابن کثیرؒ اپنی تصنیف میں لکھتے ہیں کہ:۔

ولذلک فذهبت به الی مصر فاقامت به حتی بلغ عمره اثنتی عشرة سنة (۲)

(یعنی حضرت مسیحؑ کی والدہ انھیں لے کر مصر چلی گئیں اور وہاں اس وقت تک قیام کیا جب تک کہ حضرت مسیحؑ کی عمر بارہ سال کی ہوگئی۔)

اب انجیل اور مفسر قرآن حضرت علامہ ابن کثیرؒ کی روایات کا تجزیہ کیجئے اور دیکھیے کہ اس سے کیا نتیجہ نکلتا ہے؟

(1) حضرت مسیحؑ اپنے نانہالی شہر میں پیدا نہیں ہوئے بلکہ ایک دوسرے شہر بیت لحم میں پیدا ہوئے اور وہیں سے ان کی والدہ محترمہ انہیں ہمراہ لے کر اپنے شوہر جناب یوسف کے ساتھ لے کر مصر چلی گئیں۔

(2) مصر میں انھوں نے بارہ سال قیام کیا۔

(3) حضرت مسیحؑ اپنی عمر کے تیرھویں سال واپس آئے۔

(4) گویا اس وقت تک حضرت مریمؑ اور آپؑ کی قوم کے لوگوں کے درمیان آپؑ کا کوئی مکالمہ نہیں ہوا، نہ یہ ممکن تھا کیونکہ حضرت مسیحؑ بیت لحم میں پیدا ہوئے، خواب میں فرشتے کی ہدایت پر وہیں سے ان کی والدہ انھیں لے کر مصر چلی گئیں، اور مکالمہ اسی وقت ہو سکتا تھا جب وہ اپنے وطن میں واپس آتیں اور حضرت علامہ ابن کثیرؒ کی تحقیق کی رو سے جب حضرت مریمؑ مصر سے واپس آئیں تو حضرت مسیحؑ تیرھویں سال میں قدم رکھ چکے تھے یہی وہ وقت تھا جب قوم کے لوگوں نے سنا کہ مریمؑ مصر سے واپس آگئی ہیں جن کے بارے میں وہ سن چکے تھے کہ یہ خاتون شادی سے پہلے حاملہ ہوگئی تھی چنانچہ وہ حضرت مریمؑ کے پاس آئے اور پوچھا کہ اے مریم یہ تونے کیا کیا؟ تیرا باپ اور تیری ماں تو ایسے نہ تھے اس کے جواب میں حضرت مریمؑ نے حضرت مسیحؑ کی طرف اشارہ کیا کہ اس سے پوچھ لو اور پھر حضرت مسیحؑ نے جو کچھ کہا قرآن نے اسے ان الفاظ میں بیان کر دیا کہ:۔

قال انی عبدالله اتنی الکتب و جعلنی نبیا" (سورہ مریم آیت نمبر ۳۰ تا نمبر ۳۳)

(یعنی میں اللہ کا بندہ ہوں مجھے اس نے کتاب عطا فرمائی ہے اور نبی بنایا ہے اور بابرکت بنایا ہے خواہ میں کہیں بھی رہوں اس نے مجھے نماز پڑھنے اور زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم دیا ہے اس وقت تک جب تک کہ میں زندہ ہوں اور اپنی ماں کا خدمت گذار بنایا ہے اس نے مجھے سخت دل اور نافرمان نہیں بنایا میرے لئے اس کی طرف سے سلامتی ہے اس دن بھی جب

میں پیدا ہوا اور اس دن بھی جس دن مجھ پر موت آئے گی اور جس دن زندہ کر کے میں دوبارہ اٹھایا جاؤں گا)

حضرت مسیحؑ نے یہ باتیں (کلام) اس وقت کیں جب وہ مصر سے واپس آئے کیونکہ اس سے قبل حضرت مریمؑ اور ان کی قوم کے اکابر کی باہم ملاقات ہی نہیں ہوئی تھی ۔ تیرہ سال کے نوجوان کا یہ کلام بلا شبہ تعجب انگیز ہے لیکن یہ کوئی محیر العقول بات نہیں ۔ ہاں اگر حضرت مسیحؑ یہ کلام ہفتے دو ہفتے یا مہینہ دو مہینے کی عمر میں کرتے تو یقیناً محیر العقول واقعہ ہوتا ۔ قرآن نے اس کلام کو " مہد " کی عمر میں باتیں کرنا قرار دیا ہے پس یہ ثابت ہوگیا کہ " مہد " سے قرآن حکیم کی مراد صرف اتنی تھی کہ حضرت مریمؑ کو جو بیٹا دیا جائے گا وہ کم عمری ہی میں کلام کرے گا ۔ کلام " کلمہ " سے مشتق ہے اور قرآن حکیم حضرت مسیحؑ کو " خدا " کا کلمہ قرار دے چکا ہے پس " کلمہ " کا کلام کرنا یہی ہے کہ " مہد " (کم عمری) میں ایسی دانشمندانہ اور پیغمبرانہ باتیں کرنا جن کا اظہار اللہ کے کلمہ ہی سے ممکن ہے ۔

اس حقیقت کو بھی ذہن میں رکھنا چاہیئے کہ حضرت مسیحؑ کو تربیت کا جو پاکیزہ اور خالص روحانی ماحول میسر آیا تھا وہ شاذ ہی کسی کو میسر آتا ہے ۔ ان کی والدہ ماجدہ حضرت مریمؑ خود ایک بشارت کے تحت پیدا ہوئی تھیں جو ان کی والدہ حضرت " حنہ " کو فرشتے نے دی تھی ۔ حضرت حنہ نے حضرت مریمؑ کو " ہیکل " کے لئے وقف کر دیا تھا ۔ قرآن حکیم کے ارشاد کے مطابق اللہ تعالیٰ نے حضرت زکریاؑ کو ان کا سرپرست مقرر فرمایا ۔ گویا خدا کے ایک مقدس نبی نے ان کی تربیت کی اور دین کے اسرار و رموز سکھائے ۔ اس طرح حضرت مسیحؑ کو وہ مقدس ماں (مریمؑ) میسر آئی جو خود خدا کا کلمہ تھی اور پیغمبر وقت کے زیر تربیت رہ چکی تھی پھر خود حضرت مسیحؑ اللہ تعالیٰ کی بشارت سے پیدا ہوئے اور اللہ نے انھیں اپنا کلمہ قرار دیا ۔ ان کی پیدائش سے قبل اللہ تعالیٰ نے حضرت مریمؑ پر وحی نازل فرمائی کہ :- وَيُعَلِّمُهُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرٰاةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَرَسُوْلًا اِلٰى بَنِىْٓ اِسْرَآءِيْلَ (سورہ آل عمران آیت نمبر ۴۸)

(اور اسے (عیسیٰ کو) اللہ تعالیٰ کتاب و حکمت اور تورات و انجیل کا علم عطا فرمائے گا اور اسے بنی اسرائیل کی طرف رسول بنا کر مبعوث فرمائے گا)

جب حضرت مسیحؑ کی عمر دس سال کے قریب ہوئی ہوگی تو اس وقت تک حضرت مریمؑ مصر ہی میں ان کی تعلیم و تربیت فرما چکی ہوں گی ۔ انھیں یہ تعلیم بھی فرما چکی ہوں گی کہ اے میرے بیٹے تیری پیدائش سے پہلے مجھ پر وحی نازل ہوئی تھی کہ تجھے تورات کا علم دیا جائے گا ، حکمت عطا کی جائے گی اور انجیل دی جائے گی ۔ پس قوم کے اکابر کو مخاطب کرتے ہوئے تیرہ سالہ مسیحؑ کا یہ فرمانا کہ " انی عبداللہ " میں اللہ کا بندہ ہوں اس نے مجھے کتاب عطا فرمائی ہے ، اپنا نبی بنایا ہے اور جب تک میں زندہ ہوں نماز پڑھنے اور زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم دیا ہے ، اپنی والدہ کی خدمت کرنے اور ان کی اطاعت و فرماں برداری کی ہدایت فرمائی ہے ، اس نے مجھے سنگ دل اور نافرمان نہیں بنایا ، یہ الفاظ عین آپؑ کی فطرت اور اس تعلیم کے مطابق تھے جو حضرت مریمؑ نے آپؑ کو دی تھی پس اس میں نہ کوئی تعجب کی بات ہے نہ کوئی محیر العقول بات بلکہ واقعات کے عین مطابق ہے ۔

یہ تھی " مہد " (گہوارے یعنی چھوٹی عمر) میں کلام کرنے کی حقیقت جسے ایک محیر العقول افسانہ بنا دیا گیا اس سے اللہ تعالیٰ کا مقصد ان واقعات و حالات کی طرف ذہنوں کا رخ موڑنا تھا جو حضرت مسیحؑ کی تعلیم و تربیت کے سلسلے میں پیش آنے تھے یعنی اللہ تعالیٰ یہ بتانا چاہتا تھا کہ چونکہ مسیحؑ ہمارا " کلمہ " ہے اس لئے ہم اس کے لئے ایسے حالات پیدا کر دیں گے کہ وہ کم عمری میں دین کے اسرار و رموز بیان کرے گا روحانیات کے نکات آشکار کرے گا اور بڑے بڑے فلسفیوں اور فریسیوں کو لاجواب کر دے گا چنانچہ انجیل گواہی دیتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد کس طرح پورا ہوا ، انجیل میں ہے کہ :-

اور جب وہ (حضرت مسیحؑ کی والدہ اور یوسف) عید کے دستور کے موافق یروشلم کو گئے ۔ ○ جب وہ ان دنوں کو پورا کر کے لوٹے تو وہ لڑکا یسوع یروشلم میں رہ گیا اور اس کے ماں باپ کو خبر نہ ہوئی ۔ ○

تین روز کے بعد ایسا ہوا کہ انھوں نے اسے (یسوع کو) ہیکل میں استادوں کے بیچ میں بیٹھے ان کی سنتے اور ان سے سوال کرتے ہوئے پایا ۔ ○ اور جتنے اس کی سن رہے تھے

اس کی سمجھ اور اس کے جوابوں سے دنگ تھے ۔ (۳)

پس انجیل کے اس بیان نے ثابت کر دیا کہ قرآن حکیم نے حضرت مسیحؑ کو " مھد " (گھوارے) میں کلام کرنے کی جو بشارت دی تھی اس کا مفہوم یہی تھا کہ آپؑ کم عمری (بارہ تیرہ سال کی عمر) میں وہ بلیغانہ، دانشمندانہ اور پیغمبرانہ کلام کریں گے کہ اس عہد کے بڑے بڑے علماء فلسفی اور دانشور دنگ رہ جائیں گے اور انجیل کی رو سے یہ ہو کر رہا۔

حضرت یحییٰؑ کا بچپن میں کلام

عجیب بات ہے کہ جس آیت میں حضرت مسیحؑ کے بارے میں یہ ارشاد ہوا ہے کہ انھوں نے بچپن میں کلام کیا اس سے چند آیات قبل حضرت یحییٰؑ کے بارے میں بھی اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ :-

يٰيَحْيٰى خُذِ الْكِتٰبَ بِقُوَّةٍ ؕ وَاٰتَيْنٰهُ الْحُكْمَ صَبِيًّا ۝ (سورہ مریم آیت نمبر ۱۲)

(اے یحییٰؑ تو کتاب کو مضبوطی سے پکڑ لے ہم نے اسے بچپن میں حکم (نبوت) عطا کیا)

یہاں بھی اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے کہ ہم نے یحییٰؑ کو بچپن میں کتاب و نبوت عطا کی اور وہی لفظ صبیا" استعمال فرمایا یعنی " بچپن " جو حضرت عیسیٰؑ ابن مریمؑ کے لئے استعمال فرمایا تھا۔ گویا دونوں نے بچپن کی عمر میں کلام کیا یعنی بلیغانہ، دانشمندانہ اور پیغمبرانہ کلام کیا مگر حضرت یحییٰؑ کے بارے میں کسی مفسر نے یہ نہیں کہا کہ ان کا بچپن میں کلام کرنا معجزہ تھا۔ اگر یہ معجزہ حضرت مسیحؑ سے ظاہر ہوا تو حضرت یحییٰؑ نے بھی یہی معجزہ دکھایا پھر ایک کے بچپن میں کلام کرنے کو معجزہ قرار دینا اور دوسرے کے اس وصف کو نظرانداز کر دینا اور خاموشی اختیار کر لینا حیرت انگیز ہے۔

دراصل حضرت مسیحؑ کے غالی عقیدتمندوں نے ان کے معجزات کو اس قدر شہرت دی کہ ہمارے بعض مفسروں نے ان سے مرعوب و متاثر ہو کر حضرت مسیحؑ کی ان باتوں کو بھی معجزہ قرار دیدیا جو معجزات کے ذیل میں نہیں آتیں۔

حضرت مسیحؑ سے جو معجزے منسوب کئے جاتے ہیں ان میں گھوارے یا ماں کی گود میں کلام کرنے کے علاوہ چند معجزے اور ہیں ان کا ذکر قرآن حکیم کی سورہ آل عمران اور سورہ مائدہ میں کیا گیا ہے یہ پانچ معجزے ہیں۔

(1) مٹی کے پرندے بنانا اور پھر ان میں پھونک مار کر اڑا دینا۔

(2) اندھوں اور برص کے مریضوں کو اچھا کر دینا۔

(3) مردوں کو زندہ کر کے قبروں میں سے نکال لینا۔

(4) حواریوں کے لئے آسمان سے خوان نعمت اتروانا۔

(5) یہ بتا دینا کہ آج کس نے کیا کھایا اور کیا گھر میں ذخیرہ کیا۔

اب ان میں سے ایک ایک معجزے پر اظہار خیال کیا جاتا ہے۔

پرندے پیدا کرنے کا معجزہ

پرندے پیدا کرنے کے معجزے کا ذکر ان الفاظ میں کیا گیا ہے

وَاِذْ تَخْلُقُ مِنَ الطِّيْنِ كَهَيْـَٔةِ الطَّيْرِ بِاِذْنِيْ فَتَنْفُخُ فِيْهَا فَتَكُوْنُ طَيْرًاۢ بِاِذْنِيْ الخ آیت نمبر ۱۱۰)

اس آیت کریمہ کا ترجمہ یوں کیا جاتا ہے :-

(اور یاد کر اے عیسیٰؑ جب تو مٹی سے پرندے کی شکل بناتا تھا پھر اس میں پھونک مارتا تھا اور وہ خدا کے حکم سے زندہ پرندہ بن کر اڑنے لگتا تھا "۔)

اگر واقعہ اسی طرح پیش آیا یعنی حضرت مسیحؑ مٹی کو گوندھ کر اس سے پرندے کی شکل و صورت کا ایک ہیولا تیار کرتے تھے پھر اس میں پھونک مارتے تھے اور وہ زندہ پرندہ بن کر اڑنے لگتا تھا تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ ایسے پرندے انھوں نے درجنوں پیدا کیے ہوں گے وہ سب اڑ کر درختوں پر جا بیٹھے ہوں گے پھر انھوں نے انڈے بچے بھی دئے ہوں گے، ان سے افزائش نسل کا سلسلہ بھی جاری ہوا ہوگا اور اب تک جاری ہوگا اگر ایسا ہی ہے تو آج دنیا میں جتنے پرندے اڑ رہے ہیں ان میں سے کتنے اللہ تعالیٰ کے بنائے ہوئے ہیں اور کتنے حضرت مسیحؑ کے بنائے ہوئے ہیں؟ یہ سب آپس میں خلط ملط ہوگئے اور یہ ساری مخلوق ہی مشتبہ ہوگئی کہ ان میں سے ہم کس کے بارے میں کہیں کہ اس کا خالق اللہ تعالیٰ ہے اور کس کے خالق حضرت مسیحؑ ہیں؟۔

جب ہم تفاسیر میں اس سوال کا جواب تلاش کرتے ہیں تو ہمیں مل جاتا ہے۔ اس اعتراض سے بچنے کے لئے ایک "پناہ گاہ تیار" کی گئی وہ یہ کہ حضرت مسیحؑ نے کچھ زیادہ پرندے نہیں بنائے نہ مختلف اقسام کے پرندے تخلیق کئے بلکہ صرف ایک قسم کا پرندہ بنایا

چنانچہ ایک بہت بڑے مفسر قرآن جو بلاشبہ اپنے عہد کے علامہ تھے لکھتے ہیں کہ :۔

قال البغوی یخلق غیرالخفاش (۴)...الخ

"یعنی امام بغوی" فرماتے ہیں کہ (حضرت مسیح" نے چمگادڑ کے علاوہ کوئی اور پرندہ تخلیق نہیں فرمایا")۔

ایک مفسر قرآن حضرت وہب بن منبہ" فرماتے ہیں کہ وہ پرندہ بھی اس وقت تک اڑتا رہتا تھا جب تک دیکھنے والوں کی نظروں کے سامنے رہتا تھا مگر جب نظروں سے غائب ہو جاتا تو گر جاتا تھا۔ (۵)

اب مسئلہ حل ہوگیا اور تین جلیل القدر مفسرین یعنی حضرت علامہ ثنا اللہ" حضرت امام بغوی" اور حضرت وہب بن منبہ" نے وضاحت فرما دی کہ جناب مسیح علیہ السلام نے درجنوں یا سینکڑوں قسم کے پرندے تخلیق نہیں فرمائے بلکہ صرف چمگادڑ بنایا۔ یہ چمگادڑ بھی کوئی مستقل بالذات پرندہ نہیں تھا بلکہ مٹی کا ایک عارضی پرندہ تھا جو تھوڑی دیر تک اڑ کر گر جاتا تھا۔ کیا اسے کوئی معجزہ قرار دیا جاسکتا ہے ؟ اس قسم کے پرندے تو ہم آئے دن اپنے بچوں کے لئے خریدتے ہیں اور اپنی آنکھوں سے انھیں اڑتا ہوا دیکھتے ہیں بلکہ بچے خود ان میں چابی بھر کر اڑاتے ہیں جب ایسے پرندے کی چابی ختم ہو جاتی ہے تو پھر وہ زمین پر آگرتا ہے۔ کیا یہ کام ایک نبی کے شایان شان ہے کہ وہ کسی سڑک کے کنارے یا کسی میدان میں بیٹھا مٹی سے چمگادڑ بنا رہا ہے پھر اس میں پھونک بھرتا ہے ' اسے فضا میں بلند کرتا ہے۔ مجمع اسے دیکھتا ہے اور تالیاں بجاتا ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون ط

حقیقت یہ ہے کہ حضرت مسیح" نے اس قسم کے تماشے کبھی نہیں دکھائے ' نہ یہ ان کے شایان شان تھے نہ اس قسم کے کھیل تماشوں سے کسی نبی کی نبوت ثابت ہوتی ہے ' نہ یہ قرآن حکیم کا مدعا ہے۔ قرآن حکیم اس آیت کریمہ کے ذریعے جس حقیقت کا اظہار کرنا چاہتا ہے اسے سمجھنے کے لئے اس پوری آیت پر غور کرنا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ :۔

وَاِذْ عَلَّمْتُكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَاِذْ تَخْلُقُ مِنَ الطِّيْنِ...الخ ۱۱۰)

"(اور یاد کر اے عیسیٰ" جب ہم نے تجھے علم و حکمت سکھائی اور تورات و انجیل کی تعلیم دی اور جب تو گیلی مٹی سے پرندوں کی طرح پرندے پیدا کرتا تھا پھر ان میں پھونکتا تھا اور

وہ اللہ کے حکم سے اڑنے لگتے تھے")

ان آیات پر خوب غور کیجئے۔ ان میں پرندے بنانے کو اولیت نہیں دی گئی ہے بلکہ اولیت اس امر کو دی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح" کو کتاب و حکمت اور تورات و انجیل کی تعلیم دی ' تورات و انجیل میں پرندے بنانے کا کہیں ذکر نہیں نہ ان مقدس کتابوں میں پرندہ سازی کے طریقے تعلیم کئے گئے ہیں۔ ان آسمانی کتابوں میں معاشرتی ' اخلاقی ' ایمانی اور روحانی اسرار و رموز بیان کئے گئے ہیں اور قرآن حکیم کی رو سے انہی امور کی تعلیم کے لئے حضرت مسیح" کو مبعوث کیا گیا تھا نہ کہ مٹی کے پرندے یا چمگادڑ بنا کر اڑانے کے لئے۔ دراصل اللہ تعالیٰ حضرت مسیح" کو مخاطب کر کے ہمیں بتا رہا ہے کہ حضرت مسیح" کا اصل کام بنی اسرائیل کے گم کردہ راہ افراد کی اخلاقی اور روحانی اصلاح کرنا تھا اس لئے آپ" کو کتاب و حکمت کا علم عطا فرمایا گیا تھا اور تورات وانجیل کی تعلیم دی گئی تھی ان علوم میں کامل ہوجانے کے بعد حضرت مسیح" میں یہ کمال پیدا ہوگیا تھا کہ وہ "طین" (گیلی مٹی کی طرح) نرم خو اور نیک دل لوگوں کی تربیت کرتے تھے ان میں اپنی روحانی حرارت سے ایمان کی گرمی پیدا کرتے تھے جس سے ان میں پاکیزہ تغیر پیدا ہو جاتا تھا اور وہ پرندوں کی طرح بلندی کی طرف پرواز کرنے لگتے تھے یعنی زمینی اور سفلی خیالات سے انھیں نجات مل جاتی تھی اور وہ خالص روحانی لوگ ہو جاتے تھے اس طرح حضرت مسیح" کے ذریعے ایک روحانی انقلاب برپا ہوگیا تھا۔

پرندے کا قرآنی مفہوم

لفظ "طیر" یا "طائر" عربی میں پرندے کے علاوہ عمل یا اعمال کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے خود قرآن حکیم نے یہ لفظ ان معانی میں استعمال فرمایا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے کہ :۔

وَكُلَّ اِنْسَانٍ اَلْزَمْنٰهُ طٰٓئِرَهٗ فِيْ عُنُقِهٖ ؕ (سورہ بنی اسرائیل آیت نمبر ۱۳)

(اور ہم نے ہر شخص کی گردن میں اس کے عمل کو باندھ رکھا ہے)

اگر یہاں پرندے کے معنی طائر لئے جائیں تو ترجمہ یہ ہوگا کہ "کہ ہم نے ہر انسان کے گلے میں ایک پرندہ باندھ دیا ہے" جو عقلاً" و عملاً" دونوں لحاظ سے غلط ہے کیونکہ دنیا کے کسی انسان کی گردن میں کوئی پرندہ بندھا ہوا نہیں ہوتا پس اس کے یہی معنی کرنا پڑیں

گے کہ ہر انسان کی گردن میں اس کا عمل باندھ دیا گیا ہے یعنی اس کی گردن اس کے اعمال سے آزاد نہیں ہے ۔ اچھے اعمال اس کی گردن کو ہلاکت اور عذاب الٰہی سے بچالیں گے اور برے اعمال اس کی گردن کو ہلاکت کے گڑھے میں لے جائیں گے ۔ پس طائر کے معنی عمل کے بھی ہیں اور یہی معنی حضرت مسیحؑ کے معجزے کے سلسلے میں مراد لینے ہوں گے کہ آپؑ اعمال انسانی کی اصلاح فرماتے تھے ' بد عمل لوگوں کی تربیت فرما کر انہیں نیک عمل بنا دیتے تھے جو آپ کی روحانی تربیت کے نتیجے میں آسمانی مخلوق بن جاتے تھے ۔ جس طرح پرندے آسمان میں پرواز کرتے ہیں اسی طرح وہ بھی روحانیت کے آسمان کی بلندیوں میں پرواز کرنے لگتے تھے ' پست اور گندے خیالات سے انھیں نجات مل جاتی تھی اور اخلاقی و ایمانی لحاظ سے وہ بلند پرواز بن جاتے تھے ۔

اس مسئلے پر ایک اور پہلو سے بھی غور کرنا چاہیئے ۔ اگر حضرت مسیحؑ واقعی مٹی سے پرندے بنا کر ان میں روح پھونکتے تھے اور وہ زندہ پرندے بن کر ہوا میں اڑنے لگتے تھے تو یہ اتنا بڑا واقعہ تھا جس کا انجیل میں ضرور ذکر ہونا چاہیئے تھا ۔ ایک تو اس لئے کہ اس واقعے کے عینی شاہد اور سب سے پہلے گواہ حضرت مسیحؑ کے حواری تھے یا وہ انجیل نویس جنھوں نے انجیلیں مرتب کیں ۔ دوسرے اس لئے کہ انجیل نویسوں میں بعض ایسے لوگ بھی شامل تھے جو مبالغہ آمیزی میں حد سے تجاوز کر چکے تھے اور انھوں نے حضرت مسیحؑ سے بہت سے عجائب و غرائب منسوب کر دیئے وہ تو ایسے واقعات کی تلاش میں رہتے تھے تاکہ حضرت مسیحؑ کی خدائی کو مستحکم سے مستحکم تر کیا جا سکے ۔ یہ کیسے ممکن تھا کہ حضرت مسیحؑ پرندے بنا کر ان میں جان ڈالتے ہوں ' وہ ہوا میں اڑتے ہوئے نظر آتے ہوں اور اتنے بڑے معجزے کا ذکر انجیل میں نہ کیا جاتا ' آپ ساری انجیل بلکہ چاروں انجیلیں شروع سے آخر تک پڑھ لیجئے ان میں حضرت مسیحؑ کے عجیب و غریب معجزات کا انبار نظر آئے گا مگر پرندے بنانے سے متعلق ایک روایت نہیں ملے گی ۔ پس اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اس قسم کا کوئی واقعہ پیش نہیں آیا اور حضرت مسیحؑ نے کوئی پرندہ تخلیق نہیں کیا ۔ حضرت مسیحؑ نے جو پرندے تخلیق کئے اور جن کا قرآن حکیم میں ذکر کیا گیا ہے وہ روحانی مٹی سے تیار کئے ہوئے وہ انسان تھے جو روحانی پروں سے پرواز کرتے تھے اور اعمال خیر کے

پیکر تھے جو خود نہیں اڑتے تھے بلکہ حضرت مسیحؑ کی روحانی تربیت کے نتیجے میں اخلاقی معراج پر پہنچ جاتے تھے ۔

ایک فاضل مفسر نے بڑا لطیف تفسیری نکتہ بیان کیا ہے کہ " تخلق من الطین " میں یہ کہیں نہیں کہا گیا کہ حضرت مسیحؑ مٹی سے پرندے بناتے تھے بلکہ فرمایا کہ " کہیئۃ الطیر " یعنی جس طرح پرندے پیدائش کا عمل سرانجام دیتے ہیں اسی طرح حضرت مسیحؑ بھی پرندے تخلیق فرمایا کرتے تھے ۔ ظاہر ہے پرندے مٹی سے تو پرندے نہیں بناتے بلکہ انڈوں پر بیٹھ کر انہیں اپنے پروں اور جسم سے گرمی پہنچاتے ہیں اور پھر ان میں سے بچے نکلتے ہیں ' اسی طرح حضرت مسیحؑ " طین " (گیلی مٹی) کی طرح نرم طبیعت اور خیر وفلاح کی باتیں قبول کرنے والے افراد کی تربیت کرتے تھے اور اپنی قوت قدسیہ کی حرارت سے ان میں ایک نئی روح پھونک کر انھیں نیا انسان بنا دیتے تھے یہ دراصل ان کی نئی پیدائش ہوتی تھی اور وہ پست ماحول سے نکل کر روحانی بلندیوں میں پرواز کرنے لگتے تھے ۔ پس حضرت مسیحؑ کا یہی وہ عظیم الشان معجزہ تھا جسے مٹی سے پرندے بنانے کا نام دیا گیا تھا نہ کہ مٹی سے چمگادڑ بنانا جو مفسرین قرآن کے بقول تھوڑی دور جا کر گر جاتے تھے ۔

اور اب آخر میں ایک ایسی دلیل قاطع جس نے اس نزاع کا ہمیشہ کے لئے فیصلہ کر دیا دلیل بھی قرآن حکیم کی ناقابل تردید آیت مبارکہ ۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے ۔

وَاتَّخَذُوا مِن دُونِهِ آلِهَةً لَّا يَخْلُقُونَ شَيْئًا وَهُمْ يُخْلَقُونَ (سورہ الفرقان آیت نمبر ۳)

" (اور ان لوگوں نے جھوٹے معبود بنا لئے ہیں جو کوئی چیز پیدا نہیں کرتے بلکہ وہ تو خود پیدا کئے جاتے ہیں ۔) "

اس آیت میں اللہ تعالیٰ ان لوگوں کی مذمت کر رہا ہے جنھوں نے خدا کے سوائے کچھ اور بھی معبود بنا لئے ہیں ۔ ان معبودوں کی اللہ تعالیٰ دو علامتیں بیان فرماتا ہے ۔

(1) یہ جھوٹے معبود کچھ بھی پیدا نہیں کر سکتے ۔

(2) یہ خود مخلوق ہیں یعنی اپنی پیدائش کے محتاج ہیں ۔

(۱) پہلی علامت اس حقیقت کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ یہ بے جان معبود بت نہیں ہیں کیونکہ بے جان بتوں کے بارے میں یہ نہیں کہا جا سکتا وہ کچھ پیدا نہیں کر سکتے ۔ پیدا کرنے

کا عمل بے جان چیز سے سرزد نہیں ہو سکتا بلکہ اسی چیز سے سرزد ہو سکتا ہے جس میں جان ہو' دماغ ہوا اور حرکت و عمل ہو۔ پس اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان معبودوں کو شامل کیا ہے جو زندہ تھے' صاحب دل و دماغ تھے' غور و فکر کر سکتے تھے۔ قرآن حکیم کے نزول کے وقت ایسی ہستیوں میں حضرت عزیرؑ حضرت مریمؑ اور حضرت مسیحؑ نمایاں ترین ہستیاں تھیں جنہیں یہود اور مسیحی ابن اللہ (نعوذ باللہ) خدا کی بیوی اور خدائی کا مظہر قرار دیتے تھے ان میں سے ایک یعنی حضرت مسیحؑ کے بارے میں یہ اعتقاد رکھتے تھے کہ آپؑ مردوں کو زندہ کر دیا کرتے تھے' جن کے بارے میں بعض مسلمان علماء بھی غلط فہمی کی بناء پر یہ عقیدہ اختیار کرنے والے تھے کہ وہ پرندے بناتے تھے۔ پس اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ایسی تمام ہستیوں کے بارے میں فرمایا ہے کہ جن کو تم اللہ کے سوائے معبود بناتے ہو وہ کچھ بھی پیدا نہیں کر سکتے۔

(2) دوسری علامت یہ بیان فرمائی کہ وہ تو خود پیدائش کے محتاج ہیں' انھیں تو پیدا کیا جاتا ہے پس ان دونوں علامتوں کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیحؑ کے بارے میں اس خیال نظریے اور عقیدے کی تردید کر دی کہ وہ پرندے پیدا کرتے تھے۔ فرمایا وہ تمام لوگ جن میں حضرت مسیحؑ بھی شامل ہیں اور جنھیں الہ (معبود) بنا لیا گیا ہے وہ کچھ پیدا نہیں کر سکتے' پرندہ تو کیا پرندے کا ایک پر بھی پیدا نہیں کر سکتے۔ اگر حضرت مسیحؑ پرندے پیدا کرتے تھے تو تسلیم کرنا پڑے گا کہ انھیں معبود نہیں بنایا گیا لیکن خود خداوند تعالیٰ فرماتا ہے کہ قیامت کے روز حضرت مسیحؑ سے پوچھا جائے گا کہ:۔

اے عیسیٰؑ ابن مریم! کیا تو نے لوگوں سے کہا تھا کہ اللہ کے سوائے مجھے اور میری ماں کو معبود بنا لو (سورہ المائدہ آیت نمبر ۱۱۶)

اس سے ثابت ہو گیا کہ حضرت مسیحؑ کو معبود بنایا گیا تھا اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جن ہستیوں کو اللہ کے سوائے معبود بنا لیا گیا ہے وہ کچھ بھی پیدا نہیں کر سکتے۔ پس حضرت مسیحؑ نے بھی کچھ پیدا نہیں کیا نہ چرند نہ پرند۔ ایسا عقیدہ قرآن حکیم کی تعلیمات کے صریحاً خلاف ہے۔ ہاں آپؑ نے روحانی پرندے ضرور بنائے یعنی روحانیت سے عاری انسانوں کی تربیت کر کے انھیں ایک نئی زندگی دی اور با خدا انسان بنا دیا جو روحانی پروں

سے اڑنے لگے اور معراج انسانیت پر پہنچ گئے۔

اندھوں اور مبروصوں کو اچھا کرنا؟

حضرت مسیحؑ کا دوسرا معجزہ یہ بیان کیا جاتا ہے کہ وہ اندھوں اور برص کے مریضوں کو اچھا کر دیا کرتے تھے یقیناً قرآن حکیم اس معجزے کا ذکر کرتا ہے اور اس کی تصدیق کرتا ہے۔ حضرت مسیحؑ کا یہی وہ معجزہ ہے جس کے ذکر سے انجیل بھری پڑی ہے۔ بلا شبہ حضرت مسیحؑ کو یہ کمال دیا گیا تھا کہ آپؑ کی توجہ سے مریض صحت یاب ہو جاتے تھے۔ یہ مریض دو قسم کے ہوتے تھے ایک وہ جو جسمانی طور پر بیمار ہوتے تھے' دوسرے وہ جو روحانی طور پر اندھے اور مبروص ہوتے تھے۔ انجیل ہی سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ ان میں سے بعض بیماروں کو دعا کے ذریعے سے اچھا کرتے تھے اور بعض کو توجہ کے ذریعے سے' چنانچہ مرقس لکھتا ہے کہ جب حضرت مسیحؑ کے شاگردوں نے ایک مریض کے بارے میں جسے آپؑ نے اچھا کر دیا تھا' دریافت کیا کہ وہ اسے اچھا کیوں نہ کر سکے تو آپؑ نے فرمایا کہ:۔

"یہ قسم دعا کے سوائے کسی اور طرح نہیں نکل سکتی"۔ (۶)

یہاں اس امر کی وضاحت ضروری ہے کہ حضرت عیسیٰؑ نے اپنے شاگردوں میں سے بارہ کو داعیوں اور مبلغوں کے طور پر منتخب کیا تھا اور انجیل میں ہے کہ:۔

"اور اس نے ان بارہ کو اپنے پاس بلا کر دو دو کر کے بھیجنا شروع کیا اور ان کو ناپاک روحوں پر اختیار بخشا ○ ۔ ..... اور انھوں نے روانہ ہو کر منادی کی کہ توبہ کرو ○۔ اور بہت سی بد روحوں کو نکالا اور بہت سے بیماروں کو تیل مل کر اچھا کیا ○"۔ (۷)

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت مسیحؑ بیماروں کے علاج کے لئے دوا دارو کے بھی قائل تھا اور اپنے شاگردوں کو اس کی تعلیم بھی دی تھی آپؑ کے شاگرد اور مبلغ علم طب بھی جانتے تھے' اور موجودہ مسیحی مشنریوں کی طرح وہ بھی بیماروں کا علاج کر کے انھیں صحت یاب کرتے تھے۔ انجیل سے حضرت مسیحؑ کے بارے میں تو کوئی ایسی روایت نہیں ملتی کہ خود آپؑ نے کسی مریض کو دوا دارو کے ذریعے اچھا کیا ہو (ممکن ہے کہ ایسا واقعہ بھی پیش آیا ہو جو ہمارے علم میں نہیں) لیکن دعا اور توجہ سے آپؑ کا مریضوں کو صحت یاب کرنا انجیل ہی سے ثابت ہوتا ہے۔ چنانچہ جب آپؑ کے شاگرد ایک مریض کو دوا کے

ذریعے اچھا نہ کرسکے تو آپؑ نے اسے دعا کے ذریعے اچھا کیا اور ان کے دریافت کرنے پر کہ وہ کیوں اس مریض کو اچھا نہ کرسکے آپؑ نے انھیں جواب دیا کہ یہ بیماری کی وہ قسم ہے جو صرف دوا سے نہیں بلکہ دعا سے ہی دور ہو سکتی ہے ۔ ایک اور روایت کے مطابق

"یسوع نے صرف تھوڑے سے بیماروں پر ہاتھ رکھ کر انہیں اچھا کر دیا (۸) "

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت مسیحؑ دوا اور توجہ دونوں سے کام لیتے تھے اور یہ دونوں کمال اللہ تعالیٰ نے آپؑ کو خاص طور پر عطا فرمائے تھے ۔ توجہ ایک اہم علم ہے جو امت مسلمہ کے صلحاء میں سے بھی بہت سے اصحاب کو عطا کیا گیا تھا ۔ یہ بزرگ بیمار کے سراپا جسم کے مرض زدہ حصہ پر ہاتھ رکھ کر توجہ فرماتے تھے اور بیمار کی بیماری دور ہو جاتی تھی ۔ اسی طرح دعا کے ذریعے بیماروں کو صحت یاب کرنا بھی حضرت مسیحؑ کا ایک روحانی کمال تھا ۔ یہ کمال بھی امت مسلمہ کے بہت سے اکابر اولیاء کو عطا کیا گیا تھا وہ بیمار کے لئے اللہ تعالیٰ کے حضور میں دعا کرتے تھے ان کی دعا بارگاہ الٰہی میں قبول ہوتی تھی اور مریض صحت یاب ہو جاتا تھا ۔ حضرت مسیحؑ چونکہ خدا کے نبی تھے اس لئے آپؑ کی دعائیں اللہ تعالیٰ زیادہ قبول فرماتا تھا اور آپؑ کے ذریعے سے زیادہ مریض صحت یاب ہوتے تھے اس میں کوئی خارق عادت چیز نہیں جس سے حضرت مسیحؑ کی خدائی ثابت ہو ۔

جہاں تک مادر زاد اندھوں کو بینائی عطا کرنے کا تعلق ہے تو قرآن نے ہرگز یہ نہیں فرمایا کہ مسیحؑ مادر زاد اندھوں کو بینا کر دیتے تھے قرآن حکیم کے الفاظ یہ ہیں " ابرئ الاکم " (یعنی بری کرتا تھا اندھوں کو) والا برص " اور برص کے مریضوں کو " (سورہ آل عمران آیت نمبر۴۹) یہاں ایک بنیادی بات یاد رکھنے کی ہے جس کی طرف توجہ نہیں کی گئی وہ یہ کہ تورات برص کے مریض اور اندھے کو حتیٰ کہ لنگڑے کو بھی ناپاک قرار دیتی ہے اور ایسے لوگوں کو عیب دار ٹھہرا کر خدا کے حضور نذر گزارنے سے منع کرتی ہے نہ انہیں ہیکل (عبادت گاہ) میں آنے کی اجازت دیتی ہے چنانچہ لکھا ہے کہ :-

" پھر خداوند نے موسیٰؑ اور ہارونؑ سے کہا ○ اگر کسی کی جلد میں ورم یا پپڑی یا سفید چمکتا ہوا داغ ہو ..... تو وہ کوڑھ کا مرض ہے او کاہن اس شخص کو دیکھ کر ناپاک قرار دے .... پس وہ اکیلا رہے اس کا مکان لشکر گاہ سے باہر ہو (۹) "

یہ حکم تو برص کے مریض کے بارے میں ہے اس کے بعد اندھے اور لنگڑے کے بارے میں یہ حکم ہے :-

" پھر خداوند نے موسیٰ سے کہا کہ ہارون سے کہہ دے کہ تیری نسل میں پشت در پشت اگر کوئی کسی طرح کا عیب رکھتا ہو تو وہ اپنے خدا کی غذا (قربانی) گذارنے (پیش کرنے) کو نزدیک نہ آئے (یعنی عبادت گاہ میں داخل نہ ہو) خواہ وہ اندھا ہو یا لنگڑا"(۱۰)

یہ کتنا بڑا ظلم تھا جو اندھوں اور برص کے مریضوں پر روا رکھا گیا تھا کہ انھیں اللہ تعالیٰ کے حضور قربانی پیش کرنے اور نذریں گذارنے سے روک دیا گیا تھا ' عبادت گاہ میں ان کا داخلہ ممنوع قرار دیدیا گیا تھا ' حالانکہ یہ بے قصور لوگ تھے ۔ اندھا یا لنگڑا ہونا' نہ کوئی گناہ ہے نہ برص میں مبتلا ہوجانے سے کوئی شخص ناپاک ہو جاتا ہے خداوند تعالیٰ کی نگاہ میں انسان اپنی بد عملی سے ناپاک ہوتا ہے نہ کہ کسی جسمانی عیب یا بیماری سے ۔ یہ صریحاً" تحریف تھی جو علمائے یہود نے تورات میں کی تھی ۔ حضرت مسیحؑ نے تورات کی اس تحریف کو مٹایا اور اسے اس کی اصلی شکل میں قائم فرمایا آپؑ نے اندھوں اور برص کے مریضوں کو اس پابندی سے بری کیا چنانچہ قرآن کریم نے لفظ " ابری " استعمال کیا ہے اور فرمایا

"اُبۡرِئُ الۡاَکۡمَہَ وَالۡاَبۡرَصَ" (یعنی اندھے اور برص کے مریض کو بری کرتا تھا) " شفا" کا لفظ استعمال نہیں فرمایا " بری " فرمایا ۔ سوال یہ ہے کہ کس چیز سے بری کرتا تھا ؟ اس کا جواب یہی ہے کہ تورات کے اس حکم اور پابندی سے بری کرتا اور نجات دیتا تھا جس کے تحت اندھے اور برص کے مریض کو ناپاک قرار دے کر انھیں اچھوت بنا دیا گیا تھا اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے سے محروم کر دیا گیا تھا ۔ حضرت مسیحؑ نے انسانیت پر بہت بڑا احسان کیا اور ہزاروں اندھوں اور برص کے مریضوں کو ان کے انسانی حقوق عطا کئے ' معاشرے میں ان سے نفرت کا جو نامناسب اور قابل نفرت جذبہ پیدا ہوگیا تھا ' اسے ختم کیا اور بتایا کہ خدا کی نظر میں جسمانی عیب قابل نفرت نہیں ' اس کی نظر میں اخلاقی عیب قابل نفرت ہے اور اصل عیب روح کا عیب ہے 'کردار کا عیب ہے ' اسے دور کرو ۔

یہ تھی حقیقت اندھوں اور برص کے مریضوں کو " بری " کرنے کی جسے مادر زاد

اندھوں کو بینائی عطا کرنے کا نام دے کر ایک خود ساختہ معجزہ حضرت مسیحؑ سے منسوب کر دیا گیا جس کی قرآن حکیم سے ہرگز تائید نہیں ہوتی۔

مردوں کو زندہ کرنا؟

تیسرا معجزہ جو حضرت مسیحؑ سے منسوب کیا جاتا ہے وہ ہے مردوں کو زندہ کرنا۔ قرآن حکیم سے اس معجزے کی بھی تائید نہیں ہوتی۔ یقیناً قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ کا حضرت مسیحؑ کے بارے میں یہ ارشاد ہے کہ:-

وَاِذْ تُخْرِجُ الْمَوْتٰى بِاِذْنِیْ (سورہ المائدہ آیت نمبر ۱۱۰)

(اور یاد کر اے عیسیٰؑ! جب تو) "میرے حکم سے مردوں کو خارج کرتا تھا یعنی نکالتا تھا۔"

اس پوری آیت میں کہیں ایک جگہ بھی مردے کو زندہ کرنے کا ذکر نہیں۔ ہمارے بعض مفسرین نے اس ارشاد ربانی کی یہ معنی کر لئے کہ مسیحؑ "قم باذنی اللہ" کہہ کہ مردوں کو اٹھا کر کھڑا کر دیا کرتے تھے، اور تفسیر یہ کی کہ مردے کو زندہ کر کے قبر سے نکال لیتے تھے حالانکہ یہ فعل جو حضرت مسیحؑ سے منسوب کیا جاتا ہے خود قرآن حکیم کی تعلیم کے خلاف ہے بلکہ قرآن اس فرضی معجزے کی سختی سے تردید کرتا ہے اور فرماتا ہے کہ:-

لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ یُحْیٖ وَیُمِیْتُ ط (سورہ الفرقان آیت نمبر ۸)

(یعنی اللہ تعالیٰ کے سوائے کوئی معبود نہیں اور صرف وہی زندہ کرتا ہے اور وہی مارتا ہے)

یہاں زندہ کرنے اور مارنے کی دونوں صفات اللہ تعالیٰ نے اپنے لئے مخصوص فرمائی ہیں اور پھر اعلان فرما دیا ہے کہ سوائے میرے اور کوئی شخص نہ کسی کو زندہ کر سکتا ہے نہ مار سکتا ہے۔ گویا اس نے اپنی دونوں صفات میں کسی دوسرے کو شریک نہیں فرمایا بلکہ یہ اعلان فرما کر کہ میرے سوائے کوئی شخص زندہ کرنے اور مارنے کا ہرگز اختیار نہیں رکھتا اس قسم کے تصور کو بھی گناہ کبیرہ قرار دیدیا۔ کہ کھلا شرک ہے پس یہ ناممکن ہے کہ جس فعل کو اللہ تعالیٰ صرف اپنے لئے مخصوص فرما چکا ہو اور منع کر چکا ہو کہ اس میں کسی کو اس کے ساتھ شریک مت کرو، اس میں وہ خود کسی دوسرے کو شریک کر لے؟ یہ تو کھلا تضاد ہے اور اللہ تعالیٰ کے کلام میں تضاد کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔

آگے چل کر اللہ تعالیٰ حیات و موت کا ایک قانون بیان فرماتا ہے ارشاد ہوتا ہے

کہ:-

فَیُمْسِكُ الَّتِیْ قَضٰى عَلَیْهَا الْمَوْتَ وَیُرْسِلُ الْاُخْرٰۤى اِلٰۤى اَجَلٍ مُّسَمًّى ط
اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّتَفَكَّرُوْنَ (سورہ الزمر آیت نمبر ۴۲)

(جس کے بارے میں موت کا فیصلہ ہو جاتا ہے اس کی روح اللہ تعالیٰ روک لیتا ہے اور دوسری روح جس کی موت کا فیصلہ نہیں ہوتا اسے مدت مقررہ تک کے لئے واپس (دنیا میں) بھیج دیتا ہے، اس میں اس قوم کے لئے نشانیاں ہیں جو غور و فکر کرتی اور سوچ سمجھ سے کام لیتی ہے)

اس آیت میں یہ مضمون بیان کیا جارہا ہے کہ جب تم سو جاتے ہو تو ہم تمھاری روح قبض کر لیتے ہیں (یعنی حالت نیند ایک قسم کی موت ہوتی ہے) پھر جس کے بارے میں موت کا حکم نافذ ہو چکا ہوتا ہے اس کی روح روک لی جاتی ہے یعنی وہ اس دنیا میں کبھی واپس نہیں آتی، ہاں جس کے بارے میں موت کا فیصلہ نہیں ہوتا اس کی روح ایک مقررہ مدت کے لئے واپس کر دی جاتی ہے یہ خداوند تعالیٰ کا اٹل قانون ہے جس میں اس نے کسی استثنیٰ کی طرف اشارہ نہیں فرمایا۔

اس آیت کی رو سے جن لوگوں کے بارے میں موت کا فیصلہ کر دیا جاتا ہے وہ دنیا میں کبھی واپس نہیں آتے ان کی روحیں ہمیشہ کے لئے روک لی جاتی ہیں (قبض کر لی جاتی ہیں) اور ظاہر ہے کہ جس روح کو خدا روک لے اسے کوئی دنیا میں واپس لانے کی قدرت نہیں رکھتا خواہ وہ کتنا ہی بڑا ولی پیر اور پیغمبر ہی کیوں نہ ہو۔ اگر حضرت مسیحؑ مردوں کو قبروں میں سے نکال کر انھیں دوبارہ زندہ کر دیتے تھے تو خداوند تعالیٰ کا یہ ارشاد غلط ثابت ہوتا ہے کہ جب کسی شخص کے بارے میں موت کا فیصلہ کر دیا جاتا ہے، اس کی روح کو روک لیا جاتا ہے تو وہ دنیا میں واپس نہیں آتی۔ پس ثابت ہوا کہ حضرت مسیحؑ نے کبھی کسی مردے کو زندہ نہیں کیا کیونکہ یہ امر ارشاد خداوندی کے صریحاً خلاف ہے پھر اس آیت کے آخر میں اس نے یہ بھی فرما دیا کہ اس (فیصلۂ خداوندی) میں غور و فکر کرنے والوں کے لئے کئی نشان ہیں۔ آخر وہ کیا نشان ہیں؟ یہ جملہ اللہ تعالیٰ نے بے فائدہ عبث تو نہیں فرمایا اس میں سب سے بڑا نشان یہ ہے کہ:-

(1) زندگی اور موت دونوں پر صرف خداوند تعالیٰ ہی کو اقتدار حاصل ہے ۔ اس کے اقتدار میں کوئی شریک نہیں نہ اس نے کسی کو شریک کیا۔

(2) جب خدا تعالیٰ نے کسی کو موت اور زندگی کے امور پر اختیار نہیں بخشا تو اے لوگو! تم بھی اس کی ان صفات میں کسی کو شریک مت قرار دو۔

(3) تیسرا نشان یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا یہ ازلی و ابدی قانون ہے اور ولن تجد لسنتہ اللہ تبدیلا"○ کے مطابق (تم اللہ تعالیٰ کی سنت (اور اس کے کسی قانون) میں تبدیلی نہیں پاؤ گے) اس قانون سے کوئی باہر نہیں ہے اس میں کسی کے لئے استثنا نہیں ہے پس حضرت مسیحؑ کے بارے میں یہ کہنا کہ وہ اس قانون سے باہر تھے اور انھیں اللہ تعالیٰ نے اختیارات خصوصی تفویض فرما دیئے تھے ' خیال باطل اور خلاف قرآن عقیدہ ہے۔

(4) حضرت مسیحؑ تو خود فانی انسان تھے وہ تو خود اپنی موت کو دور کرنے اور اس سے بچنے کی قدرت نہیں رکھتے تھے۔ جو شخص خود ہر وقت موت کو زد میں رہتا ہو وہ کسی کو کیسے زندہ کر سکتا ہے ؟ زندہ تو وہی کر سکتا ہے جو خود موت کی گرفت سے آزاد ہو ۔ اس لئے غور و فکر کرنے والوں کو یہ آیت بتاتی ہے کہ حضرت مسیحؑ نہ کچھ پیدا کرتے تھے اور نہ کسی کو زندہ کرتے تھے۔ یہ سارے اختیارات صرف اللہ تعالیٰ کے پاس ہیں اور اس نے خود یہ اصول مقرر فرما دیا جس کا آیت بالا میں ذکر کیا گیا ہے کہ جب ایک بار کسی شخص پر موت وارد کر دی جاتی ہے ' تو اس کی روح کو روک لیا جاتا ہے اور پھر اسے دنیا میں واپس نہیں بھیجا جاتا۔

سوال یہ ہے کہ پھر اللہ تعالیٰ نے یہ کیوں فرمایا کہ "اے عیسیٰؑ! یاد کرو وہ وقت جب تو میرے حکم سے مردوں کو نکالا کرتا تھا" ۔ اس کا جواب یہ ہے کہ لوگوں نے غور نہیں کیا قرآن حکیم میں مردے کا لفظ ان افراد پر بھی بولا جاتا ہے جو حد درجہ گمراہ ہو چکے ہوں چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ :۔

اِنَّمَا یَسۡتَجِیۡبُ الَّذِیۡنَ یَسۡمَعُوۡنَ ؕ وَالۡمَوۡتٰی یَبۡعَثُہُمُ اللّٰہُ ثُمَّ اِلَیۡہِ یُرۡجَعُوۡنَ

(سورہ الانعام آیت نمبر ۳۶)

(وہی لوگ (حق کو) قبول کرتے ہیں جو سنتے ہیں (یعنی سننے سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں) اور جو مردے ہیں انھیں (روز قیامت) اٹھایا جائے گا اور پھر انھیں اس کے حضور لے جایا جائے گا (وہاں ان سے پوچھا جائے گا کہ تم نے حق وصداقت کو کیوں قبول نہیں کیا)

اس آیت مبارکہ نے فیصلہ کر دیا ہے کہ قرآن حکیم میں ان لوگوں کے لئے بھی مردے کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے جو حق وصداقت کی طرف سے کان بند کر لیتے ہیں اور انبیاء کی حکیمانہ اور روحانی باتیں قبول کرنے سے انکار کر دیتے ہیں ۔ پس حضرت مسیحؑ انہی لوگوں کو زندہ کرتے تھے جو روحانی لحاظ سے مردہ تھے یعنی جن کی اخلاقی حالت نے ' جن کی بدکرداریوں نے انھیں دنیا کا کیڑا بنا دیا تھا جن میں روحانی زندگی باقی نہیں رہی تھی ' حضرت مسیحؑ نے انھیں اپنی پاکیزہ تعلیم سے از سر نو زندہ کیا اور ان میں ایک نئی روح پھونک دی

اس حقیقت کو مزید تقویت ایک اور ارشاد الٰہی سے حاصل ہوتی ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوا اسۡتَجِیۡبُوۡا لِلّٰہِ وَ لِلرَّسُوۡلِ اِذَا دَعَاکُمۡ لِمَا یُحۡیِیۡکُمۡ ۚ

(سورۂ الانفال آیت نمبر ۲۴)

(اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو اللہ اور اس کے رسول کی بات کو قبول کرو جب وہ تمھیں زندہ کرنے کے لئے بلائیں)

اس آیت مبارکہ میں نہایت صاف اور واضح الفاظ میں حق بات کو قبول کرنے کے لئے زندہ کرنے کے الفاظ استعمال کئے گئے ہے پس اس سے ثابت ہوا کہ جسمانی مردوں کو حق بات سے زندہ نہیں کیا جاتا حق بات سے انہی کو زندہ کیا جاتا ہے جو جسمانی طور پر تو زندہ ہوتے ہیں لیکن روحانی طور پر پوری طرح زندہ نہیں ہوتے اور جنھیں روحانی زندگی کی مزید ضرورت ہوتی ہے ۔ ایمان میں کاملیت پیدا کرنے کے لئے ضروری ہے کہ صاحب ایمان باربار اللہ اور اس کے رسول کی طرف متوجہ ہوں تاکہ ان میں روحانی زندگی برقرار رہے اور ان کی روحانیت کی تکمیل ہو وہ کامل طور پر زندہ ہو جائیں۔

یہی وہ زندگی ہے جو حضرت مسیحؑ روحانی طور پر مردہ لوگوں میں پیدا کرتے تھے اور یہی وہ زندگی ہے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ صاحب ایمان لوگوں سے فرما رہا ہے کہ اگر تم حقیقی زندگی چاہتے ہو تو میرے رسول کی بات سنا کرو جب وہ تمھیں پکارے ۔ پس یہ کیسے

ممکن ہے کہ رسولؐ اقدس تو زندہ انسانوں کو حق و صداقت کے ذریعے روحانی زندگی عطا فرمائیں اور حضرت مسیحؑ جسمانی مردوں کو حق و صداقت کے ذریعے سے زندہ کر دیں۔ دونوں مقدس پیغمبروں کے لئے ایک ہی عمل اور ایک ہی طریقہ تجویز کرنا ہوگا بلکہ اللہ تعالیٰ نے تجویز فرما دیا کہ حضرت مسیحؑ اور رسول کریمؐ دونوں جسمانی مردوں کو نہیں بلکہ روحانی طور پر مردہ لوگوں کو حق و صداقت کے ذریعے نئی زندگی عطا فرماتے تھے' جن کی روحانیت کمزور ہوتی تھی انھیں بار بار حق و حکمت کی باتیں سنا کر کامل طور پر زندہ کر دیا کرتے تھے نہ کہ جسمانی مردوں کو جو قبروں میں پڑے ہوئے تھے' نہ سن سکتے تھے' نہ دیکھ سکتے تھے۔ ایسے لوگوں کو نہ زندہ کیا جاسکتا ہے اور نہ کسی نے زندہ کیا کیونکہ یہ سنت اللہ اور ارشاد خداوندی دونوں کے خلاف ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فیصلہ؟

اس مسئلے پر ایک اور پہلو سے غور کیجئے۔ کمزور سے کمزور ایمان والا بھی اس حقیقت کا انکار نہیں کر سکتا کہ قرآن کا جو فہم صاحب قرآن کو عطا ہوا تھا وہ کسی بڑے سے بڑے عالم' مفکر اور مفسر قرآن کو نصیب نہیں ہوا۔ اور قرآن کے سب سے بڑے شارح خود حضور اقدسؐ تھے۔ آیئے دیکھیں' حضورؐ نے مردوں کو دوبارہ زندہ کرنے کے بارے میں کیا فیصلہ فرمایا۔ حضورؐ کا فیصلہ آخری فیصلہ ہے اور یہی فیصلہ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہے۔ یہ فیصلہ سن لیجئے:۔

حضرت جابرؓ بن عبداللہ بیان کرتے ہیں کہ ایک روز رسولؐ اللہ سے میری ملاقات ہوئی' حضورؐ نے فرمایا کہ اے جابر کیا وجہ ہے کہ آج میں تجھے غمزدہ اور اندوہ گیں دیکھ رہا ہوں' میں نے عرض کیا یا رسولؐ اللہ میرا باپ قتل کیا گیا اور مجھ پر بچوں کی کفالت اور قرض کا بوجھ آپڑا ہے۔ یہ سن کر حضورؐ نے فرمایا کہ میں تجھے ایسی بات سناؤں جس سے تو خوش ہوجائے وہ یہ کہ تیرے باپ سے اللہ تعالیٰ نے کس طور سے ملاقات فرمائی؟ حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا ضرور فرمایئے یا رسول اللہ! پس حضورؐ نے بیان فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کسی شخص سے حجاب کے بغیر کلام نہیں کرتا مگر تیرے باپ سے اس نے کسی حجاب اور پردے کے بغیر آمنے سامنے کلام کیا اور فرمایا کہ اے میرے بندے جو مانگنا چاہے

مانگ تاکہ میں تجھے عطا کروں' پس تیرے باپ نے عرض کیا کہ اے میرے رب کریم! میری ایک ہی تمنا ہے کہ تو مجھے ایک بار پھر زندہ کرکے دنیا میں واپس بھیج دے تاکہ میں پھر تیری راہ میں جہاد کروں اور قتل کیا جاؤں۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ نہیں ہو سکتا کیونکہ میں عہد کر چکا ہوں کہ جو لوگ مرجائیں گے انہیں دوبارہ دنیا میں نہیں بھیجا جائے گا۔ حدیث کے اصل عربی الفاظ یہ ہیں۔

"اِنَّهٗ قَدْ سَبَقَ مِنِّیْ اَنَّهُمْ اِلَیْهَا لَا یُرْجَعُوْنَ" (۱۱)

(یعنی اللہ نے فرمایا کہ اس کا تو میں فیصلہ کر چکا ہوں' یہ امر تو طے پا چکا ہے کہ جو لوگ فوت ہو جائیں وہ واپس دنیا میں نہیں بھیجے جائیں گے)۔

اندازہ کیجئے کہ اللہ تعالیٰ اپنے ایک شہید بندے (عبداللہ) کو قول دے چکا ہے کہ مانگ جو کچھ مانگنا ہے میں تجھے عطا کروں گا' یہ بندہ اپنی غرض کے لئے کچھ نہیں مانگتا' دین کی سربلندی کے لیئے دست سوال دراز کرتا ہے کہ اے میرے رب کریم! اے قادر و توانا! بس اتنی التجا ہے کہ ایک بار پھر مجھے دنیا میں واپس بھیج دے تاکہ تیرے دین کی سربلندی کے لیے جہاد کروں اور تیری راہ میں مارا جاؤں' مگر قول دینے کے باوجود اللہ تعالیٰ ایک شہید کی درخواست مسترد کر دیتا ہے اور فرماتا ہے کہ یہ التجا قبول نہیں ہوگی کیونکہ یہ میری سنت کے خلاف ہے' میرے عہد کے خلاف ہے' عہد کیا ہے؟ اس کی صاف الفاظ میں وضاحت فرما دی کہ:۔

جو لوگ مرجاتے ہیں انھیں دبارہ زندہ نہیں کیا جاسکتا"۔

اللہ تعالیٰ کے اس واضح ارشاد اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شہادت کے بعد بھی اگر کوئی شخص یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ حضرت مسیحؑ نے مردے زندہ کیے تو ایسے شخص کو اپنی عاقبت کی فکر کرنی چاہیئے۔ ایسا عقیدہ رکھنا خدا سے کھلی بغاوت ہے اور ایک مومن پر اس کے تصور سے بھی لرزہ طاری ہو جاتا ہے۔

مسیحؑ کے لیے آسمان سے خوان اترنا؟

حضرت مسیحؑ سے چوتھا معجزہ یہ منسوب کیا گیا کہ اللہ تعالیٰ ان کی درخواست پر حواریوں کے لیئے آسمان سے انواع واقسام کی نعمتیں نازل فرماتا تھا۔ یہ خوان نعمت چالیس

روز تک نازل ہوتا رہا اور ہزاروں افراد اس سے سیر ہوتے رہے۔ یہ معجزہ بھی محض فرضی داستان ہے۔ بلاشبہ قرآن حکیم میں اس خوان نعمت یا مائدے کا ذکر ہے لیکن اس کے معنی سمجھنے میں ہمارے بعض مفسرین کو غلط فہمی ہوئی۔ اس داستان کے سلسلے میں قرآن حکیم کی یہ آیت پیش کی جاتی ہے :۔

اِذْ قَالَ الْحَوَارِیُّوْنَ یٰعِیْسَی ابْنَ مَرْیَمَ هَلْ یَسْتَطِیْعُ رَبُّكَ اَنْ یُّنَزِّلَ عَلَیْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ ط (سورہ المایدہ آیت نمبر ۱۱۲)

" (یاد کرو وہ وقت بھی) جب حواریوں نے کہا کہ اے عیسیٰ ابن مریم کیا تیرے رب میں یہ طاقت ہے کہ وہ ہم پر آسمان سے خوان نعمت نازل کرے ")

اس پر حضرت مسیح ؑ نے حواریوں سے فرمایا کہ اگر تم مومن ہو تو خدا کا خوف کرو (یعنی ایسے مطالبے مت کرو) اس کے جواب میں حواریوں نے کہا کہ خوان نعمت کی درخواست سے ہماری غرض صرف یہ ہے کہ اس میں سے کھا کر ہمارے دل مطمئن ہو جائیں اور ہمیں یقین ہو جائے کہ تو نے سچ کہا ہے اور ہم اس کے بارے میں گواہی دے سکیں۔ اس پر حضرت مسیح ؑ نے اللہ تعالیٰ سے التجا کی کہ اے میرے رب قادر! تو ہم پر آسمان سے خوان نعمت نازل فرما تاکہ ہم میں سے پہلے لوگوں (یعنی موجودہ مسیحیوں) اور آخری لوگوں کے لیئے بھی عید ہو اور یہ تیری طرف سے ایک نشان ہو اور تو ہمیں رزق عطا فرما کہ رزق دینے والوں میں تو سب سے بہتر رزق دینے والا ہے ' اس کے بعد ارشاد ربانی ہوتا ہے :۔

قَالَ اللّٰهُ اِنِّیْ مُنَزِّلُهَا عَلَیْكُمْ ۚ فَمَنْ یَّكْفُرْ بَعْدُ مِنْكُمْ فَاِنِّیْٓ اُعَذِّبُهٗ عَذَابًا لَّآ اُعَذِّبُهٗٓ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِیْنَ ع سورہ المائدہ آیت نمبر ۱۱۵)

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ (میں خوان نعمت) تم پر نازل کروں گا لیکن اس کے بعد بھی جو شخص انکار کرے گا (راہ حق کو چھوڑ دے گا) تو میں اسے عذاب بھی ایسا دوں گا کہ دنیا میں ایسا عذاب کسی کو نہ ملا ہوگا۔

ان ساری آیات پر غور کرنے سے مندرجہ ذیل نکات حاصل ہوتے ہیں۔

(1) حضرت مسیح ؑ کے حواریوں نے آپ ؑ سے درخواست کی کہ اپنے رب سے عرض کیجئے کہ

کیا اس میں اتنی قدرت ہے کہ وہ ہم پر آسمان سے نعمتوں سے بھرا ہوا خوان نازل فرمائے

(2) حضرت مسیح ؑ نے حواریوں کی یہ درخواست سن کر انھیں تنبیہہ کی کہ اللہ تعالیٰ کو آزمانے کو کوشش نہ کرو اور ایسے مطالبوں سے باز آجاؤ۔

(3) حواریوں نے یہ موقف اختیار کیا کہ ان کی غرض اللہ تعالیٰ کو آزمانا نہیں بلکہ یہ اطمینان حاصل کرنا ہے کہ ہمارا خدا قادر ہے اور تو بھی اپنے دعوے میں سچا ہے اس طرح ہم خدا کی قدرت اور تیری صداقت دونوں کے گواہ بن جائیں گے۔

(4) اس پر حضرت مسیح ؑ نے اللہ تعالیٰ کے حضور درخواست کی کہ اے میرے رب قادر و توانا! تو ہم پر آسمان سے خوان نازل فرما تاکہ ہم میں سے موجودہ لوگوں اور ہمارے آخری دور کے لوگوں دونوں کے لیے عید ہو جائے اور یہ تیرا ایک نشان بن جائے۔"

(5) اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح ؑ کی یہ دعا قبول فرما لی اور وعدہ فرمایا کہ میں تم پر خوان نعمت نازل کروں گا لیکن یاد رکھو اگر اس نعمت کے نزول کے بعد بھی اے عیسیٰ تیری قوم نے کفر و سرکشی کا راستہ اختیار کیا تو سزا بھی ایسی سخت دوں گا کہ دنیا میں کسی قوم کو نہ دی ہوگی

ان نکات پر غور کرنے اور ان آیات کے بعد کی آیات کا مطالعہ کرنے کے بعد بھی ظاہر نہیں ہوتا کہ حضرت مسیح ؑ کی اس درخواست پر اللہ تعالیٰ نے آسمان سے کوئی خوان نعمت اتارا جس میں انواع و اقسام کے کھانے اور تازہ پھل رکھے ہوتے تھے مگر ہمارے بعض مفسرین نے ان آیات پر وہ حاشیہ آرائی کی کہ یہ لطیف آیات اور اللہ تعالیٰ کا یہ عظیم الشان وعدہ ایک تماشہ بن کر رہ گیا۔ صرف ایک جھلک ملاحظہ ہو :۔

" حضرت عیسیٰ ؑ اللہ تعالیٰ سے ابھی مائدہ (خوان نعمت) نازل کرنے کی دعا کر ہی رہے تھے کہ اتنے میں آسمان سے ایک خوان جس کا رنگ سرخ تھا نازل ہونا شروع ہوا۔ لوگ اپنی آنکھوں سے اسے آسمان سے نیچے کی طرف آتا دیکھ رہے تھے۔ یہ خوان بادلوں کے دو ٹکڑوں کے درمیان تھا۔ ایک ٹکڑا خوان کے اوپر تھا اور ایک نیچے۔ اصل عربی الفاظ یہ ہیں۔

"فانزل علیھم سفرۃ حمرا بین غمامتین غمامہ فوقھا وغمامہ تحتھا" (۱۲)

یہ خوان آہستہ آہستہ اترتا ہوا حضرت مسیح ؑ کے سامنے آکر رک گیا اس میں سے

ایسی خوشبوئیں نکل رہی تھیں کہ کبھی کسی نے نہ سونگھی تھیں۔ حضرت مسیحؑ (یا آپؑ
کے حواریوں میں سے کوئی) آگے بڑھا اور جب خوان کا سرپوش اٹھایا تو کیا دیکھا کہ ایک
تلی ہوئی مچھلی رکھی ہے، مچھلی خاصی بڑی سی تھی جس کے جسم پر نہ کوئی چھلکا تھا نہ گوشت
میں کانٹے، مچھلی میں روغن اس قدر تھا کہ بہہ رہا تھا، مچھلی کے ساتھ مولی کے سوائے ہر
قسم کی سبزیاں بھی پک کر آئی تھیں وہ بھی خوان میں رکھی ہوئی تھیں، خوان کے ایک
طرف یعنی مچھلی کے سر کی طرف پیالی میں سرکہ رکھا ہوا تھا اور دم کی جانب نمک رکھا تھا
(کہ حسب خواہش استعمال کر لیا جائے) پانچ روٹیاں بھی ساتھ آئی تھیں جن پر روغن
زیتون چپڑا ہوا تھا، کھجوریں بھی رکھی ہوئی تھیں (شاید منہ میٹھا کرنے کے لیے) یہی نہیں
پانچ انار بھی تھے (تاکہ مچھلی کی گرمی کم ہو جائے)

دلچسپ بات یہ ہے کہ اتنا کچھ مل جانے کے باوجود "حریص" حواریوں کا دل نہ بھرا
اور انھوں نے حضرت مسیحؑ کی خدمت میں ایک اور خواہش گذار دی کہ اے روح اللہ!
ہماری خواہش ہے کہ اس معجزے کے اندر ایک اور معجزہ بھی "ہو جائے"۔ پہلے تو حضرت
مسیحؑ نے ڈانٹا کہ اتنا بڑا معجزہ دیکھ لینے کے بعد بھی تمہاری تسلی نہیں ہوئی مگر جب
حواریوں نے منت سماجت کی تو حضرت مسیحؑ نے ایک اور معجزہ دکھایا، وہ بھی دیکھ لیجیے:۔
حضرت مسیحؑ نے مچھلی کو مخاطب کیا اور فرمایا اے "مچھلی خدا کے حکم سے ایک بار پھر زندہ
ہو جا"۔ اتنا کہنا تھا کہ وہ ماہیٔ بریاں و سوختہ یعنی بھنی ہوئی اور تلی ہوئی مچھلی اپنی اصلی
حالت میں واپس آگئی اور جس طرح ماہیٔ بے آب تڑپتی ہے اسی طرح فرش خاک پر تڑپنے
لگی اس نے شیر کی طرح منہ پھاڑ دیا، اس کی آنکھیں (سرخ انگاروں کی طرح) اپنے
حلقوں میں گردش کرنے لگیں اور اس کے جسم پر چھلکے ابھر آئے، لوگوں نے جو یہ منظر
دیکھا تو خوفزدہ ہو گئے۔ اپنے حواریوں کو یہ معجزہ دکھا کر جناب مسیحؑ نے ایک اور معجزہ دکھایا
اور مچھلی کو حکم دیا کہ "اے مچھلی اب پھر اپنی پہلی حالت پر واپس آجا"۔ اور دوسرے
لمحے مچھلی پھر پہلے کی طرح بھنی اور تلی ہوئی مچھلی کی صورت میں تبدیل ہو گئی۔" (۱۳)

انسانوں کو سور بنانا؟

لوگ اس خوان نعمت پر ٹوٹ پڑے کئی ہزار مسیحی ایک مچھلی اور پانچ روٹیوں سے

شکم سیر ہو گئے۔ یہ خوان چالیس روز تک آسمان سے اترتا رہا اور لوگ اس میں سے کھاتے
رہے، طریقہ یہ تھا کہ صبح کو خوان نازل ہو جاتا شام تک فرش زمین پر رکھا رہتا اور لوگ
اس میں سے حسب ضرورت تناول کرتے رہتے، شام ہوتے ہی آسمان کی طرف چڑھنا شروع
ہو جاتا، لوگ اس کا سایہ زمین پر دیکھتے، مفسرین کے بقول چونکہ کھاتے پیتے اور مال دار
لوگوں کو اس خوان سے کھانے کی اجازت نہیں تھی اس لئے انہیں ناگوار گذرا اور انہوں
نے اس کے اترنے میں شک کیا، نہ صرف خود شک کیا بلکہ دوسرے مسیحیوں کو بھی شک و
شبہ میں مبتلا کر دیا اور حضرت مسیحؑ سے کہا کہ ہمیں یقین نہیں کہ یہ خوان آسمان سے نازل
ہوتا ہے۔ آخر ان پر خدا کا عذاب نازل ہوا۔ رات کو اچھے بھلے اپنے بستروں میں سوئے
مگر رات کے آخری حصے میں اللہ تعالیٰ نے انہیں "خنزیر" بنا دیا اور صبح کو اپنے اپنے
گھروں سے سوروں کی شکل میں برآمد ہوئے۔ یہ بتانے کے لیے کہ اس مائدے میں شک
کرنے والے مسیحی سچ مچ کے سور بن گئے تھے بعض مفسرین نے یہ بھی واضح کر دیا کہ وہ
کوڑے کرکٹ اور غلاظت کے ڈھیروں پر منہ مارتے پھرتے تھے (۱۴)"

غور فرمائیے! کوئی عقل سلیم رکھنے والا شخص ان خرافات پر یقین کرے گا؟ پھر
مصیبت یہ ہے کہ اس قسم کے معجزات پر ایمان نہ لانے والوں کو بدعقیدہ اور گمراہ قرار دیا
جاتا ہے اور ان پر فتویٰ کفر لگا دیا جاتا ہے۔ خدا کا شکر ہے کہ انہی مفسرین میں سے ایسے
صاحب دماغ اور صحیح الفکر مفسر بھی گذرے ہیں جنھوں نے ان روایات کو مسترد کر دیا اور
قصوں کہانیوں سے زیادہ انھیں کوئی وقعت نہ دی۔ چنانچہ حضرت مجاہدؒ اور حضرت حسنؒ
بصری نے ان روایات کی تردید کی ہے اور لکھا ہے کہ اس قسم کا کوئی خوان کبھی نہیں اترا
اور اللہ تعالیٰ نے یہ واقعہ مثالی رنگ میں بیان فرمایا ہے۔ بعض اہل علم نے یہ نہایت
درست موقف اختیار کیا کہ:۔

وقد یتقوی ذالک بان خبر المائدہ لا یعرفہ النصاری ولیس ھو فی کتابھم متواتر" (۱۵)

(یعنی ان روایات کے غلط ہونے کی ایک دلیل یہ ہے کہ اس مائدہ (خوان نعمت) سے
نصاریٰ بالکل واقف نہیں اگر ایسا ہوتا تو ان کی کتاب انجیل میں اس کا ذکر ہوتا اور بار بار
اسے بیان کیا جاتا مگر نہ مسیحی اس روایت سے واقف ہیں نہ انجیل میں اس کا ذکر ہے) خود

قرآن حکیم میں اس قصے کے بارے میں ایک لفظ موجود نہیں یہی وجہ ہے کہ ہندوستان کے مفسرین میں سے بھی بعض مسیح الفکر مفسرین نے اس واقعے کو غلط قرار دیا چنانچہ حضرت شاہ عبدالقادر ؒ فرماتے ہیں کہ :۔

بعض (مفسرین) کہتے ہیں کہ (مائدہ) نہ اترا ' تہدید (عذاب کی وعید) سن کر مانگنے والے ڈر گئے لیکن پیغمبر کی دعا عبث نہیں اور اس کلام (قرآن) میں نقل کرنا بے حکمت نہیں شاید اسی دعا کا اثر یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ ؑ کی امت (نصاریٰ) میں آسودگیٔ مال ہمیشہ سے رہی ۔ اس میں مسلمان کو عبرت ہے کہ اپنا مدعا خرق عادت کی راہ سے نہ چاہے پھر اس میں شکر گذاری مشکل ہے (۱۶)

اسی آیت کی تفسیر کرتے ہوئے حضرت شاہ عبدالقادر ؒ اس واقعے سے بھی اختلاف کرتے اور اس روایت کی تردید کرتے ہیں کہ مائدہ میں شک و شبہ کا اظہار کرنے والے مسیحی سور بن گئے تھے بلکہ آپ ؒ فرماتے ہیں کہ

یہ واقعہ " پہلے یہود میں ہوا تھا پیچھے (یعنی اس کے بعد) کسی کو نہیں ہوا " ۔

آپ نے غور فرمایا کہ ایک واقعہ جس کا سرے سے وجود ہی نہیں ' جو رونما ہی نہیں ہوا اسے عجائب پرست لوگوں نے کیسے دلچسپ افسانے کی شکل میں پیش کیا اور کیسی کیسی حاشیہ آرائی کی ۔ یہی حال ان تمام معجزات کا ہے جو حضرت مسیح ؑ سے منسوب کیے جاتے ہیں اس معجزے (مائدہ) کا حاصل صرف اتنا ہے کہ حضرت مسیح ؑ نے اپنے حواریوں کی درخواست پر اللہ تعالیٰ سے التجا کی کہ اے رب کریم میری قوم پر اپنی نعمتیں نازل فرما اور ان کے رزق میں فراوانی عطا فرما ۔ یہ ویسی ہی دعا ہے جیسی حضرت ابرہیم ؑ نے اس وقت مانگی تھی جب آپ ؑ اپنے فرزند گرامی حضرت اسماعیل ؑ کے ساتھ خانہء کعبہ کی دیواریں اٹھا رہے تھے کہ :۔

رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا بَلَدًا اٰمِنًا وَّارْزُقْ اَهْلَهٗ مِنَ الثَّمَرٰتِ (سورہ البقرہ آیت نمبر ۱۲۶)

(اے میرے رب کریم اس شہر کو امن والا شہر بنا دے اور اس کے باشندوں میں سے صاحب ایمان لوگوں پر پھلوں کی صورت میں رزق عطا فرما)

پھر جس طرح اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم ؑ کی دعا قبول فرمائی اور مکہ کی وادی غیر

ذی زرع کو جہاں گھاس کا ایک تنکا پیدا نہ ہوتا تھا ' ہر قسم کی نعمتوں سے نوازا ' اولاد اسماعیل ؑ کو ذریت اور مال کی کثرت عطا فرمائی ۔ اسی طرح حضرت مسیح ؑ کی دعا قبول فرمائی اور جیسا کہ انہوں نے التجا کی تھی مسیحیوں کے پہلے دور میں بھی انھیں دنیاوی کامرانیاں عطا فرمائیں اور دوسرے دور میں بھی جو ابھی تک جاری ہے کثرت اموال اور دنیاوی نعمتوں اور ترقیات سے نوازا ۔ ساتھ ساتھ ان کی سرکشی اور نافرمانی کی وجہ سے خوفناک اور تباہ کن جنگوں کی صورت میں وقتاً فوقتاً ان پر شدید ترین عذاب بھی نازل کیا ۔

پس یہ دعا تھی جو حضرت مسیح ؑ نے اپنے رب کریم کے حضور کی تھی جس میں آسمان سے نہ کسی خوان نعمت کے نزول کی درخواست کی تھی نہ کوئی ایسا خوان نعمت نازل ہوا ۔

حضرت مسیح ؑ کی غیب دانی ؟

حضرت مسیح ؑ سے پانچواں معجزہ یہ منسوب کیا جاتا ہے کہ آپ ؑ لوگوں کو یہ بتا دیتے تھے کہ آج کس نے کیا کھایا ہے اور کیا گھر میں جمع کر رکھا ہے ۔ بلاشبہ قرآن حکیم میں بعض ایسے الفاظ ہیں جن سے بظاہر اس طرف ذہن جاتا ہے لیکن جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے فہم قرآن کی دولت عطا فرمانے کے ساتھ ساتھ باریک بینی بھی عطا فرمائی ہے وہ اصل حقیقت تک پہنچ جاتے ہیں قرآن حکیم کے الفاظ یہ ہیں کہ :۔

وَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا تَاْكُلُوْنَ وَمَا تَدَّخِرُوْنَ فِيْ بُيُوْتِكُمْ (سورہ آل عمران آیت نمبر ۴۹)

(اور میں تمھیں خبر دوں گا اس کی جو تم کھاؤ گے اور اس کی بھی جو تم اپنے گھروں میں ذخیرہ کرو گے)

اگر تھوڑا سا بھی غور کیا جاتا تو اس میں نہ کوئی غیب دانی کی بات تھی نہ کوئی معجزہ ! مگر عجائب پرستی نے یہاں بھی حکایت سازی اور کہانی نویسی کے جذبے کو مہمیز لگائی اور معجزات کا انبار لگ گیا ۔

اس کی بھی ایک جھلک :۔

اصل عربی الفاظ یہ ہیں :۔

قال السدی کان عیسیٰ فی الکتاب الغلمان بما تصنع اباؤھم (۱۷)

(جناب سدی اس روایت کے راوی ہیں کہ حضرت مسیح ؑ مکتب میں جاتے اور بچوں

سے کہتے کہ دیکھو آج تمہارے گھر میں فلاں چیز پکی ہے ' آج تمہار ے والدین نے فلاں چیز اٹھا کر فلاں جگہ رکھی ہے ' بچے گھر جا کر اپنے والدین سے مطالبہ کر تے کہ انھیں فلاں چیز دی جائے ۔ پھر بتاتے کہ فلاں چیز فلاں جگہ رکھی ہے ' بچوں کے والد ین حیران ہوتے پھر ان کی ضد سے مجبور ہو کر مطلوبہ چیز انہیں دیدیتے ' ساتھ ہی ان سے پوچھتے کہ تمھیں یہ باتیں کون بتاتا ہے ؟ بچے جواب دیتے کہ یسوع نامی شخص ہمیں بتا دیتا ہے ۔ آخر لوگوں نے بچوں کو منع کر دیا کہ وہ یسوع (مسیح ؑ) کے پاس نہ جایا کریں نہ اس کی باتیں سنا کریں یہاں تک بھی خیر تھی آگے سنئے ' ارشاد ہوتا ہے کہ :-

" پھر ایک دن ایسا ہوا کہ لوگوں نے بچوں کو اسکول نہیں بھیجا اور سب کو ایک مکان میں جمع کر لیا جب حضرت مسیح ؑ نے بچوں کو مکتب میں نہ پایا تو انھیں تلاش کرتے ہوئے ان کے گھروں کی طرف روانہ ہوئے ۔ ایک دروازے پر دستک دی اتفاق سے بچے اسی گھر میں تھے ' آپ ؑ نے پوچھا کہ آج بچے کہاں ہیں گھر والوں نے جواب دیا معلوم نہیں کہاں ہیں (یا یہ کہ یہاں نہیں ہیں) حضرت مسیح ؑ نے دریافت فرمایا کہ اس گھر میں کون ہے (یا کیا ہے ؟) جواب ملا کہ اس میں سور ہیں ۔ حضرت مسیح ؑ نے جواب دیا کہ " اچھا پھر وہی ہو جائیں گے " اب جو دروازہ کھولا تو سارے بچے سور بن چکے تھے ۔ (۱۸)

اس سے قبل حضرت مسیح ؑ مٹی سے پرندے بناتے تھے گویا اب مزید ترقی ہوئی اور آدمیوں کے بچوں کو سور بنانے لگے ؟ تفاسیر میں ایسی روایات تو ملتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے نافرمان یہودیوں کو ان کی بدکرداریوں اور حکم عدولی کی سزا دے کر بندر بنا دیا تھا اگرچہ وہاں بھی حقیقی بندر مراد نہیں بلکہ بندر صفت لوگ مراد ہیں لیکن وہ فعل کم از کم اللہ تعالیٰ کی طرف تو منسوب کیا گیا تھا اور سزا بھی نافرمانوں اور سرکشوں کو دی گئی تھی مگر یہاں تو حضرت مسیح ؑ کو جو خدا نہیں تھے بلکہ خدا کے ایک عاجز بندے تھے ' خدائی صفات سے متصف کر دیا گیا اور سزا بھی دی گئی ان معصوم پھول سے بچوں کو جن کا کوئی گناہ نہیں تھا ۔ کیا اللہ کا ایک مقدس نبی ایسی ناانصافی اور سنگین ظلم کر سکتا ہے ؟ کیا خدا کے ایک جلیل القدر نبی کی اس سے بڑھ کر توہین ہو سکتی ہے ؟

اس واقعے کا ایک اور پہلو بھی غور طلب ہے جن بے گناہ بچوں کو سور بنایا گیا آخر

وہ رفتہ رفتہ بچوں سے بڑے ہوئے ہوں گے ' ان کی نسل چلی ہوگی ' اس واقعے کو دو ہزار سال ہونے کو آئے ۔ اگر دس بیس بچے بھی سور بن گئے تھے تو دو ہزار سال میں ان سے لاکھوں سور پیدا ہوئے ہوں گے ۔ جو آج بھی موجود ہوں گے ' اب کون امتیاز کرے گا کہ ان میں سے کتنے سور خدا کے بنائے ہوئے ہیں اور کتنے حضرت مسیح ؑ کے ؟ گویا خداوند تعالیٰ اور حضرت مسیح ؑ کی پیدا کی ہوئی مخلوق مشتبہ ہوگئی ۔ پہلے پرندے مشتبہ ہوئے تھے اور یہ پتہ لگانا مشکل بلکہ ناممکن ہے کہ اگر حضرت مسیح ؑ نے واقعی پرندے پیدا کئے تھے تو آج جو پرندے اڑتے پھرتے ہیں ان میں سے کتنے حضرت مسیح ؑ کے پیدا کردہ ہیں اور کتنے خداوند تعالیٰ کے ۔ چلئے ان پرندوں کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ حضرت مسیح ؑ انھیں تخلیق کرنے کے ساتھ ہی یہ بھی کہہ دیا کرتے تھے کہ " باذنی اللہ " یعنی اللہ کے حکم سے اڑ جا ' مگر جن بچوں کو حضرت مسیح ؑ نے سور بنایا تھا تفسیروں کی رو سے انھیں اللہ کے حکم سے سور نہیں بنایا تھا بلکہ اپنے حکم سے سور بنایا تھا اور فرمایا تھا " پھر ویسے ہی ہو جائیں گے " یعنی تم نے کہا ہے کہ اس مکان میں سور بند ہیں تو پھر یہ سور ہی ہو جائیں گے اور پھر فی الواقعہ وہ سب سور ہو گئے ۔ گویا حضرت مسیح ؑ کے اذن سے سور بنے ' یہ تو صریحاً " حضرت مسیح ؑ کی مخلوق تھی اور ان کے خالق جناب مسیح ؑ تھے ' یعنی دو خالقوں کی مخلوق باہم خلط ملط ہوگئی ۔ انا للہ وانا الیہ راجعون ط

غیر اللہ خالق نہیں ہوسکتے !

حالانکہ اللہ تعالیٰ قرآن حکیم میں اس قسم کے معجزات کے صدور کو خارج از امکان قرار دے چکا ہے چنانچہ ارشاد ہوتا ہے :-

اَمْ جَعَلُوا لِلّٰہِ شُرَكَآءَ خَلَقُوْا كَخَلْقِهٖ فَتَشَابَهَ الْخَلْقُ عَلَيْهِمْ ط قُلِ اللّٰہُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُوَ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ٥ (لرعد آیت نمبر ۱۶)

" کیا ان لوگوں نے اللہ کے ساتھ کچھ ایسے شریک بنا لیئے ہیں جن کی پیدا کی ہوئی مخلوق (خدا کی مخلوق کے ساتھ) مشتبہ ہوگئی ۔ کہہ دے کہ ہر چیز کا خالق (صرف) اللہ ہے اور وہ یکتا ہے (جس کی صفات خلق میں کوئی شریک نہیں) وہ کامل اقتدار کا مالک ہے " ۔

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے فیصلہ فرما دیا کہ بعض لوگوں نے جن ہستیوں کو

اللہ کا شریک قرار دیدیا ہے وہ ہرگز کوئی چیز پیدا نہیں کر سکتے کیونکہ اگر ایسا ہو تو اللہ کی مخلوق مشتبہ ہو جائے گی اور کچھ امتیاز نہیں کیاجاسکے گا کہ اس میں سے کون سی مخلوق خدا کی پیدا کردہ ہے اور کون سی خدا کے شریکوں کی ۔ اس ارشاد ربانی میں ان ضعیف الاعتقاد لوگوں کے اس ضعیف اور مشرکانہ خیال کی بھی تردید کر دی گئی ہے جو کہتے ہیں کہ اولیاء اور بعض انبیاء نے جو کچھ پیدا کیا ہے وہ خدا کے اذن اور اس کی دی ہوئی طاقت سے پیدا کیا اس لیئے وہ مخلوق بھی خدا کی طرف ہی منسوب ہوگی اللہ تعالیٰ اس بے ہودہ عذر کو قبول نہیں فرماتا اور اس کے ساتھ شریک کی جانے والی ہستیوں کی مبینہ مخلوق کو اپنی طرف منسوب نہیں فرماتا بلکہ جعلوا للہ شرکاء خلقوا کخلقہ کہہ کر اس مبینہ مخلوق کو انہی کی طرف منسوب فرماتا ہے اور پھر فرماتا ہے کہ کہہ دے کہ ہر چیز کا خالق (صرف) اللہ ہے ۔ فرمایا وہ " یکتا " بھی ہے اس صفت میں عارضی طور پر بھی کوئی اس کا شریک نہیں ہو سکتا ۔

پس اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ حضرت مسیحؑ پرندے تخلیق کر کے انھیں زندہ کر دیتے تھے اور پھر وہ اڑنے لگتے تھے تو وہ مخلوق خدا کی نہیں جناب مسیحؑ کی ہوئی ۔ اگر حضرت مسیحؑ آدمی کے بچوں کو سور بنا دیتے تھے تو اس طرح بھی ایک نئی مخلوق پیدا ہو جاتی تھی ، وہ بھی خدا کی نہیں حضرت مسیحؑ کی مخلوق کہلائے گی ۔ اگر حضرت مسیحؑ قبروں میں سے مردوں کو نکال کر کھڑا کر دیتے تھے تو ان کی یہ نئی زندگی خدا کی عطا کردہ نہیں بلکہ جناب مسیحؑ کی عطا کردہ ہوگی اور ان سے جو نسل چلی ہوگی اس کا سلسلہ آج تک جاری ہوگا اس صورت میں خدا کی مخلوق اور حضرت مسیحؑ کی مخلوق آپس میں خلط ملط ہوگئی ، دونوں مشتبہ ہوگئیں جبکہ اللہ تعالیٰ آیت مندرجہ بالا میں صاف طور پر اس کی تردید فرما رہا ہے کہ یہ نہیں ہو سکتا کہ خدا بھی مخلوق پیدا کرے اور خدا کے شریک بھی مخلوق پیدا کریں اور ان کی مخلوق خدا کی مخلوق کے ساتھ مشتبہ ہو جائے ۔

یہ نتیجہ ہے عجائب پرستی اور معجزہ سازی کا ، اسی طرح جس آیت کریمہ میں حضرت مسیحؑ کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ وہ لوگوں کو بتاتے تھے کہ تم نے کیا کھایا اور کیا ذخیرہ کیا وہاں بھی کسی معجزے کا قطعاً " کوئی ذکر نہیں ۔ سیدھی اور صاف بات تھی جس میں نہ کوئی پیچیدگی تھی نہ کوئی عجب تھا ۔

قرآن حکیم کے الفاظ پر پھر غور کیجئے کہ :۔

وَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا تَاْكُلُوْنَ وَمَا تَدَّخِرُوْنَ فِیْ بُیُوْتِكُمْ ط (سورہ ال عمران آیت نمبر ۴۹)

(اور میں تمھیں خبر دوں گا اس کی جو تم کھاؤ گے اور اس کی بھی جو اپنے گھروں میں ذخیرہ کرو گے)

حضرت مسیحؑ فرماتے ہیں کہ اے لوگو ! میں تمھیں اللہ تعالیٰ کی جانب سے عطا کردہ علم کی بنا پر بتاؤں گا کہ تمھیں کیا کھانا چاہیئے اور کیا (کتنا) پس انداز کرنا چاہیئے ، دوسرے الفاظ میں اللہ تعالیٰ نے مجھے شریعت کا جو علم دیا ہے اس میں صرف عبادات ہی نہیں بلکہ بہت سے اور امور بھی شامل ہیں ، جو کتاب و حکمت مجھے سکھائی گی ہے وہ یہ بھی بتاتی ہے کہ کھانے پینے اور پس انداز کرنے کی کچھ حدود ہیں ۔ انسان جانوروں کی طرح بے قید پیدا نہیں کیا گیا ہے کہ جب چاہے اور جہاں چاہے منہ مارتا پھرے بلکہ اسے معاش اور معاشرت دونوں کے اصول و قواعد بھی عطا کیے گئے ہیں اور ان کی پابندی کا حکم دیا گیا ہے ۔ کھانے کے لیئے حلال اور طیب چیزیں جائز قرار دی گئی ہیں اور ان میں سے اتنا ہی پس انداز اور ذخیرہ کرنا چاہیئے جتنا اپنی ذات اور اپنے متعلقین کی ضروریات کے لیئے کافی ۔ باقی چیزیں اور ان کی مقدار مفاد عامہ کے لیئے بازار میں لانی چاہیئے تاکہ معاشرے میں فساد پیدا نہ ہو ۔ ان اصولوں اور ضوابط پر عمل کرنے اور ان کی پابندی کرنے کی بدولت تم فوز و فلاح پاؤ گے ۔ ان چیزوں کو ذخیرہ کرو جو آخرت میں تمھارے کام آسکیں یعنی حسن عمل کی دولت ۔

پس یہ معنی ہیں کھانے اور ذخیرہ کرنے کے ۔۔۔۔ جس کی خبر حضرت مسیحؑ اللہ سے اطلاع پاکر لوگوں کو دیتے تھے ، نہ کہ آپؑ انسان کے بچوں کو جو بے گناہ اور معصوم تھے سور بنا دیتے تھے ۔

مسیحؑ کا معجزہ نمائی سے انکار

آخری بات یہ کہ حضرت مسیحؑ کے مفروضہ معجزات کی یہ کہانیاں جو ان کے بارے میں مشہور ہیں انجیل اور نو مسلم مسیحی علماء کے ذریعے ہم تک پہنچیں لیکن عجیب بات یہ ہے کہ وہی انجیل جو حضرت مسیحؑ کے بارے میں مردوں کو زندہ کرنے اور اندھوں کو بینائی

عطا کرنے کے خلاف واقعہ معجزوں سے بھری ہوئی ہے اسی سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت مسیحؑ نے اس قسم کا کوئی معجزہ نہیں دکھایا جو آپؑ کے مخالفین کے لئے حجت ثابت ہوتا چنانچہ یہودیوں کے علماء اور فقیہوں نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر بہت ادب سے عرض کیا کہ

"اے استاد! ہم تجھ سے ایک نشان دیکھنا چاہتے ہیں"۔

حضرت مسیحؑ اس مودبانہ سوال کا یہ غضبناک جواب دیتے ہیں کہ :۔

"اس زمانے کے برے اور زنا کار لوگ نشان طلب کرتے مگر یوناہ (یوحنا نبیؑ) کے نشان کے سوا کوئی اور نشان ان کو نہیں دیا جائے گا" (۱۹)

کیا یہ عجیب بات نہیں کہ آپؑ کے منکر اپنی تسلی اور ثبوت حق کے لیے عاجزی و انکساری کا اظہار کرتے ہوئے حضرت مسیحؑ کی نبوت و صداقت کا نشان (معجزہ) مانگتے ہیں اور آپؑ ان کی یہ درخواست رد کر دیتے ہیں اور انھیں کوئی نشان نہیں دکھاتے۔ نشان اور معجزہ دکھانے کا مقصد ہی منکروں کو اپنی صداقت کا قائل کرنا ہوتا ہے مگر ایک ایسے موقع پر جب یہودیوں کے اکابر علماء اور فقیہہ معجزہ دیکھ کر لاجواب ہو جاتے، حضرت مسیحؑ نے انھیں کوئی معجزہ نہیں دکھایا حالانکہ مخالفوں پر حجت تمام کرنے کا یہ بہترین موقع تھا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ جس قسم کے معجزے اور نشان حضرت مسیحؑ کے مخالف دیکھنا چاہتے تھے وہ اللہ تعالیٰ کی سنت کے خلاف تھے، اس لیۓ آپؑ ان پر غصبناک ہوئے اور ان کی درخواست رد فرما دی۔

پھر ایک اور موقعے پر جو آپؑ کی زندگی کا سب سے اہم موقع تھا آپؑ نے کوئی معجزہ نہیں دکھایا۔ یہ وقت تھا جب حضرت مسیحؑ کو گرفتار کرکے پیلاطوس کی عدالت میں پیش کیا گیا تھا جب اسے معلوم ہوا کہ آپ مملکت "گلیل" کے باشندے ہیں تو اس نے خود کو اس قضیئے سے محفوظ رکھنے کے لیۓ حضرت مسیحؑ کو "گلیل" کے حاکم ہیرو دیس کے پاس بھیج دیا جو ان دونوں یروشلم میں مقیم تھا۔ انجیل میں لکھا ہے کہ :۔

"ہیرو دیس یسوع کو دیکھ کر بہت خوش ہوا کیونکہ وہ مدت سے اسے دیکھنے کا مشتاق تھا اس لیۓ کہ اس نے اس کا حال سنا تھا اور اس کا کوئی معجزہ دیکھنے کا امیدوار تھا○۔ اور

وہ اس سے بہتیری باتیں پوچھتا رہا مگر اس نے کچھ جواب نہ دیا"۔ (۲۰)

اس روایت میں ہے کہ آخر (مایوس ہو کر) ہیرو دیس نے حضرت مسیحؑ کے ساتھ ہتک آمیز سلوک کیا اور پیلاطوس کے پاس واپس بھیج دیا۔

غور کرنے کا مقام ہے حضرت مسیحؑ حاکم وقت کے سامنے پیش کیۓ جاتے ہیں، وہ آپؑ کا عقیدتمند تھا، آپؑ کی زیارت کا مشتاق تھا، آپؑ کو دیکھ کر خوش ہوتا ہے، آپؑ سے کسی معجزے کا آرزو مند ہوتا ہے۔ اس کے سامنے اپنی برأت ثابت کرنے اور اپنی نبوت و صداقت ظاہر کرنے کا یہ سب سے بہتر موقع ہے، صرف یہی نہیں بلکہ آپؑ کی جان کو جو خطرہ لاحق تھا بلکہ سامنے نظر آرہا تھا وہ بھی معجزہ نمائی سے ٹل سکتا تھا، آپؑ کی جان بچ سکتی تھی مگر پھر بھی آپؑ نے کوئی معجزہ نہیں دکھایا اس سے ثابت ہوتا ہے کہ خارق عادت واقعات، مردوں کو زندہ کرنے، اندھوں کو بینائی عطا کرنے اور چار چار روز سے قبر میں پڑے ہوئے مردوں کو "قم باذن اللہ" کہہ کر کھڑا کر دینے کے جو واقعات آپؑ سے منسوب کیۓ جاتے ہیں اور جن سے انجیل بھری پڑی ہے، یہ سب بعد میں تراشے ہوئے افسانے ہیں جن کا حقائق سے کوئی تعلق نہیں، اس قسم کے معجزات جو سنت الٰہی کے خلاف ہیں، آپؑ نے کبھی نہیں دکھائے۔ اگر ایسا کوئی معجزہ دکھانا آپؑ کے اختیار میں ہوتا تو بادشاہ ہیرودیس کو ضرور دکھاتے اس طرح آپؑ صلیب کے دکھ سے بھی بچ جاتے اور آپؑ کا معجزہ دیکھ کر بادشاہ ہیرو دیس، اس کی فوج کے سردار، گورنر پیلاطوس، رومی حکومت اور یہودیوں کی جماعت غیر معمولی طور پر متاثر ہوتی اور مسیحیت کے غلبے کے سامان اسی وقت پیدا ہو جاتے مگر اس کے باوجود آپؑ نے کوئی معجزہ نہیں دکھایا اگر دکھایا ہوتا تو کم از کم انجیل کے اوراق تو اس کے ذکر سے بھرے ہوتے مگر انجیل اس کا انکار کرتی ہے

اس باب کو ختم کرنے سے قبل ہم پھر وضاحت کر دینا چاہتے ہیں کہ بلاشبہ انبیاۓ کرام نے معجزے دکھائے ان کا انکار صریحاً کفر ہے لیکن معجزات کے سلسلے میں یہ بنیادی بات ہمیشہ ذہن میں رکھنی چاہیے کہ کسی نبی نے کوئی ایسا معجزہ نہیں دکھایا کہ جو سنت اللہ کے خلاف ہو۔ نہ خداوند تعالیٰ نے کسی نبی کو زندگی اور موت پر اختیار و اقتدار عطا فرمایا نہ اس نے اپنی کسی صفت ذاتی میں کسی دوسرے کو شریک کیا، نہ قرآن کریم نے ایسے کسی

معجزے کا ذکر کیا ہے ۔ بعض مفسروں نے اپنی تفسیروں میں اس قسم کے جن معجزات کا ذکر کیا ہے ان کی بنیاد کچھ کمزور روایات ہیں جو ان فاضل مفسروں نے حسن عقیدت کی بنا پر قبول کر لیں ' اس میں ان کی دانستہ غلطی کو ہرگز دخل نہیں ۔ یہ نیک دل لوگ تھے اور بلا شبہ انہوں نے قرآن حکیم کی عظیم خدمت کی لیکن یہ سب انسان تھے ' نبی یا رسول نہ تھے ' نہ ان کے ساتھ وحی کی روشنی تھی اس لیۓ ہم ان کے تمام تر احترام کے باوجود ان کی تفسیروں کے ہر لفظ کے پابند نہیں ہو سکتے ہمارے لیۓ سند اور حجت قرآن حکیم ہے یا احادیث صحیحہ جن کی قرآن حکیم سے تائید ہوتی ہو ۔ اس کے ساتھ ساتھ انہی مفسروں میں ایسے دقیقہ رس حضرات بھی تھے جنھوں نے تفسیر کرتے وقت ہر قسم کی کمزور روایات کو رد کر دیا اور صحیح نتائج نکالے ' انہی کی رہنمائی میں ہم حقیقت تک پہنچنے میں کامیاب ہوتے ہیں۔

حوالہ جات

(1) متی کی انجیل ۔ باب نمبر۲ ۔ آیت (۱ تا ۱۴)

(2) البدایہ و النہایہ الجز الثانی صفحہ ۷۵ مطبوعہ مصر ۱۳۵۱ھ

(3) لوقا کی انجیل ۔ باب نمبر۲ ۔ آیت (۴۱ تا ۴۷)

(4) التفسیر المظہری للعامتہ الاکبر قاضی محمد ثنا اللہ صفحہ نمبر ۲۴۱ مطبوعہ بلوچستان بکڈپو کوئٹہ

(5) التفسیر المظہری (سورہ آل عمران) صفحہ نمبر ۲۴۱

(6) مرقس کی انجیل باب نمبر۹ ۔ آیت (۲۹)

(7) مرقس کی انجیل ۔ باب نمبر۵ آیت نمبر (۷ ' ۱۲ ' ۱۳)

(8) مرقس کی انجیل باب نمبر۶ آیت نمبر (۵ ' ۶)

(9) عہد نامہ قدیم ۔ "احبار" باب نمبر ۱۳ آیت نمبر (۲ تا ۴ ' ۴۶ ؎

(10) عہد نامہ قدیم "احبار" باب نمبر ۲۱ ۔ آیت نمبر (۱۶ تا ۱۸)

(11) الجامع الصحیح سنن ترمذی الجز الخامس صفحہ نمبر ۲۳۰ ' ۲۳۱ مطبع مصطفیٰ البابی ۔ مصر۔

(12) تفسیر القرآن العظیم الامامتہ الجلیل الحافظ عماد الدین ابی الفدا اسماعیل بن کثیر" الجز الثانی صفحہ نمبر ۱۱۷ مطبوع دار الکتب المصریہ ۔

(13) تفسیر القرآن ابن کثیر" الجز الثانی صفحہ نمبر ۱۱۸ مطبوعہ مصر

(14) تفسیر ابن کثیر" الجز الثانی صفحہ نمبر ۱۱۹ مطبوعہ مصر و تفسیر علامہ ابو جعفر محمد ابن جریر طبری"

(15) تفسیر ابن کثیر الجزا لثانی صفحہ نمبر ۱۱۹ مطبوعہ مصر

(16) موضح القرآن سورہ المآئدہ از حضرت شاہ عبدالقادر دہلوی" بحوالہ قصص القرآن جلد چہارم

(17) التفسیر المظہری علامہ قاضی محمد ثنا اللہ ۔ سورہ آل عمران جلد نمبر ۲ صفحہ نمبر ۲۴۳

(18) التفسیر المظہری جلد نمبر ۲ صفحہ نمبر ۲۴۴

(19) متی کی انجیل باب نمبر ۱۲ آیت نمبر (۳۸ ' ۳۹)

(20) لوقا کی انجیل ۔ باب ۲۳ ۔ آیت (۸ تا ۱۱)

علامہ مولانا چراغ علی مرحوم (حیدر آباد دکن)

"جب وہ (حضرت مسیحؑ صلیب سے) اتار کے ایک قبر میں رکھے گئے تو وہ ابھی زندہ مگر غشی میں تھے بعض مخلص مومنین (انہیں) شب کو مقبرے سے نکال کر پوشیدہ لے گئے پھر (کسی وقت) اپنی طبعی موت سے مرگئے اور خدا کے پاس چلے گئے"

(مضامین تہذیب الاخلاق جلد سوم صفحہ ۲۱۲ - ۲۱۱ مطبوعہ مصطفائی پریس لاہور ۱۸۹۶ء)

مسیحؑ کی آمدِ ثانی

معلوم نہیں اللہ تعالیٰ کو مسیح ناصری علیہ السلام کی کون سی ادا پسند آگئی کہ اس نے ان پر اور ان کی امت پر اتنی نعمتیں نازل فرمائیں کہ مسلمانوں کے سوائے دنیا کی شاید ہی کسی قوم پر نازل فرمائی ہوں اور ان کی امت کو اتنا طویل اقتدار و عروج عطا فرمایا کہ اس کی نظیر گزشتہ اقوام میں مشکل ہی سے ملے گی۔ تجارت و صنعت' ایجادات و اختراعات اور سائنسی علوم میں انہیں ایسی صلاحیتوں سے نوازا کہ ماضی کی کوئی قوم اس کا تصور بھی نہ کر سکی ہو گی۔ اس اعزاز و اکرام کے علاوہ انہیں ایک اور عزت دی یعنی حضرت مسیحؑ سے وعدہ فرمایا کہ تیری اس موجودہ بعثت کے بعد ایک بار پھر تجھے دنیا میں بھیجوں گا اور تجھ سے ایک عظیم الشان کام لوں گا۔ یہ دوبارہ بھیجنا ایک اور رنگ میں ہو گا۔ چنانچہ حضرت مسیحؑ حواریوں اور اپنے معتقدین کو اپنی آمد ثانی کی ان الفاظ میں بشارت دیتے ہیں :-

"جیسے بجلی آسمان کی ایک طرف سے کوند کر دوسری طرف
چمکتی ہے ویسے ہی ابن آدم (یعنی مسیح) اپنے دن میں ظاہر ہو گا
لیکن پہلے ضرور ہے کہ وہ بہت دکھ اٹھائے اور اس زمانے کے لوگ
اسے رد کریں۔ (۱)

رسولؐ خدا کی بشارت

یہ تو وہ بشارت تھی جو خود حضرت مسیحؑ نے اپنی دوبارہ آمد کے بارے میں دی تھی۔ حضرت مسیحؑ کو اس سے بھی بڑا اعزاز یہ عطا ہوا کہ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ان کی اس بشارت کی تصدیق فرمائی چنانچہ ارشاد ہوا کہ :-

والذی نفسی بیدہ لیوشکن ان ینزل فیکم ابنِ مریم حکما عدلاً (۲)

یعنی اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے کہ وہ وقت ضرور آئے گا جب تم میں ابن مریم" حکم و عدل کی حیثیت سے اتریں گے' وہ صلیب کو توڑیں گے اور خنزیروں کو قتل کریں گے اور جزیہ کو موقوف کریں گے اور (ان کے زمانے میں) مال کی اتنی کثرت ہو گی کہ اسے قبول کرنے والا کوئی نہیں ملے گا اور (اس زمانے کا) ایک سجدہ دنیا و ما فیھا سے زیادہ قیمتی ہو گا۔

ایک اور موقع پر ارشاد فرمایا کہ :۔

"کَیۡفَ اَنۡتُمۡ اِذَا نَزَلَ فِیۡکُمُ ابۡنُ مَرۡیَمَ فَاَمَّکُمۡ مِنۡکُمۡ" (۳)

یعنی " اس وقت تمھاری کیا کیفیت ہو گی جب تمھارے درمیان ابن مریم" نازل ہوں گے جو تم میں سے تمھارے امام ہوں گے ۔"

یہ صرف دو حدیثیں ہیں جو نمونے کے طور پر پیش کی گئی ہیں ورنہ ایسی احادیث کی تعداد تیس کے قریب ہے ۔ ان کے علاوہ متعدد مفسرین نے جو احادیث بیان کی ہیں اور ان کی تشریحات کی ہیں وہ درجنوں ہیں ۔ ظاہر ہے کہ اتنی احادیث کا جو بیشتر مستند بھی ہیں انکار نہیں کیا جا سکتا کیونکہ یہ صریح بدنیتی اور بے ایمانی ہے' کھلی ہٹ دھرمی ہے کہ ایسی احادیث کا انکار کر دیا جائے جن پر محدثین اور علمائے امت کا چودہ سو سال سے اجماع ہے۔ علاوہ ازیں یہی وہ نظریہ ہے جس پر مسلمانوں کے سارے فرقوں کا اتفاق ہے کہ آخری زمانہ میں ابن مریم" کا نزول ہو گا۔

یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب حضرت مسیح" ابن مریم" فوت ہو گئے تو وہ نازل کیسے ہوں گے ؟ آسمان سے تو وہی شخص اتر سکتا ہے جو آسمان پر گیا ہو' جو شخص آسمان پر گیا ہی نہیں وہ آسمان سے اترے گا کیسے ؟ بلاشبہ بظاہر یہ بہت بڑا تضاد ہے لیکن حقیقت میں تضاد نہیں ۔ اس مسئلے کے دو پہلو ہیں ۔ (۱) لفظ نزول کے معنی (۲) ابن مریم" کا مفہوم ۔ دونوں پہلوؤں پر غور کرنے کے بعد اصل حقائق پوری طرح ظاہر ہو جائیں گے ۔

نزول کے معنی ؟

لفظ نزول کے معنی بلاشبہ اترنا ہیں اور آسمان سے اترنا بھی ہیں لیکن ہر جگہ آسمان

سے اترنا مراد نہیں ۔ ہماری زبان میں اس لفظ کا استعمال عام ہے مثلاً" کہتے ہیں کہ " قافلہ اترا ہے ۔ " اس سے مراد یہ تو نہیں ہو گی کہ قافلہ آسمان سے اترا ہے' نہ قافلے آسمان سے اترا کرتے ہیں ۔ قافلے ایک شہر سے دوسرے شہر کی طرف سفر کرتے ہیں' گویا ایک منزل سے دوسری منزل پر پہنچنے کے لئے " اترنا " کا لفظ استعمال ہوتا ہے ۔ اس لفظ کو یوں بھی استعمال کرتے ہیں کہ " بچہ پیدا ہوتے ہی ماں کے پستانوں میں دودھ اتر آتا ہے ۔ " ظاہر ہے دودھ پستانوں میں آسمان سے تو نہیں اترتا ۔ اس لفظ کا استعمال ایک اور موقعے پر بھی کرتے ہیں' وہ یوں کہ " مسافر اتر گئے " یا " مسافر اتر رہے ہیں " ۔ مسافر آسمان سے تو نہیں اترتے' بس سے اترتے ہیں' کشتی سے اترتے ہیں' ٹرین کے ڈبوں سے اترتے ہیں یا کسی دوسری سواری سے ۔ دراصل نزول یا اترنے کے معنی ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہونے کے ہیں یا بھیجنے کے ہیں' پیدا کرنے کے بھی ہیں ۔ قرآن حکیم میں بھی یہ لفظ یعنی " نزول " استعمال ہو رہے ہیں' اس کی صرف تین مثالیں :۔

یٰبَنِیۡۤ اٰدَمَ قَدۡ اَنۡزَلۡنَا عَلَیۡکُمۡ لِبَاسًا (سورہ الاعرف آیت نمبر ۲۶)

(اے آدم کے بیٹو ! ہم نے تمھارے لئے لباس نازل کیا ہے)

وَ اَنۡزَلۡنَا الۡحَدِیۡدَ فِیۡہِ بَاۡسٌ شَدِیۡدٌ وَّ مَنَافِعُ لِلنَّاسِ (سورہ الحدید آیت نمبر ۲۶)

(اور ہم نے لوہا نازل کیا ہے جس میں شدت جنگ کا سامان ہے اور اس کے علاوہ بھی لوگوں کے لئے بہت سے فوائد ہیں ؟

و انزل لکم من الانعلم تنبہ ازواج (سورہ الزمر آیت نمبر ۶)

(اور اس نے تمھارے لئے چارپایوں میں سے آٹھ جوڑے نازل کئے)

یہ تین مثالیں ہیں ان میں لباس' لوہا اور چارپائے ان تینوں کے بارے میں فرمایا ہے کہ ہم نے " نازل کیا " حالانکہ معمولی عقل کا آدمی بھی جانتا ہے کہ نہ لباس آسمان سے اترتا ہے' نہ لوہا آسمان سے اترتا ہے اور نہ گائیں' بھینسیں' بھیڑیں اور بکریاں آسمان سے نازل ہوتی ہیں یہ سب چیزیں اسی زمین میں سے پیدا ہوتی ہیں مگر اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے " انزل " کا لفظ استعمال فرمایا ہے کہ " ہم نے یہ چیزیں نازل کیں ۔ اور دنیا کی جو سب سے بڑی نعمت اس نے اپنے بندوں کو عطا فرمائی اس کے بارے میں بھی " انزل " کا لفظ استعمال

فرمایا یعنی رسول اقدس صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا وجود مسعود۔ چنانچہ ارشاد ہوا کہ:-

قَدْ اَنْزَلَ اللّٰہُ اِلَیْکُمْ ذِکْرًا ۔ رَّسُوْلًا یَّتْلُوْا عَلَیْکُمْ اٰیٰتِ اللّٰہِ (سورہ الطارق آیت نمبر۹)

(اللہ نے تم پر ایک ایسا بزرگ رسول نازل کیا ہے جو تمہارے سامنے اللہ کی آیات کی تلاوت کرتا ہے)

یہاں حضورؐ اقدس کے بارے میں "انزل" کا لفظ استعمال کیا گیا ہے حالانکہ سب جانتے ہیں کہ حضورؐ آسمان سے نازل نہیں ہوئے بلکہ ایک مقدس خاتون حضرت آمنہؓ کے بطن مبارک سے پیدا ہوئے۔

پس معلوم ہوا کہ جن امور میں ارادہء الٰہی کا خاص دخل ہوتا ہے وہاں "انزل" کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے اس سے حقیقتہً آسمان سے نازل کرنا مراد نہیں ہوتا۔ اس آخری آیت نے تو اس نزاع کا ہمیشہ کے لئے فیصلہ کر دیا کہ نزول کے معنی پیدا کرنے اور بھیجے کے بھی ہوتے ہیں اور انبیاء کے لئے اس لفظ کا استعمال صرف اور صرف ایک ہی معنی میں محدود ہے کہ دنیا میں بھیجنا اور مبعوث کرنا نہ کہ آسمان سے نازل کرنا۔

ابن مریم کا مفہوم؟

اس مسئلے کا دوسرا پہلو "ابن مریمؑ" کا اصل مفہوم ہے۔ بلاشبہ ابن مریم "حضرت مسیحؑ ناصری ہی کو کہتے ہیں جو ایک کنواری کے بطن سے بغیر باپ کے پیدا کئے گئے لیکن "عیسٰیؑ" "ابن مریمؑ" اور "مسیحؑ" یہ الفاظ مجاز کے طور پر بھی استعمال ہوتے ہیں اور ان سے مراد وہ مسیحؑ نہیں ہوتا جو حضرت مریمؑ کے بطن سے پیدا ہوا تھا بلکہ وہ شخصیتیں مراد لی جاتی ہیں جن میں مسیحی صفات پائی جاتی ہوں مثلاً غالب کا مشہور شعر ہے۔

ابن مریم ہوا کرے کوئی میرے دکھ کی دوا کرے کوئی

یہاں ابن مریم سے مراد حضرت مسیح علیہ السلام نہیں بلکہ وہ شخص مراد ہے جس میں صفت مسیحائی پائی جاتی ہو۔ اسی طرح "دم عیسٰیؑ" سے حقیقت میں دم عیسٰیؑ مراد نہیں غالب ہی کا شعر ہے:-

مر گیا صدمۂ یک جنبشِ لب سے غالب ناتوانی سے حریفِ دمِ عیسٰی نہ ہوا

معمولی عقل و فہم کا شخص بھی جانتا ہے کہ یہاں "دم عیسٰیؑ" سے حضرت عیسٰیؑ کی

سانس مراد نہیں بلکہ وہ شخص جو حضرت مسیحؑ کی طرح عیسٰی نفس ہو۔ جس طرح حضرت مسیحؑ کے نفس قدسیہ سے روحانی مردوں میں جان پڑ جاتی تھی اسی طرح جس شخص کے دم (سانس) سے کوئی ایسا معجزہ رونما ہو جائے جس سے کسی شخص میں نئی زندگی پیدا ہو جائے تو اس کے لئے "دم عیسٰیؑ" کی ترکیب استعمال کی جاتی ہے۔

پس اسی طرح جہاں جہاں احادیث میں ابن مریمؑ، "مسیحؑ" یا عیسٰیؑ" کی دوبارہ آمد کا ذکر ہے وہاں مراد وہ عیسٰیؑ نہیں، جو حضرت مریمؑ کے بطن سے پیدا ہوئے تھے کیونکہ وہ تو قرآنِ حکیم کی رو سے فوت ہو گئے اور جو شخص فوت ہو جائے وہ دوبارہ زندہ نہیں ہوتا اور نہ دنیا میں واپس آتا ہے جیسا کہ اللہ تعالٰی قرآن حکیم میں فرما چکا ہے کہ:-

فَیُمْسِکُ الَّتِیْ قَضٰی عَلَیْہَا الْمَوْتَ (سورہ الزمر آیت نمبر۴۲)

یعنی جس کی موت کے بارے میں فیصلہ کر لیا جاتا ہے اس کی روح دنیا میں دوبارہ واپس نہیں آتی، اسے روک لیا جاتا ہے)

اس لئے جب حضرت مسیحؑ فوت ہو گئے تو اب وہ دوبارہ واپس نہیں آ سکتے۔ دوسری طرف رسولؐ اقدس بار بار بڑی تحدی سے فرماتے ہیں کہ ابن مریمؑ تم میں آئیں گے اور تمہارے معاملات دینی کے بارے میں فیصلے کریں گے۔ بظاہر ان دونوں باتوں میں تضاد نظر آتا ہے لیکن حقیقت میں کوئی تضاد نہیں کیونکہ خود حضورؐ اقدس نے تضاد کے اس خیال کو دور فرما دیا، وہ اس طرح کہ آپؐ نے ابن مریم نام کی شخصیتوں کا ذکر فرمایا۔ ایک کو حضورؐ اقدس نے معراج کی شب ملاء اعلیٰ میں دیکھا اور دوسری کو خواب میں کعبتہ اللہ کا طواف کرتے مشاہدہ فرمایا۔ آپؐ نے دونوں کا حلیہ بھی بیان فرمایا دیا جو ایک دوسرے سے مختلف ہے تاکہ امت کو دھوکا نہ لگے، کسی غلط فہمی کا شکار نہ ہو جائے بلکہ سمجھ لے کہ دونوں الگ الگ شخصیتیں ہیں، ایک وہ ابن مریمؑ جو کنواری کے بطن سے بغیر باپ کے پیدا ہوئے تھے اور فوت ہو کر اپنے رب کریم کے حضور ملاء اعلیٰ میں پہنچ گئے۔ دوسرے وہ ابن مریمؑ جو ایک اور رنگ میں مبعوث ہوں گے۔ پہلا مسیحؑ بھی ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا تھا دوسرا مسیحؑ بھی ماں کے پیٹ سے پیدا ہو گا نہ پہلا مسیحؑ آسمان سے اترا نہ دوسرا مسیحؑ آسمان سے اترے گا۔ پہلا مسیحؑ اس لئے بغیر باپ کے پیدا کیا گیا تھا کہ اس کی

قوم (بنی اسرائیل) اتنی بدکار، بدکردار اور ارذل ہو چکی تھی کہ اللہ تعالیٰ نہیں چاہتا تھا کہ اس میں سے کسی کے نطفے سے اپنا خلیفہ پیدا کرے اور اس قوم کا کوئی فرد اس مسیح کا باپ کہلائے اللہ تعالیٰ بنی اسرائیل کو اس شرف سے محروم کر دینا چاہتا تھا مگر امت محمدیہ کو رسول اقدس صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے صدقے اس شرف سے محروم نہیں کیا گیا اور خدا کا فیصلہ تھا کہ اب ابن مریم اپنی دوسری بعثت میں امت محمدیہ میں سے پیدا کیا جائے گا اس لئے حضور نے فرمایا کہ "فا کم منکم" (جو تم میں سے تمہارا امام ہو گا) کہیں باہر سے نہیں آئے گا، آسمان سے نازل نہیں ہو گا۔

دو مسیح

اب ہم ذیل میں حضور اقدس کے وہ مکاشفات درج کرتے ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ نے ابن مریم نام کی دو مختلف شخصیتوں کا ذکر فرمایا اور دونوں کو ایک دوسرے سے مختلف صورتوں میں دیکھا اور امت کو دکھایا چنانچہ حضور شب معراج کے واقعات بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ :۔

"رأیتُ عیسٰی وموسٰی وابراھیم فاما عیسٰی فاحمرُ جعدٌ عریضُ الصدر" (۴)

(یعنی میں نے دیکھا عیسیٰ کو موسیٰ کو اور ابراہیم کو پس عیسیٰ کا رنگ سرخ تھا، بال گھنگریالے اور سینہ چوڑا تھا)

دوسری بار حضور اقدس ایک اور ابن مریم کو دیکھتے ہیں اور اس کا حلیہ یہ بیان کرتے ہیں :۔

واُرانی اللیلۃ عند الکعبۃ فی المنام فاذا رجلٌ آدم کاحسن ما یُری من اُدم الرجال تضرب لمّتہ بین منکبیہ رجل الشعر یقطر رأسہ ماء واضعا یدیہ علی منکبی رجلین وھو یطوف بالبیت فقلت من ھذا فقالوا ھذا المسیح ابن مریم (۵)

(اور میں نے رات کو (جبکہ میں) کعبہ کے قریب تھا خواب میں ایک شخص کو دیکھا جو نہایت خوبصورت گندم گوں تھا جس کے بال سیدھے تھے اور شانوں تک لٹک رہے تھے (اس کے) سر سے پانی کے قطرے ٹپک رہے تھے اور وہ دو مردوں کے کاندھوں پر ہاتھ رکھے کعبہ کا طواف کر رہا تھا۔ میں نے پوچھا یہ کون ہے بتایا گیا کہ یہ مسیح ابن مریم ہیں)

اب ان دونوں احادیث صحیحہ پر غور کیجئے۔ حضور ابن مریم نام کی ایک شخصیت کو شب معراج میں دیکھتے ہیں ان کا حلیہ یہ بیان فرماتے ہیں :۔

"رنگ سرخ، بال گھنگریالے، سینہ چوڑا"

دوسرے ابن مریم کو خواب میں دیکھتے ہیں انکا حلیہ یہ بیان فرماتے ہیں :۔

"رنگ گندمی، بال سیدھے، سر سے پانی کی قطرے ٹپکتے ہوئے۔"

کیا ابن مریم نام کی ان دونوں شخصیتوں میں کوئی معمولی سی مشارکت اور مشابہت ہے؟ پھر دونوں کو دو الگ الگ مقامات پر دیکھتے ہیں۔ ایک ابن مریم کو شب معراج کے موقع پر ملاء اعلیٰ میں اور دوسرے کو خواب میں اسی زمین پر۔ جس ابن مریم کو آپ نے شب معراج میں دیکھا اسے عیسیٰ ابن مریم کے نام سے موسوم کیا اور جسے عالم خواب میں اسی زمین پر خانہ کعبہ کا طواف کرتے دیکھا اسے مسیح ابن مریم کے نام سے موسوم کیا۔

گویا حلیے حتیٰ کہ نام تک الگ الگ اور ایک دوسرے سے بالکل مختلف بیان فرمائے۔ اس میں یہی بھید تھا کہ ایک ابن مریم فوت ہو گیا جو فوت شدہ انبیاء کی ساتھ ملاء اعلیٰ میں موجود تھا اس کا رنگ سرخ، بال گھنگریالے تھے اور اس کا نام عیسیٰ ابن مریم تھا دوسرا ابن مریم جو امت محمدیہ میں مبعوث ہو گا اس کا رنگ گندمی تھا بال سیدھے تھے اور سر سے پانی کے قطرے ٹپک رہے تھے اس کا نام مسیح ابن مریم ہے۔ یہ دوسرا مسیح کعبۃ اللہ کا طواف کر رہا تھا جو اس حقیقت کی طرف اشارہ تھا کہ یہ اسرائیلی نبی نہیں ہو گا، انجیل والا نبی نہیں ہو گا بلکہ یہ دوسرا مسیح امت محمدیہ میں پیدا ہو گا جس کا مرکز اور قبلہ، کعبۃ اللہ ہو گا، اس کا مقصد و محور دین اسلام کی تبلیغ و اشاعت ہو گا۔ سر سے پانی کے قطرے ٹپکنا اس طرف اشارہ ہے کہ وہ صاحب الہام ہو گا اور خدا تعالیٰ سے خبر پا کر دین اور روحانیت کے موتی بکھیرے گا۔ اس کے ذریعے سے فیض روحانی جاری ہو گا۔

معراج کی حدیث مختلف طریقوں سے بیان کی گئی ہے اور مختلف بلکہ متعدد کتابوں میں درج ہے مگر اس واقعے اور ان حدیثوں کے تمام راویوں میں ایک بات قدر مشترک کی حیثیت رکھتی ہے کہ حضور اقدس نے جن انبیائے کرام سے ملاقات فرمائی وہ سب فوت شدہ نبی تھے اور اپنا مادی جسم اور گوشت پوست کا بدن اسی زمین پر چھوڑ کر عالم ثانی میں

گئے۔

حضرت علی ہجویریؒ کی شہادت

چنانچہ برصغیر پاک و ہند کے ممتاز روحانی پیشوا، قطب وقت حضرت علی ہجویریؒ جو اپنی صدی کے مجدد بھی تھے فرماتے ہیں:۔

"پیغامبر گفت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اندر شب معراج آدم و یوسف و موسیٰ و ہارون و عیسیٰ و ابراہیم را صلوٰت علی بنتیا و علیھم اجمعین اندر آسماں دیدم، لامحالہ آں ارواح ایشاں بود (۶)"

(یعنی پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ آپؐ نے شب معراج میں آسمان پر آدم، یوسف، موسیٰ، ہارون، عیسیٰ اور ابراہیم کو دیکھا تو لامحالہ وہ ان کی ارواح مبارکہ تھیں۔)

اگر حضرت مسیحؑ ابن مریمؑ اپنے مادی جسم کے ساتھ آسمان پر اٹھائے گئے تو معراج کی شب حضورؐ انور کی ان سے ملاقات بھی ان کے مادی جسم کے ساتھ ہونی چاہئے تھی مگر عالم اسلام کے جلیل القدر عالم اور قطب وقت حضرت علی ہجویری رحمتہ اللہ علیہ اس کی تردید کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ حضورؐ انور نے جن انبیائے کرام سے شب معراج میں ملاقات فرمائی ان سب کی ارواح سے یہ ملاقات ہوئی۔ حضرت علی ہجویریؒ نے ان انبیائے کرام میں حضرت مسیحؑ ابن مریمؑ کو بھی شامل کیا ہے۔ سوال یہ ہے کہ اگر حضرت مسیحؑ مع جسم عنصری آسمان پر اٹھائے گئے تو معراج کی شب ان کا جسم کہاں گیا؟ کیا وہ بے جان اور بے روح رہ گیا تھا؟ اگر بے روح رہ گیا تھا تو گویا مردہ جسم تھا اور یہ اللہ تعالیٰ کا قانون ہے کہ جب وہ کسی جسم میں سے روح نکال لے تو دوبارہ اس میں واپس نہیں بھیجتا۔

اور اگر تھوڑی دیر کے لئے یہ فرض بھی کر لیا جائے کہ حضورؐ اقدس نے جناب مسیحؑ سے ان کے مادی جسم کے ساتھ ملاقات فرمائی تو یہ تاریخ عالم کا سب سے عجیب واقعہ تھا کہ ایک نبی (حضرت مسیحؑ) اپنے گوشت پوست کے جسم کے ساتھ ملاء اعلیٰ میں موجود تھا جبکہ باقی تمام انبیاء گوشت پوست کا جسم اسی زمین پر چھوڑ کر اس جہان فانی سے گئے مگر حضورؐ اقدس نے معراج کا واقعہ بیان کرتے ہوئے دنیا کے اس عجیب تر واقعے کا کہیں ذکر

نہیں فرمایا کہ "حضرت آدمؑ سے لے کر حضرت یحیٰؑ تک جتنے انبیاء سے میری ملاقات ہوئی وہ سب تو اپنے روحانی جسم کے ساتھ مجھے ملے مگر ایک نبی (مسیحؑ ابن مریمؑ) ایسا بھی تھا جسے میں نے گوشت پوست کے جسم کی ساتھ عالم ثانی میں دیکھا۔"

پس اس واقعے کا بیان نہ کرنا ثابت کرتا ہے کہ حضورؐ اقدس کی ملاقات جس مسیحؑ ابن مریمؑ سے ہوئی وہ فوت ہو چکا ہے، اپنا مادی جسم اسی زمین پر چھوڑ گیا ہے، حضور کی ملاقات اس سے بھی دوسرے انبیاء کی طرح اس روحانی جسم کی ساتھ ہوئی جو اللہ تعالیٰ نے عالم ثانی میں اپنے تمام انبیاء کو عطا فرمایا۔

گویا رسول اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوری وضاحت سے مسیحؑ ابن مریمؑ نام کی دو شخصیتوں کا تعارف کروا دیا۔ ایک وہ عیسیٰؑ جو مقدس مریمؑ کا بیٹا تھا اور فوت ہو کر عالم ثانی میں چلا گیا دوسرا وہ جو مسیح کے نام سے امت محمدیہ میں مبعوث ہو گا جس کا اسرائیلی مسیحؑ سے کچھ تعلق نہ ہو گا بلکہ وہ محمدی مسیح ہو گا "فا کم منکم" میں اسی طرف اشارہ ہے کہ وہ تم میں سے تمہارا امام ہو گا لیکن افسوس کہ چونکہ ہمارے بعض مفسرین سے نادانستہ طور پر ابتدا میں ایک غلطی سرزد ہو گئی تھی اس لئے اسے نبھانے کی خاطر اور کئی غلطیاں سرزد ہو گئیں۔ اس طرح اس فطری اور مطابق عقل واقعے کو عجیب و غریب روایات سے چیستاں بنا دیا گیا، صرف ایک روایت پیش کی جاتی ہے جو ہمارے دور کے ایک ممتاز عالم دین نے بیان فرمائی ہے، ملاحظہ فرمایئے:۔

آمد مسیحؑ کا منظر نامہ

"مسلمانوں اور عیسائیوں کے درمیان سخت معرکہء جنگ برپا ہو گا اور مسلمانوں کی قیادت و امامت سلالہء رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں سے ایک ایسے شخص کے ہاتھ میں ہو گی جس کا لقب "مہدی" ہو گا۔ اس معرکہ آرائی کے درمیان ہی میں مسیح ضلالت "دجال" کا خروج ہو گا۔ یہ نسلاً یہودی اور یک چشم ہو گا، کرشمہء قدرت نے اس کی پیشانی پر (ک، ا، ف، ر) "کافر" لکھ دیا ہو گا جس کو اہل ایمان فراست ایمانی سے پڑھ سکیں گے اور اس کے دجل و فریب سے جدا رہیں گے۔ یہ اول خدائی کا دعویٰ کرے گا اور شعبدہ بازوں کی طرح شعبدے دکھا کر لوگوں کو اپنی جانب توجہ دلائے گا مگر اس سلسلے کو

کامیاب نہ دیکھ کر کچھ عرصے کی بعد مسیح ہدایت ہونے کا مدعی ہو گا - یہ دیکھ کر یہود بہ کثرت بلکہ قومی حیثیت سے اس کے پیرو ہو جائیں گے اور یہ اس لئے ہو گا کہ یہود مسیح ہدایت کا انکار کر کے ان کے قتل کا ادعا کر چکے ہیں اور مسیح ہدایت کی آمد کے آج تک منتظر ہیں - اسی حالت میں ایک روز دمشق (شام) کی مسجد جامع میں مسلمان منہ اندھیرے نماز کے لئے جمع ہوں گے ' نماز کے لئے اقامت ہو رہی ہو گی اور مہدی موعود امامت کے لئے مصلے پر پہنچ چکے ہوں گے کہ اچانک ایک آواز سب کو اپنی جانب متوجہ کرے گی ' مسلمان آنکھ اٹھا کر دیکھیں گے تو سپید بادل چھایا ہوا نظر آئے گا اور تھوڑے عرصے میں یہ مشاہدہ ہو گا کہ عیسیٰ (علیہ السلام) دو زرد حسین چادروں میں لپٹے ہوئے اور فرشتوں کے بازوؤں پر سہارا لئے ہوئے ملاء اعلیٰ سے اتر رہے ہیں - فرشتے ان کو منارہ شرقی پر اتار دیں گے اور واپس چلے جائیں گے - اب حضرت عیسیٰؑ کا تعلق کائنات ارضی کے ساتھ دوبارہ وابستہ ہو جائے گا اور وہ عام قانون فطرت کے مطابق صحن مسجد میں اترنے کے لئے سیڑھی کے طالب ہوں گے ' فوراً تعمیل ہو گی اور وہ مسلمانوں کے ساتھ نماز کی صفوں میں آ کھڑے ہوں گے - مسلمانوں کا امام (مہدی موعود) ازراہ تعظیم پیچھے ہٹ کر حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) سے امامت کی درخواست کرے گا آپ فرمائیں گے کہ اقامت تمہارے لئے کہی گئی ہے اس لئے تم ہی نماز پڑھاؤ ' فراغت نماز کے بعد اب مسلمانوں کی امامت حضرت مسیح (علیہ السلام) کے ہاتھوں میں آ جائے گی اور وہ حربہ لے کر مسیح ضلالت (دجال) کے قتل کے لئے روانہ ہوں جائیں گے اور شہرپناہ کے باہر اس کو باب لد پر مقابل پائیں گے ' دجال سمجھ جائے گا کہ اس کے دجل اور زندگی کے خاتمے کا وقت آ پہنچا اس لئے خوف کی وجہ سے رانگ کی طرح پگھلنے لگے گا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام آگے بڑھ کر اس کو قتل کر دیں گے اور پھر جو یہود دجال کی رفاقت میں قتل سے بچ جائیں گے وہ اور عیسائی سب اسلام قبول کر لیں گے اور مسیح ہدایت کی سچی پیروی کے لئے مسلمانوں کے شانہ بشانہ کھڑے نظر آئیں گے اس کا اثر مشرک جماعتوں پر بھی پڑے گا اور اس طرح اس زمانے میں اسلام کے ماسوا کوئی مذہب باقی نہیں رہے گا -" (۶ - الف)

یہ روایت یہاں ختم نہیں ہو جاتی ابھی سلسلہء بیان جاری ہے - ہم نے اس کا وہی

حصہ درج کیا ہے جو ہمارے موضوع سے تعلق رکھتا ہے - اس روایت پر جتنا بھی غور کیا جائے حیرت و استعجاب میں اسی قدر اضافہ ہوتا جاتا ہے - ظاہر ہے اس میں صاحب کتاب (حضرت مولانا حفظ الرحمٰن) کا کوئی قصور نہیں ان کے سامنے جو روایات تھیں انہوں نے انہی پر انحصار کیا لیکن چونکہ موصوف پہلے سے ایک نظریہ قائم فرما چکے تھے اس لئے انہوں نے اس روایت پر ناقدانہ نظر ڈالنے کی زحمت نہیں فرمائی - عاشقان اسلام کے لئے اس روایت میں خواہ کتنا ہی سحر اور سامان دل بستگی کیوں نہ ہو - اگر اس سے ظاہری معنی و مفہوم مراد لئے جائیں تو یہ ساری روایت از روئے عقل اور ازروئے قرآن بے سروپا اور ناقابل قبول ہے اور اسی قبیل کی اور بھی بہت سی روایات کا مجموعہ ہے - جنھیں فاضل مولف نے یکجا کر دیا - اب اس روایت کا تجزیہ کیجئے - ایک طرف تو کہا جاتا ہے کہ حضورؐ کا ارشاد مبارک ہے کہ آنے والا مسیحؑ خود امام نہیں ہو گا بلکہ " تمہارا (مسلمانوں کا) امام تم میں سے ہو گا " اور مسیحؑ اس کی زیر قیادت اپنے فرائض ادا کرے گا دوسری طرف اس روایت میں کہا گیا ہے کہ :-

" مسلمانوں کی امامت حضرت مسیح (علیہ السلام) کے ہاتھوں میں آ جائے گی -"

گویا امام مہدی معزول کر دیئے جائیں گے ' ان سے امارت واپس لے لی جائے گی اور قیادت و امامت حضرت مسیحؑ کے سپرد کر دی جائے گی - اس صورت میں حضورؐ کے ارشاد کی مطابق " تمہارا امام تم میں سے " نہ رہا بلکہ باہر سے آگیا یعنی اسرائیلی مسیح امت محمدیہ کی امامت و قیادت کرے گا اور امام مہدی ان کے ماتحت کر دیئے جائیں گے اس تناقص اور تضاد کو کیسے دور کیا جائے گا؟

مسیحؑ ہی امام ہوں گے

اس تناقص اور تضاد کو دور کرنے کے لئے ہمیں دور جانے کی ضرورت نہیں یہ تناقص اور تضاد خود ہمارے بعض مفسرین کا پیدا کردہ ہے ورنہ حقیقت میں کوئی تضاد موجود ہی نہیں اور جناب رسالت مآبؐ نے خود اس کا فیصلہ فرما دیا چنانچہ حضورؐ کا ارشاد ہے :-

"كَيْفَ أَنْتُمْ إِذَا نَزَلَ فِيكُمُ ابْنُ مَرْيَمَ فَأَمَّكُمْ مِنْكُمْ" (۷)

(یعنی اس وقت تمہارا کیا حال ہو گا جب تم میں ابن مریمؑ نازل ہوں گے جو تم میں

سے تمہارے امام ہوں گے)

اس ارشاد رسولؐ کی رو سے امت محمدیہ کا امام ہی اس کا مسیح ہو گا جو امت محمدیہ میں پیدا ہو گا کہیں باہر سے نہیں آئے گا۔ وہی امام ہو گا وہی مسیح ہو گا۔ عقلاً بھی بیک وقت دو امام اور دو خلیفہ نہیں ہو سکتے ورنہ بڑا فساد پیدا ہو گا اور دونوں کی صفوں میں شیطان صفت لوگ داخل ہو کر ایک گروہ کو دوسرے گروہ کے خلاف ورغلانے اور آمادہء فساد کرنے کی کوشش کریں گے اس لئے حضورؐ اقدس نے قبل از وقت فیصلہ فرما دیا کہ امت محمدیہ میں بیک وقت ایک ہی شخص مسیح اور امام (مہدی) ہو گا یہ نہیں ہو سکتا کہ ایک صاحب امام یا مجدد ہونے کا دعویٰ کریں؛ دوسرے صاحب مسیح یا خلیفہء رسولؐ ہونے کے مدعی ہوں کچھ لوگ ایک کی پیروی اختیار کریں، کچھ دوسرے کی۔ خود ان دو مدعیوں کے لئے سخت مشکل پیش آئے گی کہ کون کس کی اطاعت کرے؟ جو بھی دوسرے کی اطاعت کرے گا وہ اپنے پہلے مرتبے سے گر جائے گا اور معزول ہو جائے گا۔ غور کرنے کا مقام ہے کہ مسیحؑ تو مبعوث ہی اس لئے ہو گا کہ دین کے بارے میں جو اختلافات اور تنازعات پیدا ہو چکے ہیں انہیں ختم کرے نہ کہ اس وجہ سے ایک نیا فتنہ پیدا ہو۔ پس اس کی ایک ہی صورت ہے کہ امت میں ایک ہی شخص مبعوث کیا جائے وہی رشد و ہدایت کا فریضہ انجام دے۔ حضورؐ اقدس اسی کو مسیح قرار دے چکے ہیں اور اسی کو امام کے مرتبے پر فائز فرما چکے ہیں۔ حضورؐ کے اس فیصلے کو تبدیل کرنا مومن کا کام نہیں ہو سکتا۔

سوروں کا قتل عام؟

جس طرح مسیحؑ، اور امام مہدی کے مقام کے تعین میں ہمارے بعض مفسرین سے فکری لغزش ہو گئی اسی طرح جناب مسیحؑ کے تبلیغی مشن کی تفاصیل بیان کرتے ہوئے بھی ان حضرات سے بعض غلطیاں سرزد ہوئیں چنانچہ امام بخاریؒ کی ایک روایت میں ہے کہ **فیکسر الصلیب و یقتل الخنزیر۔** " اس کے معنی یہ کئے گئے کہ جناب مسیحؑ دنیا میں تشریف لانے کے بعد دو بہت "اہم" کارنامے سرانجام دیں گے۔ پہلا یہ کہ دنیا میں جتنے سور پائے جاتے ہیں ان سب کا قتل عام فرمائیں گے، دوسرا یہ کہ جتنی صلیبیں گرجا گھروں پر نصب ہیں یا پادری صاحبان اپنے گلے میں آویزاں کئے رہتے ہیں آپؑ ان سب کو توڑ

دیں گے۔ اگر حقیقت اسی طرح ہے تو جناب مسیحؑ پہلا کارنامہ بھی سرانجام نہیں دے پائیں گے کہ قیامت قائم ہو جائے گی گویا وہ دین کی کوئی خدمت نہیں کر سکیں گے کیونکہ اس وسیع و عریض دنیا میں، اس کرہء ارض پر اتنے جنگلات ہیں اور اس قدر دشوار گزار راستے ہیں کہ انہیں طے کر کے ایک ایک سور تک پہنچنا ان کے لئے ناممکن ہو گا اور نہ وہ سارے سور مار سکیں گے۔ صرف ایشیا یا افریقہ کے جنگلات طے کرنے کے لئے برسیں درکار ہوں گی جبکہ حضرت امام مسلمؒ کی روایت کے مطابق وہ اپنی آمد ثانی کے بعد صرف سات سال دنیا میں گزاریں گے چنانچہ حدیث میں ہے کہ:-

> "عروہ بن مسعود سے روایت ہے کہ رسولؐ خدا نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ عیسیٰ بن مریمؑ کو مبعوث فرمائے گا وہ عروہ بن مسعود سے مشابہ ہوں گے، دجال کو قتل کریں گے اور لوگوں (دنیا) میں سات سال قیام کریں گے۔ اصل عربی الفاظ یہ ہیں
>
> یمکث الناس سبع سنین (۸)

ظاہر ہے کہ سات سال کی قلیل مدت تو افریقہ کے جنگلات طے کر کے ایک ایک سور کو مارنے کے لئے بھی ناکافی ہو گی جبکہ سارا یورپ اور امریکہ تو سوروں سے بھرا پڑا ہے پھر یہ کہ اگر سوروں کو مارنا ہی تھا تو اللہ تعالیٰ کو انہیں پیدا کرنے کی ضرورت ہی کیا تھی۔ اس سے بھی زیادہ غور طلب بات یہ ہے کہ کیا خدا کے ایک مقدس نبی کے شایان شان ہے کہ وہ تلوار یا بندوق لے کر سوروں کا قتل عام کرتا پھرے؟ خدا کے نبی تو دین کی تبلیغ کرنے اور انسانیت کی فلاح کی غرض سے آتے ہیں ناپاک جانوروں کا شکار کرنے نہیں آتے۔

صلیبوں کی شامت؟

حضرت مسیحؑ کا دوسرا کارنامہ یہ ہو گا کہ وہ صلیبوں کو توڑیں گے۔ سوروں کو مارنے کی طرح یہ دوسرا کام بھی جناب مسیحؑ سے نہیں ہو سکے گا کیونکہ روئے زمین پر کوئی ملک اور اس کا کوئی شہر ایسا نہیں، ایشیا، یورپ، امریکہ، افریقہ اور آسٹریلیا کا کوئی قصبہ ایسا نہیں جہاں گرجا گھر موجود نہ ہوں اور کوئی پادری ایسا نہیں جس کے گلے یا گھر میں صلیب موجود نہ ہو۔ ایک ایک گرجا گھر تک پہنچ کر صلیب کو توڑنا اور ایک ایک پادری کے گھر جا

کر اس سے صلیب حاصل کرنا اور اسے ٹکڑے ٹکڑے کرنا اتنا طویل عمل ہے کہ اس کے
لئے عمر نوح بھی کم ہے ۔ دوسری بات یہ کہ اسلام تو خود غیر مسلموں کی عبادت گاہوں کو
تحفظ فراہم کرتاہے ان پر دست درازی کی اجازت نہیں دیتا ۔ حضرت مسیحؑ جو امتی کی
حیثیت سے تشریف لائیں گے یہ خلاف اسلام کام کیسے کریں گے ۔ حضرت عمرؓ فاروق نے
بیت المقدس کے عیسائیوں کو جو امان نامہ لکھ کر دیا تھا اس میں اس امر کی ضمانت دی تھی
کہ ان کی عبادت گاہوں میں دست اندازی نہیں کی جائے گی حتیٰ کہ صلیب کا جلوس جو
مسیحی حضرات نکالا کرتے تھے اس کے بارے میں بھی سیدنا عمرؓ فاروق نے ضمانت دی تھی کہ
وہ بھی بدستور نکلتا رہے گا ۔ کیا جناب مسیحؑ اسلام کے اس جلیل القدر خلیفہ کا یہ امان نامہ
پرزے پرزے کرڈالیں گے ؟

جناب مسیحؑ کا مقام نزول ؟

جناب مسیحؑ کے نام اور کام کی طرح ان کے نزول کا مقام بھی متنازع ہے کہ وہ کہاں
نزول فرما ہوں گے ؟ کعبتہ اللہ کی چھت پر ؟ دمشق کے مشرقی منارہ پر ؟ مسجد اقصیٰ کے
صحن میں ؟ دمشق کے غار سے ؟ یا منارے کے نیچے سے ؟ یہ کوئی ایسی کہانی نہیں جو ہم نے
اپنے پاس سے گھڑی ہو ۔ مفسرین بلکہ بعض محدثین کی روایات ہیں اور مشہور کتابوں میں
درج ہیں چنانچہ ایک ممتاز عالم دین لکھتے ہیں کہ :۔

" حضرت جابر بن عبداللہ نے روایت کی کہ رسول خدا صلی
اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت کا ایک حصہ حق کی خاطر
جہاد کر رہا ہو گا (یا کرتا رہے گا) کہ طلوع فجر کے وقت عیسیٰ ابن
مریم بیت المقدس میں نازل ہوں گے (۹)

مشہور صحابی حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ جناب مسیح ابن مریم
" باب دمشق کی سفید منارے پر اتریں گے ۔ اصل عربی الفاظ یہ ہیں
ینزل باب دمشق عند المنارۃ البیضا " (۱۰)

ایک اور روایت اس سے بھی مختلف ہے :۔
" قیامت اس وقت تک نہیں آسکتی جب تک عیسیٰ ابن مریمؑ ایک

اونچی چوٹی پر نازل نہ ہو جائیں ۔ اصل عربی الفاظ یہ ہیں " علی ذروۃ
افیق " (۱۱)

چوتھی روایت سب سے مختلف ہے کہ :۔

نواس بن سمعان روایت کرتے ہیں کہ رسولؐ اللہ نے فرمایا
کہ ابن مریم دمشق میں واقع ایک سفید غار کے نیچے سے نکلیں گے
۔ اصل عربی الفاظ یہ ہیں تحت المغارۃ البیضا شرقی دمشق (۱۲)
آگے چل کر تشریح کی گئی ہے کہ مغارہ سے مراد منارہ ہے۔

گویا جناب مسیحؑ کے نزول کے چار مقامات بیان کئے گئے ہیں (۱) بیت المقدس (۲) دمشق کا
سفید منارہ (۳) پہاڑ کی اونچی چوٹی (۴) سفید غار یا سفید مینار کے نیچے سے خروج ؟ غور
طلب بات یہ ہے کہ اگر وہ بیت المقدس میں نزول فرمائیں گے تو باقی تین مقامات پر ان کا
نزول غلط ہے ۔ اگر دمشق کے سفید مینار پر نازل ہوں گے تو بیت المقدس میں نزول غلط
ہے ۔ اگر کسی پہاڑ کی اونچی چوٹی پر ان کا نزول ہو گا تو دمشق کے سفید مینار پر نزول غلط ہے
اور اگر دمشق کے غار میں سے نکلیں گے تو منار پر اترنے کی بات غلط ہے ۔ دمشق کے
مینار پر نازل ہونا تو اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ جناب مسیحؑ کو آسمان پر اٹھا لیا گیا تھا
جہاں سے ان کا نزول ہو گا لیکن غار کے نیچے یا منارہ سفید کے نیچے سے ان کا برآمد ہونا تو
ثابت کرتا ہے کہ آسمان پر نہیں بلکہ انہیں زمین میں چھپا دیا گیا تھا جہاں سے وہ نکلیں گے
۔ کہاں زمین کہاں آسمان ؟ ۔

کوئی سمجھاؤ کہ ہم سمجھائیں کیا

ظاہر ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشادات میں تضاد کا
تصور بھی گناہ کبیرہ ہے حضورؐ اقدس نے کسی ایک مقام کا تعین فرمایا ہو گا جو روایات کی
کثرت میں مشتبہ ہو گیا یا پھر ایک سے زیادہ مسیح مراد ہیں جو مختلف اوقات میں اصلاح
امت کے لئے مختلف مقامات پر ظاہر ہوں گے کیونکہ عربی زبان میں " انزل " کا لفظ پیدا
کرنے اور مبعوث کرنے کے معنی میں بھی استعمال ہوتاہے جیسا کہ قرآن حکیم میں حضورؐ
کی بعثت کے لئے " انزل " کا لفظ استعمال ہوا ہے ۔

پس ان تضادات سے بچنے اور حقیقت کی تہہ تک پہنچنے کے لئے ایک ہی راستہ ہے کہ ان تمام الفاظ اور روایات کو ظاہر پر محمول کرنے کی بجائے انہیں مجاز پر محمول کیا جائے کیونکہ حضور اقدسؐ ہی کا حضرت مسیحؑ کی بعثت ثانی کے سلسلہ میں ارشاد گرامی ہے کہ :۔

عبد اللہ ابن عمر سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عیسیٰ ابن مریمؑ زمین میں نازل ہوں گے، شادی کریں گے ان کی اولاد ہو گی پینتالیس سال تک زمین میں ٹھہریں گے پھر فوت ہوں گے اور میرے ساتھ میری قبر میں داخل ہوں گے، میں اور عیسیٰ ابن مریمؑ، ابوبکر و عمر کے درمیان ایک قبر سے اٹھیں گے۔ اصل عربی الفاظ ہیں

فَيُدْفَنُ مَعِي فِي قَبْرِي (۱۳)

اس روایت میں دو امور خاص طور سے غور طلب ہیں۔ حضورؐ فرماتے ہیں کہ جناب مسیحؑ کو بعد وفات میرے ساتھ میری قبر میں دفن کیا جائے گا۔ اگر اصل الفاظ ہی مراد لئے جائیں تو کوئی بدبخت سے بدبخت مسلمان بھی حضورؐ کی قبر مبارک کو کھولنے اور اس میں کسی دوسرے شخص کو دفن کرنے کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ دوسری غور طلب بات یہ ہے کہ حضورؐ کے ارشاد کی رو سے قیامت کے روز جناب مسیحؑ اور رسولؐ خدا دونوں ایک قبر سے اٹھیں گے اور وہ قبر ابوبکر و عمر کی قبروں کے درمیان ہو گی حالانکہ ہر وہ شخص جو روضہء رسولؐ پر حاضری دے چکا ہے بخوبی جانتا ہے کہ حضورؐ کی قبر مبارک ابوبکرؓ اور عمرؓ کی قبروں کے درمیان نہیں ہے بلکہ ایک جانب ہے یعنی ایک طرف حضورؐ کی قبر مبارک ہے اس کے ساتھ ابوبکر کی قبر ہے اور ابوبکرؓ صدیق کی قبر کے ساتھ عمر فاروق کی قبر ہے مگر روایت کہتی ہے کہ ایک طرف ابوبکرؓ کی قبر ہے دوسری طرف عمرؓ کی قبر ہے اور ان دونوں کے درمیان کی قبر سے حضورؐ اقدس اور جناب مسیحؑ دونوں اٹھیں گے۔

سوال یہ ہے کہ کیا یہ ساری احادیث اور ساری روایات غلط ہیں اور سب رد کر دینی چاہئیں؟ ہرگز ایسا نہیں۔ احادیث درست ہیں، روایات صحیح ہیں ان کے معنی و مفہوم بیان کرتے ہوئے تدبر و فراست سے کام نہیں لیا جاتا۔ سوروں کو قتل کرنے اور صلیب کو توڑنے سے حقیقت میں سوروں کو قتل کرنا اور لکڑی یا پتھر کی صلیبیں توڑنا مراد نہیں بلکہ ناپاک طبع لوگوں کی اصلاح، ناپاک اور پلید خیالات و عقائد کی تردید اور صلیبی مذہب کا زور

توڑنا مراد ہے۔

مولانا مودودی کا موقف؟

یہی معنی ہمارے دور کے ایک ممتاز عالم اور مفکر سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب نے کئے ہیں موصوف لکھتے ہیں کہ :۔

" صلیب کو توڑ ڈالنے اور خنزیر کو ہلاک کر دینے کا مطلب یہ ہے کہ عیسائیت ایک الگ دین کی حیثیت سے ختم ہو جائے گی۔ " (۱۴)

یہاں بجا طور پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تو فرماتے ہیں کہ جناب مسیحؑ دنیا میں آ کر " فیکسر الصلیب و یقتل الخنزیر " (صلیب کو توڑیں گے اور خنزیر کو قتل کریں گے) تو پھر مولانا مودودی یا کسی دوسرے عالم کو یہ دعویٰ کرنے کا حق کیسے حاصل ہو گیا کہ نہیں جناب مسیحؑ حقیقت میں صلیبوں کو نہیں توڑیں گے نہ سچ مچ کے سوروں کو قتل کریں گے بلکہ ان الفاظ سے حضورؐ کی مراد صلیبی مذہب کا خاتمہ ہے۔ آخر مودودی صاحب کو حضور اقدسؐ کے اصل الفاظ ترک کر کے ان کے مجازی معنی کیوں اختیار کرنے پڑے۔ اس کا ایک ہی جواب ہے کہ انہوں نے درست اور معقول موقف اختیار کیا کیونکہ جناب مسیحؑ یا کسی بھی بڑے سے بڑے انسان کے لئے روئے زمین پر پائے جانے والے سارے سوروں کو قتل کرنا اور دنیا میں موجود ایک ایک صلیب کو توڑنا نہ تو ممکن ہے نہ یہ کام کسی نبی کے شایان شان ہے اور نہ عقل اسے تسلیم کرتی ہے پس جب حدیث کے ایک حصے کی تاویل کرنی پڑی تو اس کے دوسرے حصے کی بھی تاویل کرنی پڑے گی کیونکہ دونوں حصے ظاہری معنی کے اعتبار سے ناممکن الوقوع ہیں یعنی جس طرح جناب مسیحؑ کے لئے روئے زمین پر موجود ساری صلیبوں کو توڑنا اور ایک ایک سور کو قتل کرنا ممکن ہی نہیں اسی طرح جناب مسیحؑ کا آسمان پر جانا بھی ممکن نہیں، نہ مطابق عقل ہے، نہ اس سے پہلے کسی کو آسمان پر اٹھا کر ہزاروں سال زندہ رکھا گیا، یہ امر سنت الٰہی کے خلاف ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ قران حکیم میں فیصلہ فرما چکا ہے کہ :۔

فِيهَا تَحْيَوْنَ وَفِيهَا تَمُوتُونَ وَمِنْهَا تُخْرَجُونَ ۝ (سورہ الاعراف آیت نمبر ۲۵)

(تم اس (زمین) میں زندہ رہو گے اور اسی میں تم پر موت آئے گی اور اسی میں

سے (قیامت کے دن) نکالے جاؤ گے)

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے انسان کی زندگی ' اس کی موت اور پھر قیامت کے روز دوبارہ زندہ کئے جانے کے بارے میں اپنا قانون بیان فرما دیا کہ:-

(۱) " تم اسی زمین میں زندگی گزارو گے (۲) یہیں تم پر موت آئے گی اور (۳) یہیں سے تم زندہ کر کے دوبارہ اٹھائے جاؤ گے۔

ان تین مراحل کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے چوتھا مرحلہ بیان نہیں فرمایا اس میں اس امر کی کوئی گنجائش باقی نہیں چھوڑی کہ " تم میں سے کوئی شخص ایسا بھی ہو گا جو ہزاروں سال تک اس زمین پر نہیں بلکہ آسمان پر زندگی گزارے گا۔" اگر ایسا ہوتا تو اللہ تعالیٰ اس میں " الاعیسیٰ ابن مریم " کا اضافہ کر دیتا یعنی سوائے عیسیٰ " ابن مریم " کے یا نام لئے بغیر فرما دیتا کہ سوائے اس شخص یا ان لوگوں کے جنھیں ہم چاہیں " مگر اس نے ایسا نہیں فرمایا کسی ایک شخص کو اس قانون سے باہر نہیں رکھا۔ مادی جسم ' مادی خوراک کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا اگر کوئی شخص کسی خلائی جہاز کے ذریعے کسی سیارے پر چلا بھی جائے تو وہ اس دنیا کے لوازم زندگی یعنی ہوا ' لباس اور غذا اپنے ساتھ لے کر جائے گا اور جب وہ ختم ہونے لگیں گے تو اسے واپس آنا پڑے گا۔ بغیر کسی ظاہری ذریعے اور آلے کے کوئی شخص آسمان کی طرف پرواز نہیں کر سکتا یہ اللہ تعالیٰ کی سنت کے خلاف ہے۔

اسی طرح مولانا مودودی کا یہ فرمانا کہ اگر:-

" بالفرض وہ (مسیح " ابن مریم ") وفات ہی پا چکے ہوں تو اللہ انہیں زندہ کر کے اٹھا لانے پر قادر ہے۔"

یہ ایسا دعویٰ ہے جو قرآن اور حدیث دونوں کے خلاف ہے۔ جہاں تک اللہ تعالیٰ کی قدرتوں کا تعلق ہے تو بلاشبہ وہ لامحدود اور احاطہء عقل انسانی سے باہر ہیں۔ اس کی قدرت سے ہرگز بعید نہیں کہ وہ پل بھر میں چیل کو اونٹ بنا دے اور اونٹ کو کبوتر بنا کر آسمان میں اڑانا شروع کر دے۔ وہ دریا کو زمین سے اٹھا کر اس کے دونوں کناروں کے درمیان آسمان پر بہانا شروع کر دے اور مریخ یا عطارد کو آسمان سے اتار کر دریا کی جگہ فٹ کر دے۔ یقیناً " وہ یہ سب کچھ بلکہ اس سے کہیں زیادہ قدرتیں دکھانے پر قادر ہے مگر

سوال یہ ہے کہ کیا وہ ایسا کیا بھی کرتا ہے؟ وہ ایسے کھیل تماشے نہیں کرتا کیونکہ یہ اس کی شان کے خلاف ہے اس نے اس دنیا کا نظام چلانے کے لئے کچھ قوانین مقرر فرمائے ہیں کچھ ضابطے بنائے ہیں وہ انہیں نہیں توڑتا ان کی خلاف ورزی اسے پسند نہیں۔ اس نے خود فرما دیا کہ لَن تَجِدَ لِسُنَّةِ اللَّهِ تَبدِيلاً ٥ (تم اللہ کی (میری) سنت میں تبدیلی نہیں پاؤ گے) موت و حیات کے بارے میں بھی اس کا ایک قانون ہے اس کی ایک سنت ہے اس میں تبدیلی نہیں ہو سکتی خود اس کا فیصلہ ہے کہ جو شخص ایک بار مر جائے وہ دوبارہ زندہ نہیں ہو سکتا چنانچہ فرمایا کہ:-

فَيُمسِكُ الَّتِي قَضَىٰ عَلَيهَا المَوتَ الخ (سورہ الزمر آیت نمبر ۴۲)

یعنی جس کی موت کے بارے میں فیصلہ کر لیا جاتا ہے اس کی روح دنیا میں دوبارہ واپس نہیں آتی ' اسے روک لیا جاتا ہے۔ جب حضرت مسیح " فوت ہو گئے تو خداوند تعالیٰ کے فیصلے کے مطابق ان کی روح روک لی گئی اب وہ ہرگز واپس نہیں آئیں گے کروڑوں انسان ان کی آمد کا انتظار کرتے کرتے مر گئے ' کروڑوں بلکہ اربوں انسان اسی انتظار میں مر جائیں گے ' یہاں تک کہ قیامت قائم ہو جائے گی مگر حضرت مریم " کا بیٹا دنیا میں کبھی نہیں آئے گا ' یہ خدا کا فیصلہ ہے ' کون ہے جو یہ فیصلہ تبدیل کر سکے؟ قرآن شریف کے اس فیصلے کی مزید وضاحت خود رسول اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرما دی جب حضرت جابر ؓ کے والد جناب عبداللہ ؓ نے شہادت کے بعد اللہ تعالیٰ کے حضور التجا کی کہ وہ انہیں ایک بار اور دنیا میں بھیج دے تا کہ وہ اس کی راہ میں جہاد کرتے ہوئے پھر قتل کئے جائیں۔ حضور " فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جواب دیا کہ:-

إِنَّهُ قَد سَبَقَ مِنِّي أَنَّهُم إِلَيهَا لَا يُرجَعُونَ (۱۵)

" یعنی اس کا تو میں فیصلہ کر چکا ہوں ' یہ امر تو طے پا چکا ہے کہ جو لوگ فوت ہو گئے وہ دوبارہ دنیا میں واپس نہیں بھیجے جائیں گے۔" کیا رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس ارشاد کے بعد بھی کوئی اس کے خلاف رائے دینے کی جرات کر سکتا ہے؟ اگر روئے زمین پر کوئی ایسا شخص ہے تو اسے اپنے ایمان کی فکر کرنی چاہئے۔

پس حضرت مسیح " کا مرنے کے بعد دوبارہ جی اٹھنا ایک مسیحی عقیدہ تو ہو سکتا ہے

جس کی وہ مسلسل دو ہزار سال سے تبلیغ بھی کر رہے ہیں مگر اسلامی اور قرآنی عقیدہ نہیں ہو سکتا۔ پس جناب مسیحؑ کا دنیا میں واپس آنا اسی طرح ناممکن اور خلاف عقل ہے جس طرح روئے زمین پر موجود ایک ایک صلیب کو توڑنا اور ایک ایک سور کو قتل کرنا ان کے لئے ناممکن ہے جس طرح صلیبوں کو توڑنے اور سوروں کو قتل کرنے کی تاویل کرنا پڑی اور اس کے مجازی معنی اختیار کرنے پڑے کہ حضرت مسیحؑ درحقیقت لکڑی اور پتھروں کی صلیبوں کو نہیں توڑیں گے اور نہ سچ مچ کے سوروں کو قتل کریں گے بلکہ اس سے حضورؐ اقدس کی مراد صلیبی مذہب کا خاتمہ (بلکہ اس کی گرفت کو انتہائی کمزور کرنا) ہے اسی طرح جناب مسیحؑ کے نزول سے بھی مراد کوئی ایسی شخصیت لینی پڑے گی جو مسیحا صفت ہو اور امت محمدیہ میں پیدا ہو کیونکہ از روئے قران حضرت مسیحؑ ابن مریمؑ تو فوت ہو گئے اور فوت شدہ اشخاص دنیا میں واپس نہیں آیا کرتے یہ بھی قرآن شریف ہی کا فیصلہ ہے اور خود حضورؐ اقدس کا بھی ارشاد یہی ہے کہ عیسیٰ ابن مریم پر موت آگئی۔ اسی طرح حضورؐ کا یہ فرمانا کہ مسیحؑ میرے ساتھ میری قبر میں دفن ہو گا اور قیامت کے دن ابوبکرؓ و عمرؓ کے درمیان میرے ساتھ اٹھے گا اس کی بھی تاویل کرنی ہو گی۔ اس ارشاد سے حضورؐ اقدس کا مقصد امت محمدیہ میں پیدا ہونے والے مسیح کے مرتبے کا تعین کرنا ہے یعنی آپؐ امت کو بتانا چاہتے ہے کہ آنے والا مسیحؑ میری امت کا ایک فرد ہو گا اور میری محبت میں اس طرح فنا ہو جائے گا کہ گویا میرے ہی وجود کا ایک حصہ ہے اس میں اور مجھ میں کوئی فرق نہیں ہو گا جس طرح ابوبکرؓ و عمرؓ میرے خلیفہ تھے یہی مرتبہ اسے بھی حاصل ہو گا اور جس طرح ابوبکرؓ و عمرؓ نے میرے مشن کو آگے بڑھایا اور ان کے ذریعے سے دین کو تقویت حاصل ہوئی اسی طرح اس مسیح محمدی کے ہاتھوں بھی تقویت دین کے کارنامے سرانجام پائیں گے ' جس طرح قیامت کے روز ابوبکرؓ و عمرؓ کو میری معیت حاصل ہو گی اسی طرح یہ مسیح محمدی بھی میرے ساتھ ہو گا۔

مولانا ابوالکلام اور "نزول مسیح"

شاید یہی وجہ ہے کہ بہت سے علمائے اسلام اور روشن خیال مفکرین نے جنہیں اللہ تعالیٰ نے بصیرت عطا فرمائی ' حضرت مسیحؑ کے آسمان پر جانے اور ان کے نزول دونوں کا

انکار کر دیا کہ اس سے عقائد اسلام میں بڑا فساد پیدا ہوتا ہے۔ مولانا مودودی کو جتنی بصیرت عطا ہوئی اس کے مطابق انہوں نے نزول مسیحؑ کی روایت کے ایک حصے کی تاویل کی لیکن دوسرے کی تاویل نہ کر سکے مگر انہی کے پائے کے دوسرے عالم اور روشن خیال مفکر مولانا ابوالکلام آزاد نے اس پوری روایت کو اس کے ظاہری معنی کے لحاظ سے رد کر دیا کیونکہ انہیں خداداد بصیرت سے زیادہ حصہ عطا ہوا تھا چنانچہ مولانا اپنے ایک خط میں لکھتے ہیں کہ :-

" تعجب ہے نزول مسیحؑ کے بارے میں آپ کی خلش باقی ہے۔ میں نے اپنی رائے ظاہر کر دی تھی ------ بلاشبہ یہ تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ یہ عقیدہ اپنی نوعیت کے اعتبار سے ایک مسیحی عقیدہ ہے اور اسلامی شکل و لباس میں نمودار ہوا ہے (۱۶)

دوسرے الفاظ میں مولانا ابوالکلام نہایت وضاحت سے فرما رہے ہیں کہ حضرت مسیحؑ نہ آسمان پر تشریف لے گئے نہ آسمان سے نازل ہوں گے یہ عقیدہ مسیحیوں کا ہے جنہوں نے ایک منظم سازش کے تحت اسے اسلام میں داخل کر دیا اور ہمارے بعض مفسروں نے نادانستہ طور پر اسے قبول کر لیا اس طرح یہ اسلامی عقیدہ بنا کر پیش کر دیا گیا حالانکہ اس کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں۔

خلاف قرآن دعویٰ

روایات کے اس طویل سلسلے میں ایک روایت مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی نے بھی بیان کی ہے جو اس سے قبل " آمد مسیح کا منظر نامہ " کے تحت درج کی جا چکی ہے اس روایت کا آخری حصہ تو اس قدر حیران کن ہے کہ ایک باخبر قاری کو اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آتا۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ یہ روایت گھڑنے والا نہ صرف علوم اسلامیہ سے بالکل نابلد ہے بلکہ قران حکیم کا فہم اسے سرے سے نصیب ہی نہیں ہوا افسوس کہ مولانا موصوف نے اس روایت پر غور نہیں فرمایا۔ روایت یہ ہے :-

" حضرت عیسیٰ علیہ السلام آگے بڑھ کر اس (دجال) کو قتل کر دیں گے اور پھر جو یہود دجال کی رفاقت میں قتل ہونے سے بچ جائیں گے وہ اور عیسائی سب اسلام قبول کر لیں گے۔ اس طرح اس زمانے میں اسلام کے ماسوا کوئی مذہب باقی نہیں رہے گا " (۱۷)

اگر اس روایت کو تسلیم کر لیا جائے تو قرآن ہی ہمارے ہاتھ سے جاتا رہے گا کیونکہ یہ روایت قرآن کی صریحاً تکذیب کر رہی ہے ۔ قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :۔

وَجَاعِلُ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْكَ فَوْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ (سورہ آل عمران آیت نمبر ۵۵)

اور جو لوگ تمہاری پیروی کریں گے ان کو کافروں پر قیامت تک فائق (و غالب) رکھوں گا ۔ ترجمہ مولانا فتح محمد جالندھری)

اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ حضرت مسیحؑ ابن مریمؑ کی بشارت دے رہا ہے کہ جو لوگ تیری پیروی کریں گے میں انہیں تیرے منکروں پر قیامت تک غالب رکھوں گا ۔ اس سے لازم آتا ہے کہ حضرت مسیحؑ ابن مریمؑ کے منکر (یہود) قیامت موجود رہیں گے اور قیامت تک ہر دور میں مسیحی یہودیوں پر غالب رہیں گے لیکن جو روایت ابھی درج کی گئی ہے اس کی رو سے سارے یہودی حضرت مسیحؑ پر ایمان لے آئیں گے سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب سارے یہودی حضرت مسیحؑ پر ایمان لے آئے تو نہ کوئی غالب رہا نہ مغلوب سارا قصہ ہی ختم ہو گیا گویا یہ روایت قرآن حکیم کے ارشاد کے صریحاً خلاف ہے ۔ قرآن صاف الفاظ میں بتا رہا ہے کہ یہود قیامت تک موجود رہیں گے مگر وہ حضرت مسیحؑ پر ایمان رکھنے والوں کے دست نگر اور محتاج رہیں گے ان پر مسیحیوں کو برتری حاصل ہو گی وہ انہی کی سرپرستی میں زندگی گزریں گے اور تعداد ، وسائل اور طاقت ہر لحاظ سے ان سے کم تر ہوں گے ، ان کے محتاج ہوں گے جیسا کہ آج بھی ہیں اور اگر اسلام ساری دنیا پر غالب آ جاتا ہے جو انشاء اللہ آکر رہے گا تو یہود ان سے مغلوب ہوں گے اور ان کے دست نگر اور محتاج رہیں گے کیونکہ مسیحیوں کی طرح مسلمان بھی حضرت مسیحؑ ابن مریمؑ کی نبوت پر ایمان رکھتے ہیں ۔ افسوس کہ روایات کو چھانے پھٹکے بغیر آنکھیں بند کر کے قبول کرنے سے کیسی کیسی خرابیاں پیدا ہوئیں اور قرآن ہی معرض خطر میں پڑ گیا ۔ انا للہ و انا الیہ راجعون ط

پس قرآن کریم کی رو سے حضرت مسیحؑ پر ایمان رکھنے والے اور ان کے منکر دونوں قیامت تک موجود رہیں گے اور ہر دور میں موجود رہیں گے کیونکہ قرآن حکیم کسی درمیانی مدت میں ان میں سے گروہ یعنی منکرین مسیحؑ کا وجود ختم ہو جانے کی ہرگز کوئی اطلاع نہیں

دیتا ۔ گویا آنے والا مسیحؑ جو آخر زمانے میں مبعوث ہو گا منکرین مسیحؑ کا مکمل طور پر خاتمہ نہیں کرے گا بلکہ ان کی اکثریت اس دوسرے مسیحؑ پر رفتہ رفتہ ایمان لے آئے گی آگے چل کر مولانا حفظ الرحمٰن صاحب کی اس روایت میں یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ :۔

(حضرت مسیحؑ کے ہاتھ پر سارے عیسائی بھی اسلام قبول کر لیں گے اور اس طرح اس زمانے میں اسلام کے ماسوا کوئی مذہب باقی نہیں رہے گا ۔") (۱۸)

ابلیس کا خدا سے مکالمہ

یہ دعویٰ بھی از روئے قرآن غلط ہے اور عقلاً بھی درست نہیں کیونکہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ اور ابلیس کے درمیان جو مکالمہ بیان کیا گیا ہے اس کی رو سے شیطان قیامت تک اللہ کے بندوں کو گمراہ کرتا رہے گا چنانچہ قرآن کریم کی رو سے پیدائش آدمؑ کے موقع پر جب ابلیس نے سجدہ کرنے سے انکار کیا اور اللہ تعالیٰ نے اسے مردود قرار دے کر دھتکار دیا تو اس نے جناب الٰہی میں عرض کی کہ :۔

اَرَءَيْتَكَ هٰذَا الَّذِيْ كَرَّمْتَ عَلَيَّ لَئِنْ اَخَّرْتَنِ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَاَحْتَنِكَنَّ ذُرِّيَّتَهٗٓ اِلَّا قَلِيْلًا
(سورہ بنی اسرائیل آیت نمبر ۶۲)

" اس شخص کو جو آپ نے مجھ پر فوقیت دی ہے تو بھلا بتلایئے تو ، خیر اگر آپ نے مجھ کو قیامت کے زمانے تک مہلت دیدی تو میں (بھی) بجز قدرے قلیل لوگوں کے اس کے تمام اولاد کو اپنے بس میں کر لوں گا" ترجمہ مولانا اشرف علی تھانوی

آگے چل کر اس آیت کے بعد والی آیت میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ :۔

"جا جو شخص ان میں سے تیرا ساتھ دے گا تو ان سب کی سزا جہنم ہے" ۔

گویا اللہ تعالیٰ نے ابلیس اور اس کی ذریت کو جسے قرآن کریم میں لشکر کے لفظ سے موسوم کیا گیا ہے قیامت تک مہلت دیدی کہ تم سب مل کر لوگوں کو گمراہ کرنے کی کوشش کرتے رہنا لیکن یاد رکھو جو میرے خاص بندے ہیں تم ان پر قابو نہیں پاسکو گے (آیت ۶۴)

قرآن حکیم کی ان آیات سے صاف طور پر ثابت ہوتا ہے کہ دنیا میں قیامت تک ایسے لوگ موجود رہیں گے جو شیطان کی پیروی کریں گے اور وہ قلیل تعداد میں

نہیں بلکہ کثیر تعداد میں ہوں گے یہ کفر کے راستے پر گامزن رہیں گے مگر ہمارے بعض مفسرین احادیث کے نام سے جو روایات بیان کرتے ہیں ان کی رو سے جناب مسیحؑ کی پھونکوں سے سارے کفار مر جائیں گے اور سب ایک دین پر قائم ہو جائیں گے۔ اگر یہ روایات درست تسلیم کر لی جائیں تو قرآن کریم کا ارشاد (نعوذ باللہ) غلط ٹھہرتا ہے پس ماننا پڑے گا کہ یہ روایات درست نہیں اور جناب مسیحؑ کی بعثت ثانی کے وقت اور بعد میں بھی کفار اور شیطان کے پیرو کار بدستور موجود رہیں گے اور قرآن حکیم کی رو سے قیامت تک یہ عمل جاری رہے گا

مسیح محمدی کا ظہور ہو گا

یوں بھی حضرت آدمؑ سے لے کر جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک کوئی نبی ایسا نہیں گزرا جس نے ساری دنیا کے کفار کو حلقہ بگوش اسلام کر لیا ہو۔ منکرین حق ہر دور میں موجود رہے اور قیامت تک موجود رہیں گے ہاں جناب مسیحؑ اپنی بعثت ثانی میں کفر کا زور توڑ دیں گے اور صلیبی مذہب کو کمزور کر کے اسلام کی حقانیت دنیا پر آشکار کر دیں گے اور ایک وقت آئے گا کہ ان کے دلائل و براہین سے متاثر ہو کر مسیحی اور یہودی جوق در جوق اسلام کے دائرے میں داخل ہونے لگیں گے اور پھر اسلام دنیا کے بڑے حصہ پر غالب آجائے گا۔ یہ کارنامۂ عظیم وہی مسیح محمدی انجام دے گا جو امت محمدیہ میں سے مبعوث ہو گا اور قرآن کے دلائل سے آراستہ ہو گا اس کے ہاتھ سے غلبۂ اسلام کا آغاز ہو گا اور اس کی تبلیغ زمین کے ایک کنارے سے لے کر دوسرے کنارے تک پہنچے گی کیونکہ خود حضرت مسیحؑ ابن مریمؑ اس امر کی پیش گوئی ان الفاظ میں فرما چکے ہیں کہ:۔

"جیسے بجلی آسمان کی ایک طرف سے کوند کر دوسری طرف چمکتی ہے ویسے ہی ابن آدم (یعنی مسیحؑ) اپنے دن میں ظاہر ہو گا۔ (لوقا کی انجیل باب نمبر ۱۷ آیت نمبر ۲۴)

یعنی جس طرح بجلی آسمان کے ایک کنارے سے چمک کر دوسرے کنارے تک سارے آسمان کو روشن کر دیتی ہے اسی طرح مسیحؑ اپنی دوسری بعثت میں اس طرح ظاہر ہو گا کہ مشرق سے مغرب تک ساری دنیا اس کے نورانی پیغام سے روشن ہو جائے گی اور دنیا کے ہر حصے میں بسنے والی اقوام اس کو قبول کریں گی، اس کا نام اور کام زمین کے آخری کناروں

تک پہنچے گا۔ یہ وہ پیش گوئی ہے جو حضرت مسیحؑ ابن مریمؑ کی زبان پر جاری ہوئی، ضرور ہے کہ وہ پوری ہو اور جس طرح اس پہلے مسیحؑ کو ابتدا میں رد کیا گیا اور اسے دکھ دیا گیا ضرور ہے کہ اس دوسرے مسیحؑ کو بھی دکھ دئے جائیں اور ابتدا میں رد کیا جائے چنانچہ عالم اسلام کے جلیل القدر مفکرین اور مفسرین نے لکھا ہے کہ جب مسیحؑ ظاہر ہو گا تو علمائے وقت اس کی شدید مخالفت کریں گے اور اس پر کفر کے فتوے لگائیں گے۔ امام الوقت حضرت مجدد الف ثانیؒ اپنے مکتوبات میں لکھتے ہیں کہ:۔

"حضرت عیسیٰؑ نازل ہونے کے بعد شریعت اسلامی کی پیروی کریں گے اور سنت رسولؐ پر عامل ہوں گے اس لئے کہ شریعت محمدی منسوخ نہیں ہو سکتی (مگر) علمائے ظاہر جناب عیسیٰؑ کے اجتہادات و نظریات سے اس لئے انکار کریں گے کہ وہ ان کی حقیقت تک نہیں پہنچ سکیں گے اور انھیں کتاب و سنت کے خلاف قرار دیں گے۔" (۱۹)

یعنی حضرت مسیحؑ کی بعثت ثانیہ کے موقع پر سب سے زیادہ مخالفت ان لوگوں کی طرف سے کی جائے گی جو خود کو شارع دین متین سمجھتے ہوں گے یہ ظاہر بیں علماء اپنی کوتاہ بینی کی وجہ سے ان روحانی اسرار و رموز کو نہیں سمجھ سکیں گے جو یہ مسیح محمدی بیان کرے گا پس وہ اس کی مخالفت پر آمادہ ہو جائیں گے اور اس کے اقوال اور دعوے کو کتاب و سنت کے خلاف قرار دے کر اس پر کفر کے فتوے لگائیں گے۔ گویا جس طرح حضرت مسیحؑ ابن مریمؑ کو اس وقت کے علمائے یہود نے رد کیا اور ان کو دکھ دئے بالکل اسی طرح جناب مسیحؑ کی دوسری آمد کے موقع پر اس مسیحؑ محمدی کو بھی اس وقت کے علماء رد کریں گے اور دکھ دیں گے۔ اس حقیقت کی طرف جناب مسیحؑ ابن مریمؑ نے اپنے اس الہامی ارشاد میں اشارہ کیا ہے کہ:۔

ابن آدم (یعنی مسیحؑ) اپنے دن میں ظاہر ہو گا ○ لیکن پہلے ضرور ہے کہ وہ بہت دکھ اٹھائے اور اس زمانے کے لوگ اسے رد کریں" (۲۰)

پس ناممکن ہے کہ خدا کے ایک برگزیدہ نبی کا ارشاد پورا نہ ہو اور یہ مسیحؑ اپنی بعثت ثانیہ میں مسیح محمدی کی صورت میں ظاہر نہ ہو۔ ضرور ہے کہ اس پر بھی کفر کے فتوے لگائے جائیں اور اسے دکھ دئے جائیں کیونکہ ابتدائے آفرینش سے آج تک یہی ہوتا چلا

آرہا ہے کہ خدا کے ہر مامور کی مخالفت کی گئی اسے اذیتیں دی گئیں حتیٰ کہ لوگ اس کے قتل کے درپے ہوگئے پس اس دوسرے مسیح کے ساتھ بھی یہی ہوگا لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ تائید غیبی سے انہی مخالفوں میں سے اس کے حامی و مددگار پیدا ہوں گے اور مسیح ابن مریمؑ کے بقول :-

”جیسے بجلی آسمان کی ایک طرف سے دوسری طرف چمکتی ہے ویسے ہی ابن آدم (یعنی مسیح) ظاہر ہوگا“ (لوقا کی انجیل باب نمبر۱۷ آیت ۲۴)

یعنی جس طرح بجلی آسمان کے ایک کنارے سے لے کر دوسرے کنارے تک سارے آسمان کو روشن کر دیتی ہے اسی طرح دوسرے مسیحؑ کا پیغام بھی دنیا کے کونے کونے تک پہنچے گا اور ہر قوم اور ہر ملک کی سعید روحیں رفتہ رفتہ اسے قبول کرنا شروع کر دیں گی۔

(مجیم شید)

حوالہ جات

(۱) لوقا کی انجیل - باب نمبر۱۷ آیت (۲۴، ۲۵)-(۲) صحیح بخاری، کتاب الانبیاء-(۳) صحیح مسلم کتاب الایمان الجزو الاول صفحہ ۶۳ مطبوعہ مصر۱۳۴۸ھ -(۴) صحیح بخاری الجز الرابع عشر کتاب بدا الخلق صفحہ نمبر۸۲ مطبع مصر۱۳۵۶ھ -(۵) صحیح بخاری الجز الرابع عشر کتاب بدا الخلق صفحہ نمبر۸۲، ۸۳ مطبعۃ البہیتہ المصریہ ۱۳۵۶ھ-(۶) کشف المحجوب صفحہ ۲۸۵ (نسخہ مرتبہ ڈاکٹر مولوی محمد شفیع مرحوم-(۶-الف) قصص القرآن جلد چہارم صفحہ ۱۵۷ طبع کراچی مولفہ حضرت مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی -(۷) صحیح مسلم کتاب الایمان القسم الاول الجزو الاول صفحہ۶۳ مطبوعہ مصر ۱۳۴۸ھ (افسوس کہ مسلم کی یہ حدیث بلکہ پورا باب جو نزول عیسیٰؑ ابن مریمؑ کے نام سے موسوم ہے بعد کے ایڈیشنوں سے نکال دیا گیا۔ مگر الحمدللہ کہ ہمارے پاس ۱۳۴۸ھ کے اصل ایڈیشن کا فوٹو سٹیٹ موجود ہے - (پیام احمد خان)-(۸) صحیح مسلم کتاب الفتن الجزو الثانی صفحہ ۳۳۴،۳۳۳ مطبع مطفے البابی : لحلبی مصر-(۹) ترجمان السنۃ جلد رابع صفحہ ۳۹۹ مولفہ قطب العارفین حضرت مولانا سید محمد بدر عالم مہاجر مدنی مطبوعہ مدینہ پبلشنگ کمپنی کراچی -(۱۰) مسند احمد بن حنبل جلد نمبر۶ صفحہ ۵۸ مسند سیدہ عائشہؓ-(۱۱) مسند احمد بن حنبل جلد نمبر۶ صفحہ نمبر۵۶ حاشیہ مسند سیدہ عائشہؓ -(۱۲) مسند احمد بن حنبل جلد نمبر۶ صفحہ ۵۸ مسند سیدہ عائشہؓ -(۱۳) مشکوۃ باب نزول عیسیٰؑ -(۱۴)”ختم نبوت“ صفحہ ۶۴ مولفہ سید ابوالاعلیٰ مودودی مطبوعہ جولائی ۱۹۸۸ اشاعت ششم -(۱۵)الجامع سنن ترمذی الجز الخامس صفحہ ۲۳۰،۲۳۱ مطبع مصطفیٰ البابی مصر-(۱۶)نقش آزاد صفحہ نمبر ۱۰۲ کتاب منزل لاہور-(۱۷)قصص القرآن جلد چہارم صفحہ ۱۵۹-(۱۸)قصص القرآن جلد چہارم صفحہ ۱۵۹-(۱۹)مکتوبات مجدد الف ثانی دفتر دوئم صفحہ ۱۰۷ مطبوعہ مطبع احمدی دہلی (۲۰) لوقا کی انجیل باب ۱۷ آیت (۲۴)